اُردو تراجم کے فروغ میں سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا کردار

(پاکستانی زبانوں کے ادب کے حوالے سے)

مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی (اُردو)

مقالہ نگار:

محمد آصف

فیکلٹی آف لینگو یجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد

جولائی ۲۰۲۱ء

اُردو تراجم کے فروغ میں سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا کردار

(پاکستانی زبانوں کے ادب کے حوالے سے)

مقالہ نگار:

محمد آصف

یہ مقالہ

پی ایچ۔ڈی(اُردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگو یجز

(اُردو زبان وادب)

فیکلٹی آف لینگو یجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد

جولائی ۲۰۲۱ء

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: اُردو تراجم کے فروغ میں سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا کردار
(پاکستانی زبانوں کے ادب کے حوالے سے)

پیش کار: محمد آصف　　رجسٹریشن نمبر: 574/PhD/Urd/F-15

ڈاکٹر آف فلاسفی

شعبہ: اُردو زبان و ادب

پروفیسر ڈاکٹر فوزیہ اسلم

نگران مقالہ　　____________________

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی

ڈین فیکلٹی آف ہائیر سٹڈیز　　____________________

میجر جنرل (ر) محمد جعفر، ہلال امتیاز (ملٹری)

ریکٹر نمل، اسلام آباد　　____________________

تاریخ　　____________________

اقرار نامہ

میں، محمد آصف، حلفیہ اقرار کرتا ہوں کہ اِس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد کے پی ایچ۔ڈی اسکالر کی حیثیت سے پروفیسر ڈاکٹر فوزیہ اسلم کی نگرانی میں کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا اور نہ آئندہ پیش کروں گا۔

محمد آصف

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جولائی ۲۰۲۱ء

فہرست ابواب

عنوان	صفحہ نمبر
مقالہ اور دفاع مقالہ کی منظوری کا فارم	ii
اقرار نامہ	iii
فہرست ابواب	iv
Abstract	viii
اظہارِ تشکّر	x
باب اوّل: موضوع تحقیق کا تعارف اور بنیادی مباحث	۱۔۷۵
الف۔ تمہید	۱
i. موضوع کا تعارف	۱
ii. بیانِ مسئلہ	۳
iii. مقاصدِ تحقیق	۳
iv. تحقیقی سوالات	۳
v. نظری دائرہ کار	۳
vi. تحقیقی طریقہ کار	۴
vii. مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق	۴
viii. تحدید	۴
ix. پس منظری مطالعہ	۵

x. تحقیق کی اہمیت ۵

ب۔ مجلہ ''ادبیات'' کا تعارف اور تاریخ ۵۔۳۴

i. اکادمی ادبیات پاکستان کا تعارف ۵

ii. سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا تعارف ۲۳

ج۔ اُردو میں ترجمہ نگاری کی روایت اور اہمیت ۳۵۔۹۰

i. اُردو میں ترجمہ نگاری کی روایت ۳۵

ii. سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے اُردو تراجم ۵۱

حوالہ جات ۸۹

باب دوم: شعری تراجم کا جائزہ ۹۱۔۱۷۵

الف۔ شعری تراجم کا موضوعاتی جائزہ ۹۱

i. حمد ۹۱

ii. نعت ۹۷

iii. نظم ۱۰۳

iv. غزل ۱۱۱

v. گیت ۱۱۸

vi. دوہا ۱۲۲

vii. ماہیا ۱۲۵

viii. مُنقبت ۱۲۷

ix. رباعی ۱۲۹

x. قطعہ ۱۳۲

ب۔ شعری تراجم کا فنی جائزہ ۱۳۴

i. حمد ۱۳۴

.ii	نعت	۱۳۷
.iii	نظم	۱۴۲
.iv	غزل	۱۴۹
.v	گیت	۱۵۴
.vi	دوہا	۱۵۷
.vii	ماہیا	۱۵۹
.viii	مُنقبت	۱۶۱
.ix	رباعی	۱۶۳
.x	قطعہ	۱۶۵
	حوالہ جات	۱۶۹
باب سوم: افسانوی تراجم کا جائزہ		**۱۷۶۔۲۲۳**
الف۔افسانوی تراجم کا موضوعاتی جائزہ		۱۷۶
.i	داستان	۱۷۶
.ii	ناول	۱۸۰
.iii	ڈراما	۱۸۴
.iv	افسانہ	۱۸۷
ب۔افسانوی تراجم کا فنی جائزہ		۲۰۳
.i	داستان	۲۰۳
.ii	ناول	۲۰۵
.iii	ڈراما	۲۱۰
.iv	افسانہ	۲۱۳
	حوالہ جات	۲۲۱

باب چہارم: غیر افسانوی نثری تراجم کا جائزہ	۲۲۴۔۲۴۶
الف۔ غیر افسانوی نثری تراجم کا موضوعاتی جائزہ	۲۲۴
i. مضمون	۲۲۴
ii. مکتوب	۲۲۹
iii. آپ بیتی	۲۳۳
ب۔ غیر افسانوی نثری تراجم کا فنی جائزہ	۲۳۶
i. مضمون	۲۳۶
ii. مکتوب	۲۳۹
iii. آپ بیتی	۲۴۱
حوالہ جات	۲۴۵
باب پنجم: مجموعی جائزہ، تحقیقی نتائج اور سفارشات	۲۴۷۔۲۵۸
الف۔ مجموعی جائزہ	۲۴۷
ب۔ تحقیقی نتائج	۲۵۶
ج۔ سفارشات	۲۵۷
کتابیات	۲۵۹
ضمیمہ جات	

Abstract

The role Three Monthly journal “Adbiyaat” in the promotion of Urdu translation.

Translation is a source of binding not only of nations and languages but also of civilization. It promotes innovative themes, styles and taste practised by the other languages and cultures to the target language and culture to enrich its resources and brings a new tide of thought. Pakistan is a multilingual country where multiple languages are spoken. The translation decades the internal development of the people's nature and their spontaneous expressions in oracy and literacy and points out the mental co-ordination amongst different languages. It creates an atmosphere of understanding which in turns paves the way for fraternity, unity and harmony across Pakistan.

The three monthly journal “Adbiyaat” was introduced in June 1985 in Pakistan to promote Urdu and translation of diverse Pakistani languages. It is the first journal of Pakistan which gives much importance to inter languages translation in Pakistan. The basic objective of my research is to focus the services rendered by three monthly journal of Academy of Letters Adbiyaat in the promotion of translation among different Pakistani languages and literature.

It is observed that the role of journals is very important but now attempt made in the translation of different Pakistani Languages. In this research, I try to study the prose and poetry of “Adbiyaat” of Pakistani Languages and made conclusion. The objectives in this research are the information about the translation of Pakistani Languages of “Adbiyaat”. My Whole research base on the role of “Adbiyaat” in the promotion of different Pakistani Languages and importance of this Translation. Translation has a great impact on society. Translations of “Adbiyaat” create brother-hood, fraternity and unity among the people of Pakistan. People become closer to each other because of these translations. These translations promote the literature of Urdu and the literature of other Pakistani languages too.

Methods used in this research were Documentary method and Historical method. Primary sources of materials were all the issues of Adbiyaat

particularly the issues which belonged to the literature of Pakistani languages. Secondary sources of knowledge of this research were all the journals and the books which belong to The Academy of Letters and different research books too. Interviews of different personalities of Adbiyaat and other famous writers were taken to know the quality of this research. The basic knowledge in this research is gain from all the issues of “Adbiyaat”. The sources of background knowledge in this research are “The thesis Of Sadia Iftihar about The Acadmey Of Letters” and all the poetry and prose of “Adbiyaat” about different Pakistani Languages. In this era, the role of translation is very important. Different journals are trying to promote Urdu language and literature. Some journals are contributing in the translation of different Pakistani languages. Three Monthly “Adbiyaat” done a great achievement in the promotion of translation of different Pakistani Languages.

اظہارِ تشکّر

تحقیق اتنا آسان کام نہیں جو بغیر کسی کی مدد کے مکمل ہو سکے۔اِس کٹھن کام کی تکمیل میں بے شمار مشکلات آتی ہیں جن کو دور کرنے کے لیے اساتذہ، ساتھیوں اور احباب کی مدد لینی پڑتی ہے۔ ہر مقالہ نگار کی طرح مجھے بھی اپنے مقالے کی تکمیل میں بے شمار دشوار گزار راستوں سے گزرنا پڑا۔ لیکن ربِ تعالٰی کا صد بار شکر کہ اُس کی مہربانی اور عنایت اور نبی آخر الزّماں کے وسیلے سے اِس تحقیقی کام میں حائل رکاوٹیں دور ہوتی گئیں۔اِس مقالے کی تکمیل میں مجھ پر سب سے زیادہ مہربانی اور شفقت پروفیسر ڈاکٹر فوزیہ اسلم نے فرمائی جو اِس مقالے کی نگران بھی ہیں۔اُن جیسا مہربان اور شفیق اُستاد میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ تحقیق کے اِس مشکل کام میں انھوں نے نہایت نرمی سے قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی۔ خصوصاً اپنی خرابیِ صحت کے دنوں میں اِن کی حوصلہ افزا باتوں کی وجہ سے میں نے اپنا کام جاری و ساری رکھا۔ وبائی مرض ''کرونا'' کے دِنوں میں انھوں نے مجھے بہت ساری معلومات موبائل فون پر دیں اور اپنا بہت سارا قیمتی وقت مجھے عطا کیا جس پر میں اُن کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔ان کی مہربانیاں اور شفقتیں میں زندگی بھر نہ بھلا سکوں گا۔ صدرِ شعبہ اُردو ڈاکٹر عابد حسین سیال جو کہ ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں، کی ہمت افزا باتیں ہمیشہ میرے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ اگرچہ میری تحقیق کے ابتدائی دنوں میں اُن کے چین جانے کی وجہ میں اُن سے کم مُستفید ہو سکا لیکن مقالے کی تکمیل کے آخری دِنوں میں ''دیر آید درست آید'' کے مصداق انھوں نے میری بھرپور رہنمائی فرمائی۔اُن کی نرم گو طبیعت سے میں ہمیشہ متاثر رہا ہوں۔ مقالے کی تکمیل اُن کے مفید مشوروں سے ہوئی۔

ڈاکٹر رشید امجد کے شکریے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں۔اِس تحقیقی کام میں انھوں نے میری بھرپور معاونت کی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالٰی اُن کو درازِ عمر عطا کرے تاکہ وہ تشنگانِ علم کی پیاس بجھاتے رہیں۔(آمین)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کے شعبہ اُردو سے دیگر اساتذہ میں سے پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شہناز، ڈاکٹر شفیق انجم، ڈاکٹر نعیم مظہر، ڈاکٹر ظفر احمد اور ڈاکٹر رخشندہ مراد بھی قیمتی آرا سے مستفید فرماتے رہے۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے مدیر ڈاکٹر خالد اقبال یاسر خصوصی شکریے کے مستحق ہیں۔ ادبیات کے شماروں کی فراہمی کے

علاوہ اداروں اور کتب خانوں تک رسائی میں انھوں نے خصوصی معاونت فرمائی۔ڈاکٹر قاسم بگھیو نصیحت آموز درس دیتے رہے۔ مدیر اختر رضا سلیمی آور میر نواز سولنگی بھی معلومات بہم پہنچاتے رہے۔اکادمی ادبیات پاکستان کا لائبریری اسٹاف بھی ''ادبیات'' کے شماروں کی فراہمی کے سلسلے میں تعاون فرماتا رہا۔پرنسپل ریاض احمد چودھری، پروفیسر فیضان جرال اور چیف لائبریرین اجمل پرویز بھی قیمتی آراء سے مستفید فرماتے رہے۔ میرے دوست بابر حسین کی معاونت میرے لیے ہمیشہ مشعلِ راہ رہی۔اُن کے بغیر یہ کام مکمل ہونا خاصا مشکل تھا۔

میرے والدین، بھائی اور بہنوں کی میرے لیے قربانیاں اور محبت کے ساتھ ساتھ تعاون، شکریہ جیسے الفاظ سے کہیں بڑھ کر ہیں کہ یہ وہ آنکھیں ہیں کہ جنھوں نے میرے لیے سُہانے خواب دیکھے اور پھر ان خوابوں کو تعبیر کا روپ عطا کرنے کے لیے مالی، جسمانی، خبر گیری اور دعاؤں کا سایہ مجھ پر مسلسل رکھا۔ میری اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اِن رشتوں کی محبتیں اور شفقتیں ہمیشہ کے لیے میرے لیے آسانیاں پیدا کرتی رہیں۔ میری رفیقہ حیات نے ہمیشہ ایک اچھے ساتھی کا فرض نبھایا۔بچوں ثنا رُباب، تانیہ رُباب، زین آصف اور حسنین آصف سے شکریے کے علاوہ معذرت خواہ بھی ہوں کہ جن کا وقت بحیثیت باپ میں نے تعلیمی سرگرمیوں میں صرف کیا۔ چھوٹے بھائی اطہر شہزاد اسکالر پی۔ایچ۔ڈی اُردو کا خصوصی شکریہ کیوں کہ اُس نے کمپوزنگ اور مقالے کی تیاری میں میری بھرپور مدد کی۔

اپنے تمام اساتذہ، ساتھیوں اور احباب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی محبتیں اور دعائیں ہمیشہ میرے ساتھ رہیں۔

محمد آصف

مقالہ نگار

باب اوّل

موضوع تحقیق کا تعارف اور بنیادی مباحث

الف۔ تمہید:

i. موضوع کا تعارف:

زبان وادب کی خدمت کے حوالے سے علمی وادبی اداروں کی روایت خاصی مستحکم رہی ہے۔ پاکستان کے بننے سے لے کر اب تک مختلف ادارے اس ادبی و علمی خدمت میں اپنا حصہ ڈالتے رہے ہیں۔ اکادمی ادبیات پاکستان، اُردو زبان وادب کی ترویج واشاعت کے لحاظ سے ایک نہایت اہم ادارہ ہے۔

اس اکادمی نے جون ۱۹۸۵ء میں اُس وقت کے صدرِ مملکت ضیاء الحق کی زیرِ صدارت ہونے والی اہلِ قلم کانفرنس میں سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے بنیاد رکھنے کی سعی کی۔ یہ مجلہ ''ادبیات'' جولائی ۱۹۸۷ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس کے ۳۰۰ صفحات تھے اور اس مجلے کے نگران پروفیسر پریشان خٹک نامزد کیے گئے۔ مجلسِ ادارت میں مدیرِ اعلیٰ کے طور پر ضمیر جعفری، مدیرِ منتظم غلام ربانی آگرو، مدیر خالد اقبال یاسر اور دیگر مجلسِ مشاورت میں غلام مصطفی قاسمی، ڈاکٹر فرمان فتحپوری، سجاد حیدر، محسن احسان اور عبداللہ جان جمالدینی جیسے علمی وادبی ادباء اور مترجمین نے رہنمائی کی۔ ابتدا میں شمارے کی قیمت ۱۵ روپے طے کی گئی جو بعد میں ۲۰، ۳۰ اور ۷۵ روپے تک جا پہنچی۔ خاص شماروں کی قیمت ۳۵۰ روپے تک ہے جو دیگر رسائل و جرائد کے لحاظ سے انتہائی معقول ہے۔

یہ مجلہ چونکہ سرکاری سرپرستی میں شائع ہوا، اس لیے اس رسالے کو ملک بھر کے ادیبوں کی قلمی معاونت حاصل ہے۔ حمد و نعت کے بعد افسانہ، آپ بیتی، ملاقات، نظم، نقطۂ نظر، مضامین، گوشۂ صادقین، ڈراما، ایشائی شعری میلہ، داستان، تحقیق و تنقید، گیت، طنز و مزاح، ناول، سفر نامہ وانشائیہ، تبصرے اور لوک ادب نے سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' میں ہمیشہ جگہ پائی ہے۔ فنونِ لطیفہ پر مختلف گوشے شائع کرنے میں بھی یہ مجلہ خاصا مصروفِ عمل رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس مجلے میں پاکستانی اور غیر ملکی زبانوں کے تراجم بھی شائع ہوتے ہیں۔

زبان و ادب کی ترویج و اشاعت میں ترجمے کا کردار نہایت اہمیت کا حامل رہا ہے۔ ترجمے کو عموماً وہ اہمیت نہیں دی گئی جس کا یہ متقاضی ہے۔ دورِ جدید میں اقوام کے باہمی میلاپ کے ساتھ ساتھ ادب کی ایک زبان سے دوسری زبان میں ترسیل کا عمل بھی تیز تر ہو گیا ہے۔ ادب اقوام کی زندگی میں جھانکنے اور ان کے قومی شعور کی سطح کی عکاسی کا بہترین اظہار اور ذریعہ ہے۔ اس لیے زبان و ادب کے تراجم اب مشینی یا غیر تخلیقی کام نہیں بلکہ یہ تو ایک قوم کے فکر و فن کو دوسروں تک یوں منتقل کرتے ہیں کہ اس کی اپنی بو باس بھی حتی المقدور قائم رہے اور نئی زبان کے مزاج سے یکسانیت بھی مقدور ہو جائے۔

پاکستانی زبانوں کے ادب کے تراجم کے حوالے سے اس مجلے کا کردار کافی اہم ہے۔ اُردو زبان کے ساتھ ساتھ پاکستانی زبان میں لکھے گئے ادب کو اُردو میں ترجمہ کرنے سے اس ادب کی اعلیٰ تخلیقات کو بھی پڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ اس طرح اہلِ ادب اور قارئین ان پاکستانی زبانوں میں مدفن خزانوں سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' نے مختلف پاکستانی زبانوں جیسے سندھی، ہندکو، بلوچی، براہوی، سرائیکی، پنجابی، پہاڑی، گوجری، شنا، چھاچھی، پاکستانی انگریزی، کشمیری اور پشتو کی مختلف شعری اور نثری اصناف کو ترجمہ کر کے اُردو میں شائع کیا۔ پنجابی ادب سے مکمل تین شمارے، سندھی ادب سے ایک، بلوچستانی ادب سے ایک، اسلامی ممالک کی کہانیاں ایک، پشتو (شمالی علاقہ جات سے) ایک، نعت نمبر میں پاکستانی اور عربی اور فارسی سے اُردو میں ترجمہ کی ہوئی نعتیں، خصوصی شمارہ ''ادبیات کا سواں ایڈیشن'' کے پاکستانی ادب میں مختلف نظمیں اور افسانے، خصوصی شمارہ ''بچوں کا عالمی ادب نمبر (جلد اول)'' میں بھی پاکستانی ادب سے شعری اور نثری اصناف، امرتا پریتم نمبر میں ایک ناول اور آٹھ مضامین، خصوصی شمارہ ''پاکستانی اہلِ قلم خواتین نمبر'' میں پاکستانی ادب کے بہت سے تراجم، سندھ کے اہم شاعر ''شیخ ایاز'' پر ایک خصوصی شمارہ، یعنی سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے چھے بین الاقوامی ادب کے خصوصی شماروں کے علاوہ تقریباً اکثر شماروں میں پاکستانی زبانوں کے ادب کے اُردو تراجم موجود ہیں۔ ان تراجم سے ان زبانوں کی چاشنی اور لطافت کو اُردو زبان میں محسوس کیا جا سکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان زبانوں کے موضوعات اور اسالیب کو بھی سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ اُردو میں دیگر پاکستانی زبانوں کی مختلف اصناف کے تراجم کر کے شائع کیے جائیں تو اُردو کے ساتھ ساتھ دیگر پاکستانی زبانوں میں بکھیرے ہوئے احساسات و خیالات سے بھی آگاہی ہو جاتی ہے۔ اس مقالے میں اُردو تراجم کے فروغ میں سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے کردار کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ii. بیانِ مسئلہ:

اس حقیقت سے انکار تو شاید کوئی بھی نہ کرے کہ اُردو رسائل و جرائد کا دامن بہت وسیع ہے اور پاکستان کے کونے کونے سے اُردو رسائل و جرائد شائع ہو رہے ہیں، لیکن ان مختلف رسائل و جرائد میں پاکستانی زبانوں کے ادب کے تراجم کے حوالے سے کوئی وسیع کام نہیں ہوا۔ تنقیدی و تحقیقی نقطہ نظر رکھتے ہوئے مختلف رسائل و جرائد کی اہمیت جانتے ہوئے، سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے تراجم کا صحیح کردار جاننے کی کوشش کی گئی ہے۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کی مختلف نثری اور شعری اصناف کے تراجم کا مطالعہ، جائزہ اور محاکمہ اس مقالے میں کیا گیا ہے۔

iii. مقاصدِ تحقیق:

مجوزہ تحقیق میں درج ذیل مقاصد پیشِ نظر تھے:

۱۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے شماروں میں پاکستانی ادب کے تراجم کی معلومات حاصل کرنا۔

۲۔ اس مجلے میں چھپنے والی ادبی تخلیقات کے تراجم کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ کرنا۔

۳۔ اُردو تراجم کے فروغ میں سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کی علمی و ادبی خدمات سے روشناس کرانا۔

iv. تحقیقی سوالات:

مجوزہ تحقیق کے دوران درج ذیل تحقیقی سوالات مدِ نظر رکھے گئے تھے:

۱۔ مجلّہ ''ادبیات'' کے تراجم کے موضوعات کون کون سے ہیں نیز فنی سطح پر ان موضوعات کی پیش کش کیسے کی گئی ہے؟

۲۔ اُردو تراجم کے فروغ میں مجموعی طور پر سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کی کیا خدمات ہیں؟

v. نظری دائرہ کار:

ترجمہ کی اہمیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اس مجلے کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم، اُردو ادب میں ایک اہم اضافہ ہیں۔ پاکستانی زبانوں کے یہ اُردو تراجم اس ملک کے اندر بسنے والے لوگوں اور اُن کی زبانوں کے اختلافات کو ختم کر کے اُن کے درمیان اتحاد و یگانگت اور محبت و اُلفت کی فضا پیدا کر سکتے ہیں۔ یہ تراجم قومی یکجہتی کو فروغ دینے میں بھی مدد فراہم کر سکتے ہیں اور ادب کی ترویج و اشاعت کا باعث بھی ہیں۔ پاکستانی ادب پر

کی جانے والی یہ تحقیق اس صورت حال پر ایک کاوش ہے۔ تخلیق کار نے اس مجلے میں شائع ہونے والے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم کے جائزے کے لیے زیرِ نظر تحقیق بروئے کار لائی۔

vi. تحقیقی طریقہ کار:

اس مقالے کی تیاری و تکمیل کے لیے دستاویزی و تاریخی طریقہ تحقیق اختیار کیا، بنیادی ماخذ کے طور پر ''ادبیات'' کے تمام شمارے، موضوع سے متعلق براہِ راست معلومات کی حامل تحقیقی و تنقیدی کتب و رسائل اور تحریریں، ''ادبیات'' کی تاریخ اور علمی خدمات سے متعلق تحریریں شامل ہیں۔ ثانوی ماخذ کے طور پر اکادمی ادبیات پاکستان اور دیگر تحقیقی کتب کا مطالعہ کیا۔ ''ادبیات'' کے محققین اور مصنفین کی تحقیقی کتب کو بھی سامنے رکھا۔ ''ادبیات'' کی حیات و شخصیات خاص طور پر ''ادبیات'' کے مدیران کے انٹرویوز بھی لیے گئے تاکہ زیرِ تحقیق موضوع کے حوالے سے تشنگی دور ہو سکے۔

vii. مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق:

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے تنقیدی و تحقیقی حوالے سے جامعاتی سطح کی تحقیق کے شواہد نہیں ملے تاہم اس موضوع سے بالواسطہ یا متعلقہ تحقیق کی دستیاب تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ ''اکادمی ادبیات پاکستان کی خدمات: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ'' مقالہ از سعدیہ افتخار۔ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔ یہ مقالہ ڈاکٹر شفیق انجم کی نگرانی میں جون ۲۰۱۵ء میں مکمل ہوا۔ اس کے علاوہ اور کسی بھی جامعاتی حوالے کا علم نہیں ہوا۔

اس مقالے میں مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے ادب کے تراجم کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

viii. تحدید:

یہ مجلہ ''ادبیات'' ایک ادبی مجلہ ہے۔ اس میں بین الاقوامی ادب اور پاکستانی زبانوں کے ادب کے تراجم باقاعدگی سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ زیرِ نظر موضوع میں پاکستانی زبانوں کے ادب کے تراجم کے حوالے سے مجلہ ''ادبیات'' کے کردار کا جائزہ لیا گیا نیز فقط انھی شماروں کو شاملِ تحقیق کیا گیا جن میں پاکستانی زبانوں کے ادب کے تراجم کے حوالے سے مواد شائع ہوا۔

ix. پس منظری مطالعہ:

اس تحقیق کی بنیاد اکادمی ادبیات پاکستان کے تحت شائع ہونے والی کتب اور سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے شمارے تھے۔ان شماروں میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے تحت شائع ہونے والی شعری اور نثری اصنافِ ادب نے اس تحقیق کو ایک خاص بنیاد فراہم کی۔اُردو تراجم پر لکھی گئی کتب بھی اس حوالے سے سود مند ثابت ہوئیں۔

x. تحقیق کی اہمیت:

ادبی رسائل و جرائد کی افادیت سراسر زبان کا کاروبار ہے، مگر ادبی رسائل و جرائد کے مدیران کا شمار ان ادباء میں ہوتا ہے جنھوں نے ادب کو عبادت سمجھ کر قبول کیا اور خسارے کے سودے میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔رسائل کی تاریخ بہت پرانی ہے، تقریباً ۲۰۰ سال سے زائد عرصہ سے مختلف رسائل و جرائد ادبی خدمت میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔جن ادبی رسائل و جرائد نے اُردو ادب میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں ان میں اوراق، تخلیقِ نو، سحاب، اُردو ادب، نقوش، سویرا، ادبی دنیا، فنون، ماہ نو، سیپ، ادبِ لطیف اور ادبیات جیسے دیگر کئی رسائل و جرائد شامل ہیں۔

بیسویں اور اکیسویں صدی میں جن ادبی رسائل و جرائد نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں، ان میں ایک نام سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا ہے۔یہ مجلہ عصرِ حاضر کے نمائندہ ادب کی تحقیقی، تخلیقی اور تنقیدی جہات کا احاطہ کرتا ہے۔پاکستانی زبانوں کے ادب کے تراجم کے حوالے سے اس مجلے کا کردار کافی اہم ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اُردو تراجم کے فروغ میں مجلہ ''ادبیات'' کی خدمات کو منظرِ عام پر لایا جائے۔یہ مقالہ اُردو تراجم کے فروغ میں اس مجلے کی ادبی خدمات کو جاننے میں مددگار ہوگا۔

ب۔سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا تعارف اور تاریخ

i. اکادمی ادبیات پاکستان:

پاکستان کو قائم ہوئے ستر سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے۔جب سے یہ خطۂ زمین معرضِ وجود میں آیا ہے، تب سے اِس نے دیگر شعبہ ہائے زندگی کے ساتھ ساتھ ادب کے شعبے میں بھی گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ہمارے ملک کی یہ ایک خوش نصیبی ہے کہ اسے تہذیبی، ثقافتی اور ادبی میدان میں اپنے قیام کے ساتھ ہی ایسے منفرد اور معتبر شعراء اور ادباء کی خدمات میسر آئیں جن کی ادبی پہچان اور انفرادیت کے

بارے میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔ پاکستانی ادب اپنی تروتازگی اور عمدگی کی وجہ سے دنیائے ادب میں اپنی مثال آپ ہے۔

ادب کسی ملک کی ثقافتی رجحان و معاشرتی روایات کی پہچان ہوتا ہے۔ کسی ملک کا ترقی کی منازل طے کرنا اس وقت ممکن ہوتا ہے جب وہ زبان وادب کو اہمیت دیتے ہیں۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ غیر ملکی زبان کو فوقیت دے کر کسی قوم نے ترقی نہیں کی۔ بلکہ ترقی ہمیشہ انھی قوموں نے کی ہے جنھوں نے اپنی زبان اور ثقافت کی ترقی و ترویج کی ہو۔ اُردو زبان وادب کی ترقی اور اپنی تہذیب و ثقافت کے فروغ کے لیے ملکِ پاکستان میں مختلف ادارے قائم کیے گئے۔ تقسیم برصغیر کے بعد اُردو ادب کی تشہیر اور تہذیب و ثقافت کے فروغ کے لیے حکومتی سرپرستی میں ایک ادارہ قائم کیا گیا جس کا نام ''اکادمی ادبیات پاکستان'' ہے۔

وزیراعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دورِ حکومت میں وفاقی وزارتِ تعلیم کے تحت ایک خود مختار ادارے کی حیثیت سے اکادمی ادبیات پاکستان کے نام سے ایک ادارہ یکم جولائی ۱۹۷۶ء کو عمل میں لایا۔ جس کا مرکزی دفتر اسلام آباد میں ہے جبکہ اس کے صوبائی دفاتر لاہور، کراچی، پشاور اور کوئٹہ میں قائم ہیں۔ اکادمی ادبیات پاکستان کا باقاعدہ افتتاح صدر مملکت اور چیف لا ایڈ منسٹریٹر جنرل ضیاء الحق نے کیا جس میں دو مذاکروں کا اہتمام کیا گیا جو کہ تین نشستوں پر مشتمل تھی۔ پہلی نشست میں ''ادب اور قومی شعور'' کے عنوان سے ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر شمس الدین صدیقی، رئیس امروی، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی اور کریم بخش نظامانی نے اپنے اپنے مقالات پیش کیے۔ دوسری نشست میں ''نظریاتی مملکت میں ادیب کا کردار'' کے عنوان سے جن احباب نے اظہار خیال کیا ان میں ڈاکٹر این۔ اے۔ بلوچ، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، نعیم صدیقی، سلیم احمد، خاطر غزنوی اور حکیم محمد سعید شامل ہیں۔ تیسری اور آخری نشست کا موضوع ''پاکستانی ادب: ایک جائزہ'' رکھا گیا تھا۔ جس میں شریف کنجاہی، شیخ مبارک علی ایاز، پریشان خٹک، سردار خان کشگوری، وزیر آغا اور نظیر صدیقی نے اپنے اپنے مقالات پیش کیے۔

۱۹۷۸ء میں اکادمی ادبیات پاکستان کے اساسی اراکین کی حیثیت سے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، جناب اے۔ کے۔ بروہی، جناب ابوالاثر حفیظ جالندھری، جناب میاں سید رسول رسا، جناب پروفیسر احمد علی، جناب احمد ندیم قاسمی، جناب شریف کنجاہی اور ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ کو شامل کیا گیا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، مجلس رفقائے اساسی کے پہلے صدر بنے۔ رہنمائی کے لیے ایک بورڈ آف گورنر قائم کیا گیا۔ بعد

ازاں عدالت عظمیٰ کے ایک فیصلے کی روشنی میں اسٹیبلیشمنٹ ڈویژن کی طرف سے جاری کردہ ہدایات کی روشنی میں اکادمی کی پالیسی تیار کی گئی اور اکادمی کو ایک ماتحت ادارے کی حیثیت دے دی گئی۔ تاہم ادارے کے بنیادی مقاصد پر مؤثر طریقے سے عمل درآمد کے پیشِ نظر، اس وقت کی انتظامی وزارت نے ضروری جانا کہ اکادمی کی خودمختار حیثیت بحال کرنے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ عدالتِ عظمیٰ کے فیصلے اور اسٹیبلیشمنٹ ڈویژن کی طرف سے جاری کردہ ہدایات کی روشنی میں ایک ایکٹ تیار کیا گیا جسے قواعد و ضوابط کی تکمیل کے بعد مارچ ۲۰۱۳ء میں نافذ کیا گیا۔ یوں اکادمی کو ایک مرتبہ پھر خودمختار ادارے کی حیثیت دے دی گئی۔

اکادمی ادبیات پاکستان کے قیام کا مقصد اُردو زبان کی ترویج کے ساتھ ساتھ پاکستانی ادب کی بھی ترویج واشاعت ہے۔ گویا اس اکادمی کے مقاصد میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی ادب کا ترجمہ کرنا بھی شامل ہے۔ اکادمی ادبیات پاکستان کے سابق چیئرمین ڈاکٹر محمد قاسم بگھیو اکادمی ادبیات پاکستان کے قیام کا مقصد یوں لکھتے ہیں:

> ''اکادمی ادبیات پاکستان کے قیام کا مقصد جہاں ایک طرف پاکستانی زبانوں کے ادب کی ترویج واشاعت ہے، وہیں یہ بات بھی اس کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ بین الاقوامی ادب کو پاکستانی زبانوں خاص طور پر اُردو میں ترجمہ کرائے تاکہ ہماری زبانوں کے علمی وادبی سرمائے میں اضافے کے ساتھ ساتھ پاکستانی ادبی قارئین دنیا بھر میں تخلیق ہونے والے ادب سے روشناس ہونے کے ساتھ استفادہ بھی کر سکیں۔''(۱)

اکادمی ادبیات پاکستان کے قیام کا مقصد اُردو زبان اور علم و ادب کا فروغ ہے۔ سرکاری سرپرستی میں قائم ہونے والے اس ادارے نے پاکستان میں ادب کے فروغ کے سلسلے میں بننے والے اداروں کی طرح اُردو ادب کی ترویج واشاعت میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ اُردو تراجم کے حوالے سے اس ادارے کی خدمات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس حوالے سے اکادمی نے مختلف پاکستانی زبانوں جیسا کہ سندھی، پشتو، براہوی، ہندکو، کشمیری، چھاچھی، پاکستانی انگریزی، شنا، سرائیکی، بلوچی اور پنجابی زبانوں کے کامیاب ترجمے کروائے ہیں۔ اکادمی ادبیات پاکستان کے تراجم کے حوالے سے سعدیہ افتخار لکھتی ہیں:

> ''تراجم کے حوالے سے بات کی جائے تو اس میں علاقائی زبانوں کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی زبانوں میں کیے گئے کام کو بھی ترجمہ کرکے شائع کیا گیا ہے۔ اس طرح اُردو زبان کے ساتھ ساتھ علاقائی زبانوں میں لکھے گئے ادب کی اعلیٰ تصنیفات کو بھی پڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ اس

طرح ان علاقائی زبانوں میں مدفن خزانوں سے مستفید ہو سکتے ہیں۔۔۔۔اِن زبانوں کی چاشنی اور لطافت کو اُردو زبان میں بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔"(۲)

اکادمی ادبیات پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی اس نے اپنی اشاعتی سلسلے کی ابتدا کی جس میں مختلف کتب اور رسائل کی اشاعت شامل تھی۔ یہ کتب پاکستانی ادب اور بین الاقوامی ادب پر مشتمل تھی۔ پاکستانی زبانوں اور بین الاقوامی ادب سے تراجم کرواکر اس اکادمی نے قومی یکجہتی کو فروغ دیا اور یہی اس ادارے کے قیام کا مقصد تھا۔

اکادمی ادبیات کے قیام کے مقصد کے بارے میں سعدیہ افتخاریوں لکھتی ہیں:

"اکادمی ادبیات پاکستان جیسے ادبی اور اشاعتی ادارے کے قیام کا مقصد تخلیقی کام کرنے والوں کو ایک ایسا منظم پلیٹ فارم مہیا کرنا تھا جہاں وہ یکجہتی کی فضا میں اپنے خیالات و نظریات کی پرچار کرسکیں تاکہ اُن کے فکری و فنی افکار کی پذیرائی ہو۔علاقائی اور بین الاقوامی زبانوں کے ادبی رویوں کو سمجھا جاسکے۔ جو ان زبانوں کے اُردو تراجم کی بدولت حاصل کیا کیا جاسکتا ہے۔ ادیبوں اور شاعروں کی شخصیت و فن پر تعارفی کتابیں شائع کرنے کا سہرا بھی اکادمی کے سر ہے۔سال بہ سال نظم و نثر میں ہونے والی کتابوں کو بھی ایک جگہ اکٹھا کرنے کا کام بھی اسی قومی ادارے کے ذمے ہے۔"(۳)

اکادمی ادبیات پاکستان کے قیام نے اُردو ادب کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔کوئی بھی ادارہ جب معرض وجود میں آتا ہے تو اُس کے بعد اُس کی منزل کے حصول کے لیے تگ ودو کی جاتی ہے اور کچھ اُمور طے کیے جاتے ہیں جن کا حصول اُس ادارے کا نصب العین ہوتا ہے۔اِن اُمور کو مقاصد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اکادمی ادبیات پاکستان کے قیام کے بعد اس کے اغراض ومقاصد کے تعین کے لیے ایک ٹیم تشکیل دی گئی۔ جس نے چند اغراض و مقاصد پر اتفاق کیا۔۲۰۱۳ء میں ایکٹ کی منظوری کے بعد اس کے اغراض و مقاصد میں اصلاحات کی گئیں۔اکادمی ادبیات پاکستان کے قیام کے وقت جن اغراض و مقاصد کا تعین کیا گیا وہ درج ذیل ہیں:

☆ ادبی موضوعات پر تحقیق کی ترجیحات کا تعین کرنا۔

☆ علمی،ادبی اور تحقیقی کام کی خاصیت کا تعین کرنا۔

☆ محقق، ادیب کی مالی معاونت اور اعانت کرنا۔

☆ مقامی اور قومی زبانوں کے تراجم کرانے کا اہتمام کیا جائے تاکہ قومی آہنگی اور فکری مفاہمت کو فروغ ملے۔

☆ تحقیق کے کام میں آسانی پیدا کرنے کے لیے قومی اور پاکستانی زبانوں کے حوالے سے معیاری کتب کی تیاری کرنا۔

☆ نظریہ پاکستان سے ہم آہنگ پاکستانی اور قومی تخلیقی تحریروں کو فروغ دینے کے لیے مناسب اقدام کرنا۔

☆ اُردو زبان وادب کے فروغ کے لیے ایک معیاری، علمی اور ادبی رسالے کا اجرا کرنا۔

☆ غیر ملکی قارئین ادب کو پاکستانی ادب کے حوالے سے متعارف کرانے کے لیے پاکستانی ادب کے تراجم کا اہتمام کرنا۔

☆ علم وادب کی جملہ سرگرمیوں کی جانچ کے لیے ایک آزاد اور خود مختار مجلس شوریٰ کا قیام عمل میں لانا۔

☆ علم و ادب کی بین الاقوامی کانفرنسوں میں پاکستانی نمائندگی کو یقینی بنانا اور اس کے لیے حکومت کو مشورے دینا۔

☆ ممتاز علمی شخصیات کی تخلیقات کے فنی خصائص کا جائزہ لینا اور قومی اہمیت پر مشتمل تخلیقی کاموں کو شائع کروانے کا اہتمام کرنا۔

☆ کم وسائل رکھنے والے علمی شخصیات کی مالی معاونت کرنا اور ان کے مفادات کی نگہداشت کرنا۔

☆ ملک میں تحقیقی وادبی کام کی اشاعت کے لیے مناسب اقدام کرنا۔

اکادمی ادبیات پاکستان کے ایکٹ ۲۰۱۳ء کے مطابق درج ذیل مقاصد بنائے گئے:

☆ ایکٹ کے احکامات اور ان کے تحت وضع کردہ قواعد وضوابط کی روشنی میں پاکستانی زبانوں اور ادب کے فروغ اور ملک میں اہل قلم کی برادری کی فلاح وبہبود کے لیے اکادمی تمام حکومتی نظام ہائے کار کی نگرانی اور انھیں مربوط کرے گی۔

☆ پاکستانی زبانوں اور ادب کے فروغ اور ملک میں اہل قلم کی برادری کی فلاح و بہبود سے متعلقہ پالیسی پر وفاقی حکومت کو مشاورت فراہم کرے گی۔

☆ زبان وادب کے شعبے میں تحقیقاتی منصوبوں کے لیے ترجیحات کا تعین کرے گی اور ان منصوبوں پر کام شروع کرے گی۔

☆ ادب اور ادبی سرگرمیوں سے وابستہ مختلف ادبی اداروں اور محکموں کی کارکردگی کا جائزہ لے گی اور ان کے نئے منصوبوں کی چھان پھٹک اور ان کا تجزیہ کرے گی اور ان کے لیے مالی امداد فراہم کرے گی۔

☆ ملک کے مختلف خطوں کے لوگوں میں اعلیٰ تحریک جہتی اور فکری مفاہمت کے فروغ کے لیے قومی اور علاقائی زبانوں سے منتخب ادب پاروں کا ترجمہ اور ان کا بین اللسانی ترجمہ کرانے کے لیے ایک بیت الترجمہ قائم کرے گی۔

☆ قومی اور علاقائی زبانوں میں حوالہ جاتی معیاری کتابوں جیسے لغات، قاموسوں وغیرہ کی تیاری کے عمل کو فروغ دے گی اور اس کی نگرانی کرے گی۔

☆ ایک لسانیاتی تجربہ گاہ، ایک لسانیاتی کتب خانہ اور مرکزِ دستاویزات قائم کرے گی تاکہ نظریہ پاکستان سے ہم آہنگ قومی اور علاقائی زبانوں پر ہونے والے کام میں سہولت پیدا ہو۔

☆ نظریہ پاکستان سے ہم آہنگ قومی اور علاقائی زبانوں میں تخلیقی تحریروں کے فروغ کے لیے موزوں اقدامات کرے گی یا ان سے متعلق سفارشات دے گی۔

☆ پاکستانی ادب سے غیر ملکی قارئین کو متعارف کرنے کے لیے موزوں اقدامات کرے گی یا ان سے متعلق سفارشات دے گی۔

☆ اُردو، انگریزی اور دیگر پاکستانی زبانوں میں ادبی رسالے شائع کرے گی۔

☆ زبان وادب سے متعلقہ تمام اُمور کے لیے مشیروں کی ایک مستند مجلس مہیا کرے گی۔

☆ مختلف ادبی انعامات اور اعزازات کے لیے مستحقین کو نامزد کرے گی یا ان سے متعلق سفارشات دے گی۔

☆ زبان و ادب سے متعلق بین الاقوامی اجتماعات میں وفاقی حکومت کی نمائندگی کرے گی یا اس سے متعلق اُسے سفارشات دے گی۔

☆ پاکستان زبانوں اور ادب کے لیے ممتاز اہل قلم کی خدمات کا قومی سطح پر اعتراف کرے گی اور ان کی قومی اہمیت کی تحقیقی تحریروں کی اشاعت کا بندوبست کرے گی۔

☆ حاجت منداہل قلم کی مالی مدد کرے گی اور اہل قلم کے مفادات کی نگہداشت کرے گی۔

☆ ادبی تحریروں کی طباعت واشاعت میں معاونت کرے گی۔

☆ ملک میں طباعت واشاعت کی صنعت کی ترویج کے لیے اقدامات تجویز کرے گی۔

☆ مختلف آسامیاں پیدا کرے گی اور ان کے لیے ایسی شرائط و ضوابط کے تحت افراد کا تعین کرے گی جو ضوابط کے ذریعے مقرر کردہ ہوں۔

☆ اکادمی کی مالیات، حسابی کھاتا جات اور سرمایہ کاری کی نگرانی کرے گی اور اس سے متعلقہ قواعد وضع کرے گی۔

☆ استعداد کار میں اضافے اور معلومات کے تبادلے کے لیے دوسرے ملکوں میں ہم منصب اداروں سے رابطہ کاری اور ان سے معاملات طے کرے گی۔

☆ اپنے افسروں اور عملے کی اہلیتوں میں بہتری کے لیے کام کرے گی۔

☆ اپنے اثاثہ جات کے بہترین استعمال کے مقصد سے کام اور سرگرمیاں کرے گی جو یہ موزوں سمجھے۔

☆ متعلقہ وزارت کے ذریعے زبانوں اور ادب پر غیر ملکی تکنیکی معاونت والے منصوبوں کے نفاذ میں تعاون کرے گی۔

☆ معاہدے کرے گی، ان کے مطابق عمل پیرا ہو گی، انھیں بدلے گی یا ان کی تنسیخ کرے گی۔ اور

☆ پاکستانی زبانوں اور ادب کی ترویج اور ملک میں اہل قلم برادری کی فلاح و بہبود سے متعلق مجلس یا وفاقی حکومت کی طرف سے تفویض کردہ کوئی بھی کام یا سرگرمی سرانجام دے گی۔ [۴]

اکادمی ادبیات پاکستان کے اغراض و مقاصد میں اہلِ قلم کانفرنس کا ذکر نہیں کیا گیا لیکن اس اکادمی نے اہل قلم کانفرنسوں کے ذریعے بڑی شہرت حاصل کی۔ ایکٹ ۲۰۱۳ء کی روشنی میں جن اصلاحات کے تحت مقاصد پر نظر ثانی کی گئی اُن سے اِس ادارے کو مزید استحکام حاصل ہوا اور اُردو ادب کے ارتقا میں اس نے ایک

اہم پیش رفت کی۔ علمی، ادبی اور تحقیقی حوالے سے مزید پذیرائی حاصل ہوئی۔ پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے اِس پورے ملک میں یکجہتی اور قومی آہنگی کی جو فضا پیدا ہوئی وہ پاکستان میں دیگر اداروں سے اس کو ممتاز بناتی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ یہ تراجم نظریہ پاکستان سے بھی مکمل یکسانیت رکھتے ہیں۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا اجرا بھی اُردو اور دیگر پاکستانی زبانوں کے فروغ کے لیے جاری کیا گیا۔ اُردو تراجم کی ترقی کے حوالے سے اِس مجلے کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اس ادارے نے تراجم کے میدان میں جو اہم پیش رفت کی اس سے غیر ملکی مصنفین اور عام قارئین بھی مستفید ہوئے۔ علم و ادب کی بین الاقوامی کانفرنسوں سے علمی میدان میں دنیا ایک مرکز پر آ گئی۔ مشہور علمی و ادبی شخصیات کی تخلیقات کی اشاعت سے وہ ادبی منظر ناموں پر ظاہر ہوئے۔ اس ادارے نے انعامات اور اعزازات کا جو سلسلہ شروع کیا گیا اُس سے ادباء اور مترجمین کو مالی طور پر استحکام حاصل ہوا۔ گویا اس ادارے نے جو مقاصد طے کئے تھے اُن کو حاصل کر کے دیگر اداروں اور اُردو ادب میں ایک ممتاز مقام حاصل کیا۔

ادارے کا تنظیمی ڈھانچا

اکادمی ادبیات پاکستان کے مختلف شعبوں کے انتظام کو چلانے کے لیے اس کو مختلف شعبہ جات میں منقسم کیا گیا ہے۔ ہر شعبے میں مختلف افراد کو مختلف خدمات سرانجام دینے پر مامور کیا جاتا ہے۔ چیئرمین، اکادمی ادبیات کا سب سے بڑا عہدہ ہے۔ ڈاکٹر شفیق الرحمان اکادمی ادبیات پاکستان کے پہلے چیئرمین مقرر ہوئے۔ اس منصب پر اب تک پروفیسر پریشان خٹک، احمد فراز، غلام ربانی آگرو، فخر زمان، نذیر ناجی، آفتاب احمد شاہ (قائم مقام)، مرزا محمد مشیر (قائم مقام)، افتخار عارف، عبدالمجید، شیراز لطیف (نگران/اضافی)، پروفیسر ڈاکٹر محمد قاسم بگھیو، عبد الحمید خان نیازی (نگران/اضافی)، سید جنید اخلاق (نگران /اضافی)، ڈاکٹر انعام الحق جاوید (نگران/اضافی) اور ڈاکٹر محمد سلیمان فائز رہے۔ ابھی ڈاکٹر یوسف خشک اکادمی کے چیئرمین کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ [۵]

چیئرمین کے بعد انتظامی امور کا سربراہ ڈائریکٹر جنرل ہوتا ہے۔ جناب احمد فراز کا پروجیکٹ ڈائریکٹر کی حیثیت سے تقرر ۱۹۷۹ء میں ہوا۔ اکادمی ادبیات پاکستان کے ڈائریکٹر جنرل کے منصب پر فائز ہونے والوں میں سب سے پہلے نام ڈائریکٹر جنرل مسیح الدین احمد صدیقی کا تھا۔ ان کے بعد غلام ربانی اے آگرو، افتخار

عارف، مظہر الاسلام، سلیم اختر کیانی، خالد اقبال یاسر، مولا بخش بلوچ، گلزار احمد، محمد انور خاں، عتیق الرحمان (قائم مقام)، ظہیر الدین ملک، ڈاکٹر راشد حمید (قائم مقام)، ابدال بیلا (قائم مقام)، محترمہ غیور سلطانہ (قائم مقام)، ریاض حسین (قائم مقام)، نذیر احمد (قائم مقام)، ندیم اقبال عباسی (قائم مقام)، محترمہ زاہدہ پروین ڈائریکٹر جنرل مقرر کیے گئے۔ دسمبر ۲۰۱۵ء سے ڈاکٹر راشد حمید ڈائریکٹر جنرل کے منصب پر فائز ہیں۔[۶]

اسی طرح اکادمی ادبیات پاکستان کے ذیلی شعبہ جات کے ڈائریکٹرز اور ڈپٹی ڈائریکٹر جن میں ڈائریکٹر/چیف ایڈیٹر، ڈپٹی ڈائریکٹر ایڈمن اینڈ فنانس، ڈپٹی ڈائریکٹر ٹرانسلیشن اینڈ ریسرچ بیورو، ڈپٹی ڈائریکٹر ایوارڈ اینڈ پروگرامز اور ان کے ساتھ ساتھ اسسٹنٹ ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ ٹرانسلیشن، اسسٹنٹ ڈائریکٹر سیلز اینڈ ایڈورٹائزمنٹ اور اسسٹنٹ ڈائریکٹر ایوارڈ اینڈ پروگرام بھی شامل ہیں۔ مرکزی ڈائریکٹر کے ساتھ ساتھ صوبائی سطح پر ریذیڈنٹ ڈائریکٹر ہوتے ہیں۔ ان عہدیداروں کے علاوہ مرکزی دفتر میں انگریزی اور اُردو ایڈیٹر، اکاؤنٹس آفیسر، پبلک ریلیشن آفیسر، ایڈمن آفیسر، لائبریرین، سرکولیشن منیجر اور منیجر رائٹر ہاؤس بھی اپنے انتظامی امور سرانجام دیتے ہیں۔

اشاعتی سرگرمیوں کو درج ذیل شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

☆ادبی تحقیقی منصوبے

☆پاکستانی ادب کے تراجم

☆غیر ملکی ادب کے تراجم

☆پاکستانی ادب کی تاریخ

☆پاکستانی صوفی شعراء کے بین اللسانی اور بین الاقوامی زبانوں کے تراجم

☆بچوں کا ادب

☆پاکستانی زبانوں میں نظم و نثر کا انتخاب

☆معماران و مشاہیر ادب کے بارے میں معلوماتی اور تعارفی کتابیں

☆پاکستانی زبانوں کے ادب کی کتابیات

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کی اشاعت کا آغاز جولائی ۱۹۸۷ء میں ہوا۔ جس میں ملک بھر کے نمائندہ اہل قلم کی اُردو نگارشات اور تخلیقات کے علاوہ پاکستانی زبانوں میں لکھی گئی تحریروں اور

عالمی ادب کے اُردو تراجم بھی شامل کیے گئے ہیں۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے عام شماروں کے علاوہ خصوصی شماروں کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا ہے۔ خصوصی شماروں میں شخصی اور غیر شخصی نمبروں کے علاوہ بین الاقوامی ادب نمبر ۱تا۶ بھی شائع کیے گیے ہیں۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' میں تمام پاکستانی زبانوں کی تخلیقات کے تراجم کو بھی الگ الگ خصوصی نمبروں میں شائع کیا گیا ہیں۔

ششماہی انگریزی رسالہ ''PAKISTANI LITERATURE'' کا آغاز ۱۹۹۲ء میں ہوا۔ اس میں تمام پاکستانی ادب کے انگریزی تراجم کو شامل کیا گیا ہے تاکہ پاکستانی زبانوں سے ناآشنا لوگ پاکستانی ادب کی تخلیقات سے واقفیت حاصل کر سکیں۔ اس کے ساتھ ہی پاکستان کے انگریزی زبان میں لکھنے والے ادیبوں کی تحریروں کو بھی اس رسالے کی زینت بنایا گیا۔ ''پاکستانی لٹریچر'' کے خصوصی شماروں میں پاکستانی خواتین کی تحریروں پر مشتمل شمارہ، بین الاقوامی ادبی کانفرنس کے موقع پر شمارہ، انگریزی زبان میں لکھنے والے اہل قلم کی نگارشات پر مشتمل شمارہ ،سارک ممالک کے ادیبوں کی تحریروں پر مشتمل شمارہ، پاکستانی ادب کے پچاس سالہ پاکستانی شعری ادب پر شمارہ ، پچاس سالہ پاکستانی نثری ادب سے انتخاب پر مشتمل شمارہ شامل ہیں۔

اکادمی ادبیات پاکستان نے بچوں کے لیے سہ ماہی ادبی جریدہ ''ادبیات اطفال'' کا پہلا شمارہ اپریل ۲۰۱۷ء کو شائع کیا۔ ''ادبیات اطفال'' میں بچوں کے ممتاز لکھاریوں کی طبع زاد تخلیقات کے ساتھ ساتھ پاکستانی اور بین الاقوامی زبانوں میں بچوں کے لیے لکھے جانے والے ادب کے تراجم بھی شامل اشاعت ہوتے ہیں۔ ''ادبیات اطفال'' کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ سرکاری سرپرستی میں چھپنے والا بچوں کا واحد ادبی جریدہ ہے ۔ اس کے اب تک شائع ہونے والے شماروں کی تعداد ۹ ہے۔(دیکھیے ضمیمہ جات)

اکادمی ادبیات پاکستان نے اپنی اور ملکی ادب کی تشہیر اور اس کی علمی سرگرمیوں کی شناسائی کے لیے ماہانہ خبرنامہ ''اخبار ادب اکادمی'' کی اشاعت کا آغاز ۱۹۸۳ء میں کیا۔ اس خبرنامہ میں ملکی وغیر ملکی پاکستانیوں کی ادبی وعلمی سرگرمیوں کی خبریں اور رپورٹیں شامل کی جاتی ہیں۔

اکادمی ادبیات پاکستان کی اہم مطبوعات میں پاکستانی ادب کی سالانہ رپورٹز شامل ہیں۔ان رپورٹز میں پاکستانی اہل قلم کی ادبی رسائل و جرائد اور اخبارات میں شائع ہونے والی نمائندہ تحریریں شامل ہیں۔انتخاب میں پاکستانی زبانوں میں تخلیق ہونے والے ادب کے تراجم بھی شامل ہوتے ہیں۔

''کتابیات: پاکستانی ادب''ایک حوالہ جاتی سلسلہ کتاب ہے۔اس میں سال بھر پاکستانی زبانوں میں شائع ہونے والی کتب کے کوائف کو یکجا کر کے شائع کیا جاتا ہے۔اس کا آغاز ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا۔

''پاکستانی ادب کے معمار'' کے عنوان سے اکادمی ادبیات پاکستان نے اشاعت کا ایک منصوبہ شروع کیا جس کے تحت فن اور شخصیت کے حوالے سے تعارفی نوعیت کی کتابیں شائع کی جارہی ہیں۔ اس منصوبے کے تحت پاکستانی ادب کے نامور ادیبوں پر کئی کتب لکھی جاچکی ہیں۔ان کتابوں کی نوعیت تعارفی ہونے کے علاوہ تحقیقی و تنقیدی بھی ہے، جس سے عام قاری کے ساتھ ساتھ جامعات کے اساتذہ اور محققین حضرات بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔

اکادمی ادبیات پاکستان ایک ''ہیئت حاکمہ'' کے تحت کام کرتی ہے۔ پہلی ہیئت حاکمہ ۱۹۸۷ء میں قائم کی گئی تھی، جس کے ارکان کو تعین اور تبدیل کرنے کا اختیار حکومت پاکستان کے پاس ہے۔اس ہیئت حاکمہ کی تشکیل میں پاکستان کے صوبوں سے اہل قلم کے علاوہ وفاقی وزارتِ تعلیم (اس وقت کی انتظامی وزارت)، وزارت خزانہ، ہائر ایجوکیشن کمیشن (HEC) اور آل پاکستان پبلشرز ایسوسی ایشن کے نمائندے رکن ہوتے ہیں جبکہ اکادمی ادبیات پاکستان کے چیئرمین بلحاظ عہدہ ہیئت حاکمہ کے چیئرمین اور ناظم اعلیٰ (ڈائریکٹر جنرل)، رکن/سیکرٹری بھی ہوتے ہیں۔

اکادمی ایکٹ ۲۰۱۳ء میں ہیئت حاکمہ کی تشکیل کے لیے کچھ تبدیلیاں کی گئی اور اس کے ارکان کی تعداد کو اکیس (۲۱) تک بڑھا دیا گیا ہے۔اس کے ارکان میں اُردو، انگریزی، چھے دیگر پاکستانی زبانوں، پانچ صوبوں نیز وفاق اور فاٹا کے ایک ایک نمائندے کے علاوہ، وفاقی وزارتِ خزانہ اور ہائر ایجوکیشن کمیشن (HEC) کی طرف سے ایک ایک نمائندہ بطور رکن شامل ہوگا۔اکادمی ادبیات پاکستان کے چیئرمین حسب سابق ہیئت حاکمہ کے بھی صدر ہوں گے جبکہ اکادمی کے ڈائریکٹر جنرل بطور سیکرٹری اور رکن کام کریں گے۔

۲۰۱۵ء میں تشکیل دی جانے والی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔ چیئرمین اکادمی

۲۔ ڈاکٹر مبینہ طلعت (ایچ۔ ای۔ سی)

۳۔ ڈاکٹر اصغر ندیم سیّد (پنجاب)

۴۔ جناب اَمر جلیل (سندھ)

۵۔ ڈاکٹر نذیر تبسم (خیبر پختونخوا)

۶۔ ڈاکٹر عبدالرزاق صابر (بلوچستان)

۷۔ ڈاکٹر وحید احمد (اسلام آباد)

۸۔ پروفیسر اسلم خان تاثیر (فاٹا)

۹۔ مبین مرزا (اُردو زبان)

۱۰۔ محمد حنیف (انگریزی زبان)

۱۱۔ ڈاکٹر صغریٰ صدف (پنجابی زبان)

۱۲۔ جناب غفار تبسم (سندھی زبان)

۱۳۔ ڈاکٹر نصراللہ خان وزیر (پشتو زبان)

۱۴۔ جناب منیر احمد بادینی (بلوچی زبان)

۱۵۔ جناب حفیظ خان (سرائیکی زبان)

۱۶۔ جناب عارف ضیاء (براہوئی زبان)

۱۷۔ جناب اکبر حسین اکبر (کھوار، بلتی، شنازبان)

۱۸۔ جوائنٹ سیکرٹری (وزارتِ اطلاعات، نشریات و قومی ورثہ)

۱۹۔ جوائنٹ سیکرٹری (وزارتِ خزانہ)

۲۰۔ چیف سیکریٹری گلگت بلتستان

۲۱۔ ڈاکٹر راشد حمید، ناظم اعلیٰ اکادمی [۷]

اکادمی ادبیات پاکستان کے قیام کے مقاصد میں سے ایک مقصد اُردو میں علمی اور تحقیقی رسالے کا اجرا تھا جس کی تکمیل کے لیے "ادبیات" کے نام سے جولائی ۱۹۸۷ء میں ایک سہ ماہی مجلے کا آغاز کیا گیا۔ جس کی صدارت کے لیے پریشان خٹک کو نامزد کیا گیا۔ سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے اب تک ۱۱۹ شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ اس مجلے میں علمی اور تحقیقی موضوعات کی تخلیقات کے علاوہ پاکستانی اور عالمی ادب کے تراجم کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے عام شماروں کے علاوہ خاص شمارے بھی شائع ہوئے ہیں۔ جن میں افسانہ، نمبر، غزل نمبر، اسلامی ادب نمبر، بین الاقوامی ادب نمبر ۱ تا ۶، خواتین کا عالمی ادب نمبر، سارک ممالک کا تخلیقی ادب نمبر، قیام پاکستان کے بعد کی نسل کی تحریروں پر مشتمل منتخب ادب نمبر، احمد ندیم قاسمی نمبر، پاکستان کی اہل قلم خواتین نمبر، بچوں کا ادب نمبر، نثری نظم نمبر، نعت نمبر اور مولانا حالی نمبر خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

فخر زمان کی صدارت میں بین الاقوامی ادب کے تراجم چھے شماروں کی صورت میں سہ ماہی مجلہ "ادبیات" نے شائع کیے۔

غلام ربانی آگرو کی صدارت میں صوفی شعراء کے کلام کے تراجم، جن میں وارث شاہ کے کلام کے ۲ حصے، جام درک کے ۹ حصے، خوشحال خان خٹک کے ۸ اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری کے ۴ حصوں پر مشتمل تراجم کو شائع کیا گیا۔

فخر زمان کے دورِ صدارت میں بھی صوفی شعراء کے تراجم پر مشتمل مختلف کتب کی اشاعت کی گئی۔ اس کے ساتھ پاکستانی ادب کو بین الاقوامی ادبی زبانوں میں ترجمہ کرکے شائع کیا گیا۔ اِن زبانوں میں فارسی، انگریزی، عربی، چینی، روسی، فرانسیسی اور ہسپانوی شامل ہیں۔ فخر زمان کے دورِ صدارت میں انٹر نیشنل کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ اسی طرح انٹر نیشنل صوفی ازم اینڈ پیس (PEACE) کی دوسری کانفرنس کے انعقاد کا سہرا بھی فخر زمان کے سر ہے۔ نذیر ناجی نے اہل قلم کی انشورنش کروانے کا اہتمام کیا۔

افتخار عارف کی زیرِ صدارت پاکستانی ادب (سالانہ انتخاب) کے نام سے ایک سلسلے کا آغاز کیا گیا جس میں سالانہ کی بنیاد پر پاکستانی ادب کی نثری و شاعری کی ان بہترین تحریروں کو یکجا کرکے شائع کیا جاتا ہے جو پاکستانی رسائل، اخبارات اور ادبی جرائد میں شائع ہوتی ہیں۔ یہ انتخاب دو حصوں پر مشتمل ہے، ایک حصہ نثری اور دوسرا حصہ شاعری کے کلام پر مشتمل ہوتا ہے۔

اکادمی ادبیات پاکستان کی اشاعتی سر گرمیوں کے مخصوص کمروں کے علاوہ ایک احمد فراز لائبریری بھی ہے جس میں اُردو ادب کی کتب کے ساتھ ساتھ دیگر زبانوں کی کتب اور رسائل کے علاوہ اکادمی ادبیات کی اپنی شائع کردہ کتب کا ذخیرہ بھی موجود ہے۔اس لائبریری میں کتب کا ذخیرہ کم و بیش تیس ہزار اور اس میں بڑی تعداد میں رسائل و جرائد بھی موجود ہیں۔

اکادمی ادبیات میں ۲۰۰۷ء میں ایک کتاب گھر قائم کیا گیا۔ جہاں پر پاکستانی زبانوں کے علاوہ دیگر عالمی زبانوں کی کتب اور رسائل رعایتی قیمت پر دستیاب ہوتے ہیں۔

اکادمی ادبیات پاکستان نے علمی و ادبی تقریبات منعقد کروانے کے لیے ایک ہال " کانفرنس ہال" کے نام سے مخصوص کیا ہوا ہے، جہاں پر مختلف کانفرنسز میں ملک بھر سے اہل قلم اور اہل علم و دانش مدعو کیے جاتے ہیں۔ یہ کانفرنس ہال ادیبوں کی تصاویر سے اس قدر مزّین ہے کہ یہ ایک رائٹرز گیلری کی شکل اختیار کر گیا۔اس کے علاوہ اکادمی ادبیات پاکستان کی بڑی داخلی گیلری میں بھی ایک اور رائٹر گیلری بنائی گئی ہے۔ جہاں پر بابائے قوم قائدِاعظم محمد علی جناح، شاعر مشرق علامہ محمد اقبال، مرزا غالب اور فیض احمد فیض کی بڑی اور رنگین تصاویر لگائی گئی ہیں۔

اکادمی ادبیات پاکستان نے صوفی شعراء بابا فرید گنج شکر، شاہ حسین، مخدوم شاہ عنایت، خوشحال خان خٹک، سلطان باہو، رحمان بابا، بلھے شاہ، شاہ عبد الطیف بھٹائی، وارث شاہ، سچل سرمست، میاں محمد بخش، مست توکلی، خواجہ غلام فرید اور سائیں احمد علی کے کلام کے بین اللسانی تراجم کے علاوہ یونیسکو (UNESCO) کی زبانوں انگریزی، عربی، روسی، چینی، فرانسیسی اور ہسپانوی میں بھی ترجمہ کروانے کا اہتمام کروایا۔اِن شاعروں کے کلام کے فارسی میں بھی تراجم کروائے گئے ہیں تاکہ ان کے پیغام کو عالمی سطح پر اُجاگر کیا جاسکے۔ بین الاقوامی ادب کے تراجم میں عوامی جمہوریہ چین اور وسطی ایشیا سمیت بین الاقوامی ادب سے نظم و نثر کے انتخاب کو بھی شائع کیا گیا ہے۔

☆ اکادمی ادبیات پاکستان نے پاکستان ادب کو بیرون ملک متعارف کروانے کے لیے پاکستانی زبانوں کے ادب کے علاوہ یونیسکو کی دوسری زبانوں میں ترجمہ کروانے کا اہتمام بھی کیا۔

☆ اکادمی ادبیات پاکستان نے مختلف ادبی موضوعات پر حوالے کی کتب بھی شائع کی ہیں تاکہ ادبی حوالوں سے تحقیق کے کام کو فروغ دیا جاسکے۔

☆ ادبی و علمی سر گرمیوں کے فروغ کے لیے اکادمی ادبیات پاکستان مختلف تقاریب کا اہتمام کرتی ہے اور اس میں پاکستان کی ادبی تنظیموں کی معاونت بھی کی جاتی ہے۔

☆ اکادمی ادبیات پاکستان کے زیرِانتظام نامورادیبوں کے ساتھ شامِ ملاقات، کتابوں کی تعارفی تقاریب، قومی و ادبی اہمیت کے موقع پر اہم تقریبات کے علاوہ اہم ادبی شخصیات کی خدمات کے اعتراف میں منعقدہ تقاریب بھی شامل ہیں۔ شامِ ملاقات کے عنوان سے انعقاد پذیر ہونے والی تقریبات میں معروف اہلِ قلم اور اُن کی ادبی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ اکادمی ادبیات پاکستان نے وفاقی سطح کے ساتھ ساتھ صوبائی سطح پر بھی مختلف ادبی تقریبات منعقد کروانے کا اہتمام کیا ہے جو اسلام آباد کے علاوہ کراچی، لاہور، پشاور اور کوئٹہ میں باقاعدگی سے ہو رہی ہیں۔

☆ اکادمی ادبیات پاکستان کے تحت ملکی و غیر ملکی سطح پر سات ادبی کانفرنسیں منعقد کروائی گئیں۔

☆ اکادمی ادبیات پاکستان مختلف ادبی موضوعات اور ادبی شخصیات کے حوالے سے سیمیناروں کا اہتمام بھی کرتی ہے۔ اس کے زیرِ اہتمام یومِ اقبال کے حوالے سے ہر سال وفاقی اور صوبائی دارالحکومت میں ادبی سیمینار، کانفرنس اور مذاکرے منعقد کیے جاتے ہیں جن میں مادرِ ملت سیمینار، خوشحال خان خٹک: حیات و خدمات، خواجہ فرید سیمینار، ایک صدی کا قصہ، غالب سیمینار، بدلتی ہوئی دنیا میں ادب کا کردار اور منٹو سیمینار شامل ہیں۔ ان سیمینار کے علاوہ بھی ادبی مذاکرے، مکالمے اور تقریبات معمول کے پروگراموں میں شامل ہیں۔

تحقیق و ترجمہ کے لیے اکادمی ادبیات پاکستان نے ایک شعبہ قائم کیا جس میں پاکستانی زبانوں کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی ادب کے تراجم اور پاکستانی زبانوں کے ادب سے بین الاقوامی زبانوں میں تراجم کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اکادمی ادبیات پاکستان نے اشاعتی اور دیگر سر گرمیوں کے ذریعے پاکستانی زبانیں بولنے والے افراد کو قریب لانے کی کوشش کی ہے، جس کے لیے ادیبوں، دانش وروں کے بین الصوبائی دوروں کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اکادمی ادبیات پاکستان بین الاقوامی اہل قلم کے مختلف ادیبوں، دانشوروں اور شاعروں کے وفود کا پاکستان میں دوروں کا اہتمام کر چکی ہے۔ کئی ممالک کے وفود پاکستان کا دورہ کر چکے ہیں اور کئی پاکستانی ادیب بھی کئی بین الاقوامی ممالک کے دوروں پر جا چکے ہیں۔

اکادمی ادبیات پاکستان کا بین الاقوامی علمی اور ادبی اداروں سے مسلسل رابطہ ہے جس سے علمی اور تحقیقی اشتراک کے عمل کو آگے بڑھانے کے لیے کوششیں کی جارہی ہیں۔اکادمی ادبیات پاکستان کی ہی کاوشوں سے پاکستان اور عوامی جمہوریہ چین کے درمیان اہل قلم کے وفود کا تبادلہ ہوا ہے ۔اب تک پاکستان اور عوامی جمہوریہ چین کے درمیان گیارہ گیارہ وفود کا دو طرفہ دورہ ہو چکا ہے۔

وفاقی وزارتِ تعلیم کے تحت اکادمی ادبیات پاکستان ملک کے مختلف حصوں میں علمی اور تحقیقی کام کرنے والی تنظیموں اور اداروں کو مالی معاونت فراہم کرتی ہے تاکہ وہ ادب کے فروغ میں کتابوں کی اشاعت سمیت مختلف ادبی سرگرمیوں کو جاری رکھ سکیں۔ وفاقی وزارتِ تعلیم کے تحت جن اداروں یا تنظیموں کی مالی معاونت کی گئی ان میں انجمن ترقی اُردو،انجمن ترقی کھوار، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک کلچر، انسٹیٹیوٹ آف سندھیالوجی، پنجابی ادبی بورڈ، سندھی ادبی بورڈ، سرائیکی ادبی بورڈ، پشتو اکیڈمی، اُردو اکیڈمی، پشتو اکیڈمی بلوچستان، نذرالاسلام اکیڈمی، بلوچی اکیڈمی، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، سرائیکی ادبی مجلس، پاکستان رائٹرگلڈ، مجلس وارث شاہ، ادارہ یادگار غالب ، براہوی ادبی سوسائٹی اور سندھی لینگویج اتھارٹی شامل ہیں۔

اکادمی ادبیات پاکستان نے ضرورت مندوں اور مستحق اہل قلم اور ادیبوں کی فلاح و بہبود کے لیے امداد مہیا کرنے میں کردارادا کیا ہے ۔ اس مقصد کے لیے ہر صوبے میں ادیبوں اور دانشوروں کی پانچ رکنی کمیٹیاں کام کررہی ہیں۔ صوبائی دفاتر میں تعینات ریذیڈنٹ ڈائریکٹران کمیٹیوں کے رابطہ کار کے طور پر مامور ہیں۔ ادیبوں کو بیماری یا کسی ہنگامی صورت حال میں مالی امداد فراہم کی جاتی ہے۔

اکادمی ادبیات پاکستان نے اہل قلم کے لیے گروپ انشورنس کا آغاز کیا جس کی ابتدا ۱۹۹۱ء میں دومرحلوں میں ۱۹۹۶ء اہل قلم کی انشورنس کی صورت میں کی گئی۔انشورنس سکیم سے مستفید

ہونے والے اہل قلم کے سالانہ پریمیم کی ادائیگی اکادمی ادبیات پاکستان کے ذمہ ہوتی ہے۔ اس کا فائدہ اہل قلم یا ان کے پسماندگان کو ہوتا ہے۔ قدرتی موت کی صورت میں ایک لاکھ روپے جبکہ حادثاتی وفات، معذوری کی صورت میں دو لاکھ روپے کی ادائیگی کی جاتی ہے۔

اس سکیم سے اب تک ۱۴۸ ایسے اہل قلم جو کہ قدرتی موت کی وجہ سے وفات پا گئے تھے اُن کے لواحقین کو ایک کروڑ اڑتالیس لاکھ روپے جبکہ اُن کے خاندانوں کو حادثاتی طور پر وفات کی صورت میں اسی لاکھ روپے کی ادائیگی کی جاچکی ہے۔ اس سکیم کے تحت جلد ہی تیسرے مرحلے کا آغاز کیا جارہاہے جس میں ۱۲۵۰ اہل قلم کی انشورنس کی جائے گی۔

پاکستانی زبانوں کا اُردو میں ترجمہ کرنا بھی اکادمی ادبیات پاکستان کے مقاصد میں شامل ہے۔ پاکستان کے مختلف علاقوں میں بسنے والے لوگ مختلف بولیاں بولتے ہیں۔ ہر علاقے کی بولی کی اپنی تہذیب وثقافت اور ایک علیحدہ پہچان ہوتی ہے۔ ان پاکستانی زبانوں کے ادب کو پاکستان اور پوری دنیامیں روشناس کروانے کے لیے اکادمی ادبیات پاکستان نے پاکستانی زبانوں سندھی، بلوچی، سرائیکی، براہوی اور پشتو زبانوں کے اوّلین ناولوں کے ترجمہ کروانے کا اہتمام کیا۔اس حوالے سے اس اکادمی نے پاکستانی زبانوں کے اکیس اوّلین ناولوں کا اُردو زبان میں ترجمہ کروایا۔ (دیکھیے ضمیمہ جات)

اکادمی ادبیات پاکستان نے مختلف اہل قلم شخصیات کی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے مختلف ایوارڈز سے نوازا۔ ذیل میں ان ایوارڈز کی تفصیل دی گئی ہے:

اکادمی ادبیات پاکستان نے ۱۹۹۷ء سے ملک کی نامور ادبی شخصیات کو ادب کے میدان میں ان کی نمایاں خدمات کے اعزاز میں ''کمال فن ایوارڈ'' دینے کا آغاز کیا۔ اس ایوارڈ کے انعام کی رقم مبلغ دس لاکھ روپے ہے۔ اس سلسلے میں کافی شخصیات کو ''کمال فن ایوارڈ'' سے نوازا گیا۔(دیکھیے ضمیمہ جات)

اکادمی ادبیات پاکستان ایک برس کے دوران میں شائع ہونے والی تمام نثری اور شعری اصناف یعنی تنقید، تحقیق، ناول، افسانہ، انشائیہ، سفر نامہ، طنز ومزاح، سوانح، ڈراما، ادبی کالم، نظم اور غزل وغیرہ پر مبنی طبع زاد سال کی بہترین کتاب پر'' قومی ادبی انعام'' دیتی ہے۔ یہ انعام اُردو

پنجابی ، سندھی، پشتو، بلوچی، سرائیکی، براہوی، ہندکو،انگریزی زبان کے علاوہ ترجمے کی بہترین کتاب پر دیئے جاتے ہیں۔ انعام حاصل کرنے والی کتاب کے مصنف کو شیلڈاور سرٹیفیکیٹ کے علاوہ مبلغ دو لاکھ روپے کی رقم بھی پیش کی جاتی ہے۔ انعامات دینے کا سلسلہ ۱۴۰۱ہجری(۱۹۸۰ء) سے شروع کیا گیا تھا۔ ۱۹۹۸ء سے ان انعامات کو عیسوی سال کے مطابق کیا گیا۔اب تک ۲۰۱۷ءتک کے انعامات دیے جاچکے ہیں۔

اکادمی ادبیات پاکستان کی جانب سے شاہ عبدالطیف بھٹائی اور تصوف کے حوالے سے لکھی جانے والی بہترین سندھی کتابوں پر ''شاہ عبدالطیف بھٹائی اور تصوف ایوارڈ'' دیا جاتا ہے۔اس کی ابتدا۱۹۹۸ء سے ہوئی۔اب تک ۲۰۱۲ءتک انعامات دیے جاچکے ہیں۔

پاکستان میں جمہوریت کی بحالی کے حوالے سے محترمہ بے نظیر بھٹو کی خدمات کے اعتراف میں انھیں ''قائد عوام انٹرنیشنل ایوارڈ'' سے نوازا گیا۔ اس ایوارڈ میں مبلغ بیس لاکھ روپے بطور انعامی رقم دی گئی۔

اکادمی ادبیات پاکستان کی جانب سے ایسے اہل قلم جنھوں نے مارشل لاءکے ادوار میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور اس دوران انھوں نے کتابیں لکھی ،اُن کو''پسِ زنداں ادبی اعزاز'' سے نوازا گیا۔اکادمی ادبیات پاکستان کی جانب سے ۱۹۹۷ءاور۱۹۹۸ءکے دوران شائع ہونے والی ادبی کتابوں پر ''وزیراعظم ادبی انعام'' دیا گیا۔یہ اکادمی انعامات اور اعزازات کے ذریعے اہلِ قلم شاعروں اور ادیبوں کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کرتی آئی ہے۔اس طرح ایک طرف تو اُن کو اپنی صلاحیتوں سے آگاہی ہوتی ہے اور دوسری طرف اُن کو مالی طور پر بھی استحکام ہوتا ہے۔ گویا اہلِ قلم خواتین وحضرات کی صلاحیتوں کو نکھارنے میں اس ادارے کا کردار خاص اہمیت رکھتا ہے۔

اکادمی ادبیات پاکستان اصل میں قومی زبان اُردو کی فروغ کا ادارہ ہے تاہم یہ اپنا دائرہ کار بڑھاتے ہوئے تمام پاکستانی زبانوں تک لے گیا ہے۔ یعنی یہ اُردو زبان کے ساتھ ساتھ تمام پاکستانی زبانوں کی ترویج و اشاعت میں بھی ایک فعال کردار ادا کر رہا ہے۔خاص کر ایسی پاکستانی زبانیں جن کا اُردو ادب میں مواد کم ہے،اِس ادارے نے اُن کی اصناف کو اُردو تراجم کے ذریعے قومی زبان کے ذخیرے کو وسعت دی ہے۔

اُردو زبان ادب میں یا اُردو تراجم میں کچھ زبانیں ایسی ہیں جن پر بہت کم کام ہوا ہے جن میں گلگتی، گوجری، کشمیری اور چھاچھی شامل ہیں لیکن اس ادارے نے اِن زبانوں کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے ان زبانوں کی اصنافِ سخن کو تراجم کی صورت میں شائع کر کے ایک اہم علمی خدمت کی ہے۔لوک ادب کے فروغ میں اس ادارے کی مساعی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔گویا اس ادارے نے ادبی خدمت کے ساتھ ساتھ قومی یکجہتی کے فروغ میں بھی فعال کردار ادا کیا ہے۔

ii. سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا تعارف

ادب کی تخلیق واشاعت ایک معمولی نوعیت کا کام نہیں۔یہ ایک ایسا کھٹن مرحلہ ہے جس کے لیے کئی دشوار گزار راستوں سے گزر کر منزل ملتی ہے۔ادب کی تعمیر وترقی میں ادبی رسائل و جرائد اوراُن کے مدیران کی خدمات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ہر رسالے یا جریدے کے مدیران کی کوشش ہوتی ہے کہ اُن کا رسالہ یا جریدہ ادب اور معاشرے میں انمٹ نقوش چھوڑے جس کے لیے وہ اِن رسائل و جرائد میں اعلیٰ معیارات قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔یہ معیارات قائم رکھنا کوئی آسان کام نہیں کیونکہ یہ رسائل و جرائد ایک علیٰحدہ معاشرتی وتہذیبی انفرادیت کے حامل ہوتے ہیں۔برِ عظیم پاک وہند میں رسائل و جرائد ہمیشہ محدود تعداد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔اس کی ایک وجہ اُستادان ادب کی کم توجہ بھی ہے کہ جنھوں نے اپنے شاگردوں کو گروہی تعصبات میں مبتلا کر کےاس خوش فہمی میں رکھاکہ اُنھوں نے اپنا فرائضِ منصبی پوری ذمہ داری سے ادا کردیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک میں لاتعداد اخبارات شائع ہوتے ہیں لیکن ادب کی تفہیم سے لوگ نابلد ہیں۔اخبارات اور ادبی رسائل و جرائد سے وابستگی ہمارے ملک کے بہت ہی کم لوگوں کو حاصل ہے۔حکومت کی ترجیحات بھی اس حوالے سے خاطر خواہ نہیں ہیں۔نتیجے کے طور پر معیاری ادبی رسائل و جرائد کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔یہ معیاری ادبی رسائل و جرائد صرف اُن قارئین ادب کی وجہ سے زندہ ہیں جو کسی نہ کسی حوالے سےاِن سے وابستہ ہیں لیکن اِن کی تعداد اونٹ کی منہ میں زیرہ کے برابر ہے۔

میگزین (رسالہ) کو عربی لفظ ''مخزن'' کے متبادل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔مخزن کے معنی ایسی جگہ ہے جہاں کوئی قیمتی اشیاء یا خزانہ موجود ہو۔اس لحاظ سے رسالہ ایسے جریدے یا مجلے کو کہتے ہیں جس میں مختلف نوعیت کی مفید معلومات شائع ہوتی ہیں۔اس وقت دنیا میں مختلف اقسام کے رسائل و جرائد شائع ہو رہے ہیں۔جو تاریخ،فلسفہ،معاشیات،نباتات،بین الاقوامی معاملات و تعلقات عامہ،طبیعات،حیوانات، ریاضی،

کیمیا، سیاست ،فنون لطیفہ غرض ہر موضوع ،فن اور شوق سے متعلق مواد شائع کرنے کا اہتمام کر رہے ہیں اوران اشاعتوں میں افراد کی عمراور جنس کو بھی ملحوظ خاطر رکھ رہے ہیں۔ عموماطے شدہ وقفوں سے شائع ہونے والی مطبوعات کو مجلہ ،رسالہ ،رسالہ یا جریدہ کہاجاتاہے۔ مدت یاوقفہ کے لحاظ سے رسائل و جرائد کی مختلف اقسام ہیں جن میں سہ روزہ، ہفت روزہ، پندرہ روزہ، ماہنامہ ،دوماہی، سہ ماہی، ششماہی اور سالنامے شامل ہیں۔

موضوع کے اعتبار سے رسائل و جرائد کی مختلف اقسام ہیں۔ یہاں موضوع سے مراد عنوان یا نفس مضمون ہے جس پر رسالہ کے مندرجات میں بحث کی گئی ہو۔بنیادی طور پر رسالہ ایک ہی قسم کا ہوتا ہے لیکن اس میں شائع ہونے والے مندرجات اس کو دوسرے رسائل و جرائد سے منفرد بنادیتے ہیں۔آج کے دور میں رسائل و جرائد بے شمار موضوعات پر شائع ہو رہے ہیں جن میں ادب ،سیاست، تدریس، تعلیم، تنقید، طب، اقتصادیات، نفسیات ،فلسفہ ،سائنس، طب ،علوم ارضی ،کھیل مشاغل اور دوسرے بہت سے موضوعات شامل ہیں۔ موضوع کے اعتبار سے رسائل و جرائد کی اقسام نے قارئین کے لیے بڑی آسانیاں پیدا کر دی ہیں کیونکہ ہر قاری اپنی مرضی اور دلچسپی کا رسالہ لے سکتا ہے اور اسے پڑھ کر سکون قلب حاصل کر سکتا ہے۔

عام طور پر مجلہ ،رسالہ یا جریدہ کو ایک ہی اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، لیکن ان میں معنی کا فرق ہے۔ جریدہ ایسے رسالے کو کہاجاتا ہے جس کے مندرجات ایک ہی قسم کے ہوں ۔ مثلاً سائنسی یا فنی جریدہ، طبّی جریدہ ،انجینئرنگ یا زراعت کے موضوع پر شائع ہونے والا جریدہ یا دور حاضر میں فیشن، فلم، ٹیلی ویژن اور کھیلوں سے متعلق شائع ہونے والے رسائل. جریدہ کی نمایاں مثالیں ہیں۔ رسالے کی اصطلاح ایسے مضامین کے مجموعے کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو مستقل وقفوں کے بعد شائع ہوتا ہے۔ اس لیے مجلہ یا جریدہ کو عرف عام میں رسالہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مجلہ ایسے رسالے کو کہا جاتا ہے جس میں مختلف اقسام کے مفید مندرجات شامل ہوں۔ گویا مجلے میں مختلف قارئین کی دلچسپی کے مواقع موجود ہوتے ہیں۔ کوئی اس میں سے معلوماتی مضامین پڑھنے کو ترجیح دیتا ہے اور کوئی تفریحی مضامین سے اپنے دل کو تسکین دیتا ہے۔ ایک

قاری جرم کی کسی داستان کا مطالعہ کرتا ہے تو دوسرا شخصیات کے حوالے سے۔ کسی کو ادب پارہ پسند ہوتا ہے تو کسی کو شکایات۔ گویا ایسا رسالہ جس میں مختلف مندرجات ہوں اس کو مجلہ کہتے ہیں۔

رسائل و جرائد میں مدیران کا کردار خاصی اہمیت کا حامل ہے۔اِن رسالوں کو ابتدا میں اکثر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ اِن کے مدیران ہی ہیں جنھوں نے اِن کو پروان چڑھانے میں اپنی زندگی تک کی بازی لگا دی۔ برعظیم کی لائبریریاں اگر رسائل و جرائد سے بھری نظر آتی ہیں تو یہ اُنھی مدیران کی محنت کا ثمر ہے۔ پاکستان قائم ہونے کے بعد کئی ادبی رسائل و جرائد اس خطے میں ادب کی آبیاری کے لیے نمودار ہوئے۔اِن میں سے اکثر اپنی منزل تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ وہ رسائل و جرائد جنھوں نے اعلیٰ ادبی معیارات قائم کیے اُن کی تعداد اُنگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ان میں ماہِ نو،افکار، سحاب، تحقیق، سیپ، سیارہ، فنون، مخزن، نگار، نقوش، نیرنگِ خیال، تخلیق، سویرا، اوراق، ساقی اور ادبیات شامل ہیں۔

رسائل و جرائد سے وابستہ رہنا بڑا صبر آزما اور دل گردے کا کام ہے کیونکہ اس میں بڑے حوصلے اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جہاں تک ادبیات کا تعلق ہے تو یہ ادبی رسائل و جرائد کی روایت میں ایک مثبت اضافہ ہے۔ادب کو روشناس کروانے میں اس کی خدمات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔آج کے ترقی یافتہ دور میں جہاں سائنس اور ٹیکنالوجی نے انقلاب برپا کیا ہوا ہے وہاں الیکٹرانک میڈیا کے فروغ کی وجہ سے ادبی رسائل و جرائد کے معیارات میں کمی واقع ہوئی ہے۔ایسے سائنسی اور انٹرنیٹ کے دور میں سہ ماہی مجلہ ’’ادبیات‘‘ ایک ایسا رسالہ ہے جو فروغِ ادب میں اپنا حصہ ڈالے ہوئے ہے۔اپنے منفرد مزاج اور معیار کی وجہ سے اس کی ایک ادبی پہچان اور انفرادیت ہے جو بہت کم رسائل و جرائد کو حاصل ہے۔

سہ ماہی مجلہ ’’ادبیات‘‘ کی اشاعت کے سفر کا آغاز جولائی ۱۹۸۷ء سے ہوا۔ سہ ماہی مجلہ ’’ادبیات‘‘ کی داغ بیل اکادمی ادبیات پاکستان میں جون ۱۹۸۵ء میں ہونے والی اہل قلم کانفرنس میں رکھی گئی جس کی صدارت صدر مملکت ضیاء الحق نے کی۔ اس مجلے کی پہلی اشاعت جولائی تا ستمبر ۱۹۸۷ء، جلد ا، شمارہ اول کے نام سے منسوب کی گئی ۔ اس شمارے کے نگران پروفیسر پریشان خٹک جبکہ مجلسِ ادارت میں مدیر اعلیٰ سید ضمیر جعفری، مدیر منتظم غلام ربانی آگرو، مدیر خالد اقبال یاسر شامل ہیں۔اس شمارے کی مجلسِ مشاورت میں جن احباب کو شامل کیا گیا، ان میں علامہ غلام مصطفی قاسمی ، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، سجاد حیدر، محسن احسان اور عبداللہ جان جمالدینی شامل تھے۔اس کی اشاعت کی ابتدا کی روداد کے متعلق ڈاکٹر انور سدید اظہارِ خیال کرتے

ہیں:

"جون ۱۹۷۵ءمیں اسلام آباد میں "کل پاکستان اہل قلم کانفرنس" منعقد ہوئی تو صدر پاکستان نے افتتاحی خطبے میں اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ "ایک ادبی اور تحقیقی صحیفے کا اجرا اکادمی ادبیات پاکستان کے اساسی منشور میں شامل تھا۔ لیکن اس پر بوجوہ عمل نہیں کیا گیا۔" سہ ماہی مجلہ "ادبیات" اس تقاضے کو پورا کرنے کے لیے جولائی ۱۹۸۷ءمیں اسلام آباد سے جاری کیا گیا۔ اس کے نگران اکادمی ادبیات کے صدر نشین پروفیسر پریشان خٹک تھے، مدیر اعلیٰ ضمیر جعفری اور مدیر منتظم غلام ربانی آگرو مقرر ہوئے، ادارت کے فرائض خالد اقبال یاسر کے سپرد ہوئے، اس پرچے کے لیے مجلس مشاورت قائم کی گئی، اس میں علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، سجاد حیدر، محسن احسان اور عبداللہ جان جمال دینی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔"(۸)

سہ ماہی مجلہ "ادبیات" اکادمی ادبیات پاکستان کا ایک ایسا رسالہ ہے جو نہ صرف بین الاقوامی ادب بلکہ پاکستانی زبانوں کے فروغ کے لیے قائم کیا گیا۔ اُردو ادب کی ترویج و اشاعت میں اس مجلے کے کردار سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اُردو تراجم کی ترویج و اشاعت میں اس مجلے نے خاصے اہم اقدامات کیے ہیں۔ کوئی بھی پاکستانی زبان ایسی نہیں ہے جس کے تراجم کے حوالے سے اِس مجلے نے شعری یا نثری صنف شائع نہ کی ہو۔ اس مجلے کی ادبی خدمات کے حوالے سے اکادمی ادبیات کے تعارف نامہ میں یوں لکھا ہے:

"First issue of Urdu magazine Adbiyat appeared in July 1987 and since then it is being regularly published on quarterly basis. Over the years, Adbiyaat has accommodatd articles/ poems/ short stories of major Pakistani languages and of writers belonging to all shades of opinion and drawn from all parts of Pakistan. As such, it has richly contributed towards strengthening the cause of national integration. To further consolidate the

bonds of fraternity, it has brought out special issue in Urdu covering Pushto, Saraiki, Hindko, Khawar, Balti, Balochi, Brahavi, Sindhi and Punjabi literature judged by any standard, it is a quality magazine and figure prominent among the literary magazines. An Advisory Committee has been constituted to ensure its smooth functioning"[۹]

سہ ماہی اردو مجلہ ''ادبیات'' جولائی ۱۹۸۷ء سے باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ اس میں ملک بھر کے مشہور شاعروں اور ادیبوں کی اُردو نگارشات اور تخلیقات کے علاوہ دوسری پاکستانی زبانوں میں لکھی جانے والی تحریروں اور عالمی زبانوں سے ادب کے اُردو تراجم بھی شامل کیے جاتے ہیں۔ ادبیات کے معمول کے سہ ماہی شماروں کے علاوہ خاص شماروں میں افسانہ نمبر، غزل نمبر، بچوں کا ادب نمبر، اسلامی ادب نمبر، بین الاقوامی ادب نمبر، خواتین کا عالمی ادب نمبر، سارک ممالک کا منتخب ادب نمبر، دارالحکومت سے دور خصوصی نمبر، قیامِ پاکستان کے بعد کی نسل کی تحریروں پر مشتمل منتخب ادب نمبر، اور احمد ندیم قاسمی نمبر شامل ہیں۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' میں تمام پاکستانی زبانوں کی تخلیقات کے اُردو تراجم پر مشتمل الگ الگ خصوصی نمبر بھی شائع کیے گئے ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کی کوشش رہی ہے کہ وہ ایسا ادب پیش کرے جو نہ صرف اردو بلکہ تمام پاکستانی زبانوں کا نمائندہ اور یہاں کے بسنے والوں کی اجتماعی سوچ کا آئینہ دار ہو، حسبِ روایت اس کے شماروں میں جہاں حمد، نعت، سلام، غزلیں، افسانے، مضامین اور دیگر اردو اصناف شامل ہیں، وہاں دیگر پاکستانی زبانوں: براہوی، بلوچی، پشتو، گوجری، پوٹھوہاری، چھاچھی، بلتی، پنجابی، سرائیکی، سندھی، کشمیری اور ہندکو کے ممتاز لکھنے والوں کی نگارشات کے ترجمے شامل کیے گئے ہیں۔

سعدیہ افتخار اس کی اہمیت کے حوالے سے یوں لکھتی ہیں:

''اُردو نثری اور شعری ادب کے فروغ میں ''ادبیات'' کا کردار اس لیے اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس میں ملک بھر کے اہلِ قلم کی تحریروں اور تخلیقات کے علاوہ دیگر علاقائی زبانوں کی نگارشات اور بین الاقوامی ادب کے تراجم کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ جس کی بدولت نہ صرف

اپنے ملک کے اہلِ علم طبقے سے واقفیت حاصل ہوئی ہے بلکہ بین الاقوامی دانشور طبقے سے بھی آشنائی ہونے میں مدد ملی ہے۔''(۱۰)

کسی بھی معاشرے کی ترقی میں رسائل و جرائد کا کردار خاصا اہم ہے۔اِن رسائل و جرائد میں ادبی شعری اور نثری اصناف مثبت معاشرتی تبدیلیوں کا باعث بنتی ہیں۔عام طور پر کسی ملک کی ترقی کو مال و دولت کے پیمانوں سے ماپتے ہیں۔یعنی کسی ملک کی عوام کو جتنی زیادہ سہولیات ہوتی ہیں اُن کو روپے پیسے کی وجہ سے سمجھا جاتا ہے۔گویا معاشرے کی ترقی کو مال و دولت سے جوڑا جاتا ہے۔دورِ جدید نے اِس نظریے کو غلط قرار دیتے ہوئے معاشرے کی ترقی کی بنیاد ادب کو قرار دیا ہے۔ادبی طور پر مستحکم معاشرے ہمیشہ ترقی کرتے ہیں۔یہ ادب ہی ہے جو کسی معاشرے کی عکاسی کا بہترین مظہر ہوتا ہے۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے شمارہ نمبر ۱۰۵ کے اداریہ میں ڈاکٹر محمد قاسم بگھیو اس موضوع پر یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

''ادب کسی بھی معاشرے کا بہترین عکاس ہوتا ہے۔کسی قوم کی داخلی تاریخ سے آگاہی حاصل کرنی ہو تو اس کے ادب کا مطالعہ کرنا چاہیے کیونکہ ایک تاریخ دان، کسی خوف، لالچ یا کسی اور مصلحت کے تحت جن واقعات سے صرفِ نظر کر دیتا ہے وہ ایک ادیب، شاعر اور دانشور کسی اور پیرائے میں آشکار کر دیتا ہے۔ادبیات کے زیرِ نظر شمارے میں آپ ارد گرد بآسانی تلاش کر سکتے ہیں۔''(۱۱)

یہ بات بالکل درست ہے کہ جس معاشرے میں افراد ادب سے لگاؤ اور دلچسپی رکھتے ہیں، وہ یقیناً ترقی کی منازل طے کر لیتے ہیں۔یہ ادب ہی ہے جو لوگوں کو رہن سہن، رسوم و رواج، عادات و خصائل، تہذیب و ثقافت اور معاشرتی رویوں کی پہچان اور شناخت کروانے کا باعث بنتا ہے۔ ادب ہی اچھے اور بُرے کی تمیز کرنے میں مددگار ہوتا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ کسی بھی ملک کے لوگ ادب سے شناسائی رکھتے ہوں۔اگر ایسا ہو گا تو اُس معاشرے کے لوگ ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں کیونکہ اُن کے اندر معاشرتی سوجھ بوجھ ہوتی ہے۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' ادبی رسائل کی فہرست میں شامل ہے۔ادبی رسائل سے مراد وہ رسائل ہیں جن میں صرف تخلیقی ادب اور اس سے وابستہ مباحث اور ادب یا ادیبوں سے متعلق خبریں شائع ہوتی ہیں۔ان

رسائل میں ڈرامے، غزلیں، ناول، افسانے، انشائیے، سفر نامے، داستانیں، نظمیں، تنقیدی مضامین، ادیبوں، شاعروں اور نثر نگاروں سے مباحثے نیز ادبی مجالس اور مشاعروں کی روداد بھی شائع کی جاتی ہے۔ ادبی رسائل مختلف اصناف کے فروغ اور تراجم کے ذریعے مختلف علوم کو اردو میں منتقل کرنے کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ مختلف شروع میں ''ادب برائے ادب'' لکھا جاتا تھا۔ جب سیاسی، اخلاقی اور معاشرتی مسائل بھی جزو ادب بنے تو ''ادب برائے زندگی'' کی تحریک نے زور پکڑا لیکن جب واقعات کی الجھنوں اور بہت زیادہ مسائل کی بھرمار ہوئی تو ادب اور زندگی کی تقسیم ہوگئی۔ ادب، ادب پسندوں تک محدود ہو گیا جبکہ زندگی کے مسائل رسائل و جرائد کے موضوعات بن گئے۔ یوں صحافت کے افق پر ادبی رسائل آئے روز کم ہوتے جا رہے ہیں ۔ موجودہ دور میں ادبی رسائل کی روایت قائم رکھنے والوں میں فنون، اوراق، قند، تخلیق، شام و سحر، ارتقا اور ادبیات وغیرہ شامل ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' اپنی صورت اور معنی کے لحاظ سے بہت ہی اچھا مجلہ ہے۔ قومی یکجہتی ہی ''ادبیات'' کا نصب العین ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مجلے کو ملک کے اہم ادیبوں کا تعاون شامل ہے۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' نے نہ صرف معنوی تنوع پیدا کیا ہے بلکہ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس نے ہر طبقۂ خیال کے ادیب اور ہر مصنف کے شاہ پاروں کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ کئی نئی اصناف کو اس مجلے نے متعارف کرانے میں خصوصی دلچسپی لی ہے۔

اس ضمن میں ڈاکٹر انور سدید یوں رقم طراز ہیں:

> ''''''ادبیات'' نے علاقائی زبانوں کے ادب کو تراجم کے ذریعے پیش کیا ہے اور یوں قومی یکجہتی کے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ رجحان افسانوں، نظموں، سفر ناموں، خودنوشت سوانح میں بھی نظر آتا ہے........ بعض نظریاتی پرچوں کی طرح جانبداری اس کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی، اس لیے ''ادبیات'' کو ایک ایسی مجلسِ ادب کی حیثیت حاصل ہے جہاں پاکستان کی قومی اور علاقائی زبانوں کے سب ادیب آپس میں ملاقات اور گفتگو کر سکتے ہیں۔ ''(۱۲)

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' نے زبان وادب کی علمی وادبی خدمت کی روایت کو برقرار رکھا ہے۔اس مجلے نے مختلف اہل قلم کی معاونت کی۔ یہ کام سرکاری سرپرستی پر ہو رہا ہے۔اس کے پہلے شمارے کی اشاعت میں حمد، نعت، افسانہ، غزل، انشائیہ، سفر نامہ، فکرودانش، ملاقات، نظم، خودنوشت، تنقیدو تحقیق، طنزومزاح اور خصوصی گوشے شامل ہیں۔سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے ابتدائیہ میں اس کے بارے میں یوں لکھا گیا ہے:

> ''ادبیات کا پہلا شمارہ آپ کے سامنے ہے۔ایک ادبی و تحقیقی صحیفے کا اجرااکادمی ادبیات پاکستان کے اساسی منشور میں شامل تھا۔ گزشتہ (جون ۱۹۷۵ء) کی اہل قلم کانفرنس میں صدر مملکت نے بھی اپنے افتتاحی خطبے میں اس تشنگی کی نشاندہی فرمائی تھی۔ الحمداللہ! کہ آج ہم اس سفر کا آغاز کررہے ہیں۔کچھ تاخیر بے شک ہوگئی ہے مگر کسی نصب العین کی طرف پیش رفت کی توفیق جس مرحلے پر بھی مل جائے وہ بہر حال تسکین کا موجب ہوتی ہے۔''(۱۳)

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' نے ابتدا ہی سے اُردو زبان کے ارتقااور اس کی ترقی و ترویج میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کی اشاعت ہر تین ماہ بعد ہوتی ہے۔ وقتاً فوقتاً خصوصی شمارے بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس مجلے میں کئی اصناف ادب کو شامل کیا گیا جن میں حمد، نعت، منقبت، مناجات، مرثیہ، نوحہ، سلام، افسانے، غزلیں، کہانیاں، نظم، انشائیہ، مکالمہ، خودنوشت، مزاح نگاری، گیت، ناول وغیرہ شامل ہیں۔ خصوصی شماروں کی بھی تین قسمیں ہیں جن کی اب تک اشاعت ہوئی ہے، ان میں بین الاقوامی ادب نمبر، شخصی نمبراور غیر شخصی نمبر شامل ہیں۔

پہلے شمارے کی قیمت ۱۵ روپے مقرر کی گئی تھی۔اس پہلے شمارے میں نعت اور حمد کے علاوہ جن تحریروں کو شامل کیا گیا ہے ان میں افسانے، غزل،انشائیہ، سفر نامہ، فکرو دانش، ملاقات، نظمیں، خودنوشت، تنقید و تحقیق کے مضامین، طنزومزاح، نقطۂ نظر، گوشۂ صادقین اور تبصرہ شامل ہے۔اس کے حرف اوّل میں اس کی اشاعت کے متعلق یوں گفتگو ہوئی ہے:

> ''ہم یہ پیش کش کسی ادعا کے بغیر مگرانکسار وعاجزی کے اعتراف (اوراندیشوں) کے ساتھ پیش کررہے ہیں۔یوں بھی،افراد کی عمر بھی ان کے کردار وکار کردگی ہی سے بنتی ہے اور ''ادبیات'' نے تو ابھی پالنے سے پہلا قدم ہی زمین پر رکھا ہے جو ایسی نرم اور ہموار نہیں۔ ہم اس وقت صرفِ اتنا ہی عرض کر سکتے ہیں کہ ہم اپنے اوراق میں ایسا ادب پیش کر سکیں جو سخی ہو، کنجوس

نہ ہو........ جس سے زِندگی کی معنویت میں اضافہ ہو،........ ہم اِس سفر میں ملک کے اہل قلم اور اپنے قارئین کے تعاون اور رہنمائی کے بہ صمیم قلب خواستگار ہیں۔"(۱۴)

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' نے خصوصی نمبروں کی اشاعت کا آغاز بین الاقوامی ادب نمبروں سے کیا۔ بے نظیر بھٹو کی صدارت میں ایک کانفرنس ۱۹۹۵ء میں منعقد ہوئی جس میں چار سو سے زائد مندوبین شامل ہوئے۔اُن سب کی ملی کاوشوں سے بین الاقوامی ادب پر مشتمل شماروں کا منصوبہ ترتیب دیا گیا۔ سب سے پہلے بین الاقوامی ادب نمبر کا شمارہ نمبر ۳۵۔۳۶، جلد نمبر ۹ (بہار۔ گرما ۱۹۹۶ء) ہے جو کہ ۵۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے نگران فخر زمان، مدیر اعلیٰ خالد اقبال یاسر، خطاط: شفیق الزمان اور قیمت ۱۵۰ روپے مقرر کی گئی۔ ہر شمارے کی اشاعت ششماہی طور پر کی گئی ۔ ہر شمارہ دو شماروں پر مشتمل ہے ۔ اس میں کل ۲۶ ممالک کے کلام کو شامل کیا گیا۔

بین الاقوامی زبانوں کے ادب اور اس کے تراجم کی اہمیت کے بارے میں سعدیہ افتخار یوں لکھتی ہیں:

"اُردو زبان کے ساتھ ساتھ علاقائی اور بین الاقوامی زبانوں کے تراجم سے اُردو ادب جہاں فکری اور لسانی سطح پر تنوع اور اسلوب سے تونگر ہوا ہے،وہیں اُردو ادب کے قارئین نئے ادبی ذائقے سے بھی آشنا ہوئے ہیں۔"(۱۵)

شخصی نمبر بھی رسائل و جرائد میں اکثر شائع ہوتے ہیں۔ شخصیات کے بارے میں چھپنے والے خاص نمبروں میں ان کی تصاویر خاص نمبروں کے سرورق پر چھپتی ہیں اور مکمل رسالہ یا رسالے کا زیادہ حصہ شخصیت کے بارے میں مضامین پر مشتمل ہوتا ہے جن میں تعارف پر مبنی تحریریں، انٹرویوز، خاکے اور نظمیں وغیرہ شامل ہیں۔ جس شخصیت کے بارے میں خاص نمبر شائع کیا جاتا ہے اگر وہ خود شاعر یا ادیب ہے تو اس کی اپنی تحریروں سے انتخاب بھی رسالے میں شامل ہوتا ہے۔ بصورت دیگر اس بارے میں دیگر اصحاب علم و فن کے مضامین شائع کر دیے جاتے ہیں۔ شخصیت کے انتخاب میں غیر جانب داری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ سال کی بہترین شخصیت کا انتخاب کیا جائے۔ محض گروہ بندی یا سیاسی وابستگی اس ضمن میں بد دیانتی تصور ہوتی ہے۔ اصولی طور پر اس سلسلے میں ایسی شخصیت کا انتخاب کیا جائے جو غیر متنازعہ ہو اور اپنے کارناموں اور کردار کے باعث اپنا نام پیدا کر چکی ہو۔ مختلف رسائل و جرائد کی پالیسی اس سلسلے میں

مختلف ہوتی ہے۔ایک رسالہ یا جریدہ جو ادب کا ترجمان ہے، وہ سال کی بہترین شخصیت کا انتخاب ادبی شخصیات کے حوالے سے کرے گا۔

بین الاقوامی ادب نمبروں کی اشاعت کے بعد سب سے پہلا غیر شخصی خصوصی نمبر ''خواتین کے عالمی ادب نمبر'' کے نام سے شائع کیا۔ یہ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا شمارہ نمبر ۵۹۔۶۰، جلد نمبر ۱۴۔۱۵ (۲۰۰۲ء)، ۹۲۰ صفحات اور قیمت ۳۵۰ روپے، نگران افتخار عارف، مدیر منتظم گلزار احمد اور مدیر اعلیٰ، نگہت سلیم ہیں۔ اس کے علاوہ جو غیر شخصی نمبر اس مجلے کی زینت بنے ان میں ادبیات سارک نمبر، پاکستان کے بعد کی نسل نمبر، پاکستانی اہل قلم خواتین نمبر، نثری نظم نمبر، دارالحکومت سے دور اہل قلم نمبر، پرواسی ادب نمبر، بچوں کا عالمی ادب نمبر (جلد اوّل)، بچوں کا قومی ادب نمبر (حصہ نظم)، بچوں کا قومی ادب نمبر (حصہ نثر)، سوال ایڈیشن نمبر اور نعت نمبر شامل ہیں۔

شخصی خصوصی نمبروں میں جن شماروں کو سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' نے شائع کیا ان میں سب سے پہلا نام ''شیخ ایاز کی یاد میں'' نمبر کا آتا ہے ۔ اس کے بعد جو شخصی شمارے سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' نے شائع کیے، ان میں احمد ندیم قاسمی نمبر (۱)، احمد فراز نمبر، فیض احمد فیض نمبر، منیر نیازی نمبر، امرتا پریتم نمبر، جوش ملیح آبادی نمبر، پاکستانی زبانوں کے چار اہم شاعر نمبر، الطاف حسین حالی نمبر، احمد ندیم قاسمی نمبر (۲)، انتظار حسین نمبر، نبی بخش خاں بلوچ نمبر اور عبداللہ حسین نمبر شامل ہیں۔ ان شخصی شماروں میں ان اشخاص کی شخصیت، فکر و فن اور تخلیقات پر گفتگو کی گئی ہے۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' میں شائع ہونے والے شماروں کی ترتیب اور تعداد (دیکھیے ضمیمہ جات)

مدیران:

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے مدیران میں سب سے پہلے کا نام خالد اقبال یاسر ہے جنھوں نے اس مجلہ کے ۵۲ خصوصی اور عمومی شماروں میں بطور مدیر کام کیا۔آپ کے نمایاں شماروں میں بین الاقوامی ادب نمبر کی چھے جلدیں اور ایک شخصی نمبر ''شیخ ایاز کی یاد میں'' اہم خصوصی نمبر ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے دوسرے مدیر کے طور پر نگہت سلیم نے ۲۰۰۰ء میں کام شروع کیا۔ آپ نے جن شماروں میں بطور مدیر کام کیا ان کی تعداد انیس (۱۹) ہے۔ جو شمارہ نمبر ۵۳ سے لے کر شمارہ نمبر ۷۱ پر مشتمل ہیں۔ آپ نے جن خاص اشاعتوں کا اہتمام کیا ان میں

۱۔ خواتین کا عالمی ادب نمبر

۲۔ سارک ممالک: منتخب تخلیقی ادب نمبر

۳۔ قیام پاکستان کے بعد کی نسل نمبر

محمد عاصم بٹ نے بطور مدیر سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' ۲۰۰۶ء میں کام کرنا شروع کیا۔ آپ نے سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' میں جن خصوصی شماروں کا اہتمام کیا، ان میں ''احمد ندیم قاسمی نمبر''، ''پاکستان اہل قلم خواتین نمبر''، ''نثری نظم نمبر''، ''دارالحکومت سے دور اہل قلم نمبر''، ''احمد فراز نمبر''، ''فیض احمد فیض نمبر''، '' منیر نیازی نمبر''، ''امرتا پریتم نمبر''، ''جوش ملیح آبادی نمبر''، ''پرواسی ادب نمبر'' اور '' پاکستان زبانوں کے چار اہم شاعر نمبر'' ہیں۔ شمارہ نمبر ۷۲ سے لے کر شمارہ نمبر ۹۱ تک (جن کی تعداد بیس بنتی ہے) آپ نے بطور مدیر فرائض سرانجام دیئے۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے موجودہ مدیر اختر رضا سلیمی ہیں۔ جنھوں نے یہ ذمہ داری جولائی ۲۰۱۱ء میں سنبھالی اور اب تک یہ ذمہ داری نبھا رہے ہیں۔ آپ نے جن خصوصی شماروں کی اشاعت کا اہتمام کیا ان میں ''بچوں کا عالمی ادب نمبر (حصہ اوّل) ''، '' بچوں کا ادب نمبر، قومی ادب نمبر، حصہ نظم''، '' بچوں کا ادب، قومی ادب: حصہ نثر''، '' ادبیات کا سواں ایڈیشن''، '' نعت نمبر''، '' الطاف حسین حالی نمبر''، '' احمد ندیم قاسمی نمبر''، '' انتظار حسین نمبر''، '' نبی بخش خان بلوچ نمبر'' اور ''عبداللہ حسین نمبر'' شامل ہیں۔ ۹۲ شمارے سے لے کر موجودہ شمارے (۱۱۹) تک آپ نے بطور مدیر اپنی خدمات پیش کی ہے۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے مدیران اور ان کی اہم اشاعتیں اُردو ادب میں ایک اہم اضافہ ہیں۔ (دیکھیے ضمیمہ جات)

رسائل و جرائد کی دور جدید میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔ بعض معاملات پر رسائل کے مفصل تجزیے کی ضرورت ہوتی ہے یا ان کا بیان تفصیل چاہتا ہے۔ روزانہ شائع ہونے والے

اخبارات ان تفصیلات کے متحمل نہیں ہو سکتے ، لیکن مجلات میں یہ گنجائش ہوتی ہے کہ کسی معاملے یا مسلے پر کھل کر بیان کیا جائے۔اس ضمن میں اگر کئی صفحات بھی مختص کرنے پڑ جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں ۔اگر کسی اہم شخصیت کا انٹرویو بھی شائع کرنا ہو تو اس کے لیے بھی مجلے کی ہی ضرورت پڑتی ہے۔ایسی ضرورتوں نے مجلاتی اہمیت کو اور زیادہ اجاگر کیاہے۔سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کی تخلیق بھی انھی ضرورتوں کی عکاس ہے۔اس کے صفحات مختلف ادبی موضوعات اور علمی و ادبی اشخاص کے انٹرویوز سے بھرے پڑے ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' ایک ایسا رسالہ ہے جو شعر و ادب کی ترویج و ترقی کے حوالے سے کئی سالوں سے اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے سر انجام دے رہا ہے۔اس مجلے کا نصب العین قومی یکجہتی کا فروغ ہےاور یہ اس کی پاسداری میں پوری تُندہی سے کام کر رہا ہے۔اس کی اپنی شناخت اور پہچان اس حوالے سے بھی ہے کہ اس کے شماروں کی تزئین و آرائش کے جو اعلیٰ معیارات اس کے ابتدائی شمارے میں تھے وہ آج بھی پوری خوب صورتی کے ساتھ قائم ودائم ہیں۔اس مجلے نے نہ تو گروہ بندیوں کو ہوا دی اور نہ ہی تعصبات کو۔جس کی وجہ سے اس کے لکھاری تمام مکتبہءِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔اس مجلے نے ادباء کو ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کیاہے جہاں وہ پوری آزادی کے ساتھ اظہارِ خیال کر سکیں۔اُردو تراجم کے حوالے سے اِس کی خدمات کافی گراں قدر ہیں۔تمام پاکستانی زبانوں کے فروغ میں اس کی مساعی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔گویا سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' ایک ایسا نایاب پھول ہے جس کی پتیاں تمام پاکستانی زبانیں ہیں۔

ج۔اُردو میں ترجمہ نگاری کی روایت اور اہمیت

i. اردو ترجمے کی روایت:

آج دنیا میں علوم و فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی میں جس تیزی سے جدّت آرہی ہے، وہ ناقابل بیان ہے۔زمانے کی اس ترقی نے ترقی پذیر ممالک کو حیرت اور پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔علوم و فنون اور جدید ٹیکنالوجی میں نئے انکشافات، نئے گوشے، معاشی اور سماجی علوم کے نئے روپ سامنے آرہے ہیں۔یہ چیلنج ترقی پزیر ممالک کے لیے مزید شدت لارہاہے۔جدید دنیا سے ہم آہنگ ہوناہی اِن ترقی پزیر ممالک کی بقاہے۔

ترقی یافتہ ممالک میں جو ایجادات واختراعات ہو رہی ہیں وہ ان کی اپنی زبان میں ہیں اور دوسرے ممالک ان نئی ایجادات واختراعات کو سمجھنے سے عاری ہیں۔دوسرے ترقی پزیر ممالک ان علوم سے صرف اُسی صورت آگاہی حاصل کر سکتے ہیں جب یہ علوم اُن کی اپنی زبان میں منتقل ہوں۔کسی بھی ادب یا چیز کی تفہیم اپنی زبان میں بہتر طور پر ہو سکتی ہے۔اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید ادب کو اپنی زبان کے قلب میں ڈھالا جائے تا کہ بین الاقوامی ادب کی بہتر انداز میں افہام و تفہیم ہو سکے۔اس سارے کام کی تکمیل کے لیے ترجمہ ضروری ہے۔ اگرچہ ترجمے کو طبع زاد کے مقابلے میں ثانوی حیثیت حاصل ہوتی ہے لیکن بطور فن اس کی اہمیت مسلم ہے۔یہی ایک ایسا فن ہے جس کے بغیر ادبیات عالم سے آگاہی نہیں ہو سکتی۔دنیا کی کوئی بھی زبان ترجمے کے بغیر جدید اور ترقی یافتہ ہونے کا تصور ہی نہیں کر سکتی۔

ترجمے کی آسانی اور مشکل کا انحصار دو زبانوں کی ساخت پر ہے۔وہ زبانیں جن کی ساخت مماثلت رکھتی ہے، اُن کا ترجمہ آسانی سے ہو سکتا ہے۔مثال کے طور پر ہندی، فارسی، عربی اور پنجابی زبان سے اُردو زبان میں تراجم یا اُردو زبان سے اِن متذکرہ زبانوں میں ترجمہ آسانی سے ہو سکتا ہے۔لیکن جن زبانوں میں ساختی اختلافات پائے جاتے ہیں، اُن کی ایک زبان سے دوسری زبان سے منتقلی میں قدرے مشکل پیش آتی ہے جیسا کہ اُردو زبانوں سے یورپی زبانوں میں یا یورپی زبانوں سے اُردو میں تراجم کی منتقلی۔

دور حاضر کی مجلاتی صحافت میں ترجمہ ایک اہم ضرورت بن گیا ہے۔ادبی رسائل میگزین وغیرہ میں دوسری زبانوں میں شائع ہونے والے افسانوں، غزلوں، نظموں، انشائیوں، داستانوں، ناولوں یا ڈراموں کے تراجم شائع ہوتے ہیں۔اگر ایک رسالہ سائنس کے موضوع پر اردو یا کسی پاکستانی زبان میں شائع ہوتا ہے تو اس

میں انگریزی اور دوسری زبانوں سے ترجمے کی ضرورت پیش آتی ہے۔رسائل و جرائد میں مترجمین کی خدمات کافی اہم ہیں۔ بعض رسائل و جرائد کے عملے میں مترجم عملے کا حصہ ہوتے ہیں جبکہ بعض اوقات جزو وقتی مترجمین کی خدمات مستعار لی جاتی ہیں۔ کبھی کبھار رسائل و جرائد کے مدیران کو بھی ترجمہ کرنا پڑتا ہے۔اس میں یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ خود ترجمہ کرے یا دوسروں کے کیے ہوئے ترجمہ کی صحت کی جانچ پڑتال کر سکے۔ترجمے کے سلسلے میں یہ بات بھی خاصی غور طلب ہے کہ صبحی فقی میگزین کے لیے مفہوم پر توجہ دینا، علمی مجلے کے لیے تصورات اور علمی ضروریات کو ملحوظ رکھنا اور ادبی تحریروں کے ترجمے میں زبان و بیان، تشبیہوں اور اشاروں نیز مجازی مفاہیم کا خیال رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

ترجمہ کسی تحریر، تصنیف،تالیف، علمی یا ادبی پیکر یا متن کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کا نام ہے اور اس کا انسان کی معاشرتی، سماجی اور تہذیبی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔مترجم نے دو زبانوں کے ثقافتی بُعد کے خلا کو پُر کرنا ہوتا ہے اس لیے مترجمین کی دونوں زبانوں کے ماخذ اور ہدفی ثقافتوں سے واقفیت ضروری ہے۔اس لیے اگر ترجمے کا کوئی کورس شروع کیا جائے اور اس میں ثقافت کی باقاعدہ تدریس کرائی جائے تو اس سے ترجمے کے فن میں کافی بہتری لائی جاسکتی ہے۔ایسا اُس وقت زیادہ ضروری ہے جب دونوں زبانیں غیر ملکی ہوں۔تراجم کی ہی بناپر اقوام عالم کے سماجی رشتوں اور ادب سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔غیر ادب ترجمے کے بعد اپنا مخصوص معنی اور تاثر کھو دیتا ہے جب کہ ادبی ترجمے میں اصل متن کی وجہ سے تاثر بحال رہتے ہیں۔یہ مترجم کی ایک اہم خصوصیت ہے کہ وہ ادبی تخلیقات کو نہایت فنی چابکدستی سے ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرے۔اس لیے ترجمہ ایک آسان کام نہیں بلکہ ایک مشکل فن ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

> ’’کسی غیر زبان سے اپنی زبان میں ترجمہ کرنا آسان کام نہیں بلکہ بعض اوقات ترجمہ کرنا طبع زاد تخلیق کرنے سے زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔جب تک مترجم (ترجمہ نگار) کو دونوں زبانوں پر پورا پورا عبور حاصل نہ ہو وہ دونوں زبانوں کے اسالیب بیان، لفظی اور معنوی خوبیوں، محاورات و تشبیہات، لسانی پسِ منظر اور زیر ترجمہ نثر پارے کے مصنف اور موضوع سے پوری طرح واقفیت نہ رکھتا ہو۔ترجمہ نگاری میں کامیابی حاصل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ محض لفظی ترجمہ بسا اوقات بے کار ثابت ہوتا ہے۔جس فن پارے کا ترجمہ کرنا مقصود ہو،اس کی اصل روح تک پہنچ کر ہی اس کے مفہوم کو اپنی زبان میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔‘‘(۱۶)

اُردو میں اگر تراجم کے نقطہ آغاز کی بات کی جائے تو ان کی ابتدا ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں ہوئی۔اس لحاظ سے اُردو میں تراجم کی روایت دو سوڈھائی سال سے زائد نہیں ہے۔یہ تاریخ انگریزی ترجمے کی ہے اگراس میں عربی اور فارسی تراجم کو بھی شمار کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُردو میں ترجمے کی ابتدا ساڑھے چار سو سال پرانی ہے۔اُردو تراجم کی ابتدا فارسی ترجموں سے ہوتی ہے۔یہ تراجم سلطنت بیجاپور میں ہوئے۔اس زمانہ میں اس سلطنت میں فارسی کی بجائے مقامی زبان کو زیادہ عمل دخل حاصل تھا۔

ترجمے کی روایت انسانی سماجی زندگی سے منسلک لگتی ہے۔انسانی ابتدائی زندگی کے روابط اشاروں، کنایاؤں یا اشکال کی صورت میں ہوئے ہوں گے۔یہ اشکال پھر حروف تہجی اور ان حروف تہجی نے یقیناً زبان کی تشکیل میں مدد فراہم کی ہوگی۔قدیم ہندوستانی لوگ ترقی یافتہ تہذیب سے تعلق رکھتے تھے،اس لیے اس دور میں تخلیقِ ادب کے ساتھ ساتھ تراجم کی جانب بھی خصوصی توجہ دی گئی۔قدیم مغلوں کے دور میں بہت زیادہ کتب کے فارسی زبان میں تراجم کیے گئے۔ مغل بادشاہ اکبر سنسکرت کے دلدادہ تھے۔انھوں نے مترجمین سے سنسکرت سے فارسی زبان میں کتب ترجمہ کروائیں۔''سنگھاسن بتیسی''،''حردِافروز'' کے نام سے عبدالقادر نے ۱۵۷۴ءمیں ترجمہ کی۔ ''اتھرو وید'' کا فارسی ترجمہ بہاون نامی پنڈت، شیخ فیضی اور ابراہیم تھانیسری نے کرنے کی کوشش کی لیکن وہ تینوں کامیاب نہ ہوسکے۔''تاریخ کشمیر'' کا ترجمہ ۱۵۸۹ء میں ملّا بدایونی کرنے میں کامیاب ہوئے۔اس دور میں ''مہابھارت''، ''لیلاوتی''، ''نل دمن''، ''تاجک '' اور ''ہری بنس'' کے تراجم برہمن اور مسلمان مترجمین کے ذریعے ترجمہ ہوئے۔اس دور میں فارسی تراجم کے ساتھ ساتھ عربی میں بھی تراجم کیے گئے۔

دوسری ہجری کے وسط میں بہت سی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ان کتابوں میں ''سندھانت''، ''کلیلہ ودمنہ'' اور ''بوذاسلف وبوہر'' شامل ہیں۔''سندھانت'' کا عربی میں ترجمہ ابراہیم فرازی نے خلیفہ صفور عباسی کے کہنے پر کیا۔''بوذاسلف وبوہر'' کے نام سے ایک اور کتاب بھی عربی میں ترجمہ ہوئی، جس میں گوتم بدھ کی زندگی کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔اس کے علاوہ سنسکرت سے بھی کئی کتب عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ اس ضمن میں ''مہابھارت'' کے خلاصے کو عربی زبان میں تحریر کیا گیا۔

اُردو زبان کے نثری ادب کے ترجمے کی روایت سترھویں صدی کے آغاز سے ملتی ہے۔اس دور میں ترجمہ ہونے والی کتب میں فارسی و عربی اثرات واضح دکھائی دیتے ہیں:

''سترھویں صدی میں جن لوگوں نے اُردو میں نثری اور شعری ادب کا آغاز کیا ان کی علمی زبان فارسی تھی،اس لیے اُردو کے ابتدائی شعری اور نثری سرمائے پر فارسی زبان و ادب کا گہرا اثر ہے۔یہ اثر تشبیہات و استعارات، تلمیحات،الفاظ اور فارسی کے اصنافِ سخن وغیرہ مستعار لینے تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ ہزاروں فارسی اشعار کا اُردو میں ترجمہ بھی کیا گیا۔''(۱۷)

گویا سترھویں صدی کے اوائل میں نثری ادب کے ترجمہ ہونے کے شواہد ملتے ہیں۔اسی زمانے میں فارسی، عربی اور سنسکرت سے اُردو نثر میں تراجم کیے گئے۔اس صدی میں ترجمہ ہونے والی کتب نہایت اہمیت کی حامل اور اُردو ادب میں گراں قدر سرمایہ ہیں۔اس حوالے سے ڈاکٹر نثار احمد قریشی کی رائے خاصی غور طلب ہے۔وہ اُردو کے پہلے مترجم کے حوالے سے کہتے ہیں:

''اُردو میں نثری تراجم کی پیدائش سترھویں صدی کے اوائل میں ہوئی۔عام طور پر سترھویں صدی میں ملا وجہی کی سب رس (۱۶۳۵ء) سب سے پہلی ترجمہ شدہ کتاب تصور کی جاتی ہے۔ مگر تحقیقی اعتبار سے شاہ میراں جی (دکن) سب سے پہلے مترجم قرار پائے ہیں جن کا تعلق قطب شاہی عہد سے تھا۔''(۱۸)

اس سے پتا چلتا ہے کہ شاہ میراں جی خدا نما نے ابوالفضائل بن عبداللہ محمد عین القضات محمد ہمدانی کی کتاب کا ''تمہیدات ہمدانی'' کے نام سے جو ترجمہ کیا ہے،وہ اردو نثری تاریخ میں پہلا ترجمہ ہے۔جب کہ نیشا پوری کی فارسی تصنیف کا جو ترجمہ ''دستورِ عشاق'' کے نام سے ملا وجہی نے کیا،وہ اُردو میں ہونے والا دوسرا ترجمہ خیال کیا جاتا ہے۔ملا وجہی نے یہ ترجمہ ۱۶۳۵ء میں کیا جب کہ شاہ میراں جی خدا نما کا ترجمہ ۱۶۰۳ء میں منظرِ عام پر آیا۔

سترھویں صدی میں شیخ محمود کی فارسی تصنیف ''معرفت السلوک'' کا اُردو زبان میں ترجمہ ہوا۔ جس کے مترجم شاہ ولی اللہ قادری تھے۔اسی دور میں دیگر ہونے والے تراجم میں ''شمائل الاتقیا'' اور ''طوطی نامہ'' قابلِ ذکر ہیں۔

مثنوی میں سب سے پہلا ترجمہ ۱۰۵۶ھ میں ملک خورشید نے امیر خسرو کی مثنوی ''ہشت بہشت'' کے ایک حصے کا کیا اور دوسرا ترجمہ ''بہرام و گل اندام'' کے نام سے نظامی گنجوی کی مثنوی ''ہفت پیکر'' کا کیا گیا۔یہ ترجمہ ۱۰۸۱ھ میں اشاعت پذیر ہوا۔

مختلف زبانوں سے اُردو زبان وادب میں تراجم کا سلسلہ اٹھارویں صدی میں بھی جاری رہا۔اس صدی کے شروع میں ''طوطی نامہ'' از سیّد محمد قادری کا اُردو زبان میں ترجمہ ہوا۔''الف لیلیٰ'' عربی داستان کا پہلے فارسی اور پھر اُردو میں ترجمہ ہوا۔اسی دور میں فارسی کی مشہور داستانیں جیسے داستان امیر حمزہ، طلسمِ ہوش ربا، چار درویش وغیرہ اُردو میں ترجمہ ہو کر آئیں۔چار درویش کا ''نوطرزِ مرصع'' کے نام سے اُردو ترجمہ کیا گیا۔اُسی زمانہ میں ملّا حسین واعظ کاشفی کی مشہور تصنیف ''روضتہ الشہدا'' ترجمہ ہو کر ''کربل کتھا'' کے نام سے موسوم ہوئی۔یہ کتاب فضل علی فضلی کے ذریعے ترجمہ ہوئی۔اس تصنیف کے حوالے سے ڈاکٹر نثار احمد قریشی کی رائے میں:

> ''شمالی ہند میں تراجم کا کام جاری تھا، فضل علی فضلی کی تصنیف ''کربل کتھا'' جو ملّا حسین واعظ کاشفی کی فارسی کتاب ''روضتہ الشہدہ'' کا اُردو ترجمہ ہے۔یہ ترجمہ ۱۷۳۱ء میں ہوا۔''(۱۹)

اٹھارویں صدی کے وسط میں توریت اور انجیل کے تراجم بھی عیسائی مشنریوں کی کوششوں سے منظرِ عام پر آئے۔

قرآن مجید کا پہلا ترجمہ شاہ ولی اللہ نے عربی سے فارسی میں کیا۔اِس ترجمے کا مقصد اُن کے تبلیغی مقاصد کو فروغ دینا تھا۔اُردو میں قرآن مجید کا پہلا ترجمہ ۱۷۷۶ء میں شاہ رفیع الدین نے شائع کیا۔یہ لفظ بہ لفظ ترجمہ تھا،اس لیے اس ترجمے سے بننے والے فقرے مہمل ہو گئے اور ان کا مطلب ادق اور مشکل ہو گیا۔۱۷۹۵ء میں نو برس کے بعد شاہ ولی اللہ کے بیٹے اور شاہ رفیع الدین کے چھوٹے بھائی، شاہ عبدالقادر نے قرآن شریف کا نئے سرے سے دوبارہ ترجمہ کیا۔یہ ترجمہ عام فہم تھا اور اس میں سادگی اور سلاست موجود تھی۔خاص وعام میں یہ ترجمہ بہت سراہا گیا۔اس دور میں قرآن مجید کے ایک اندازے کے مطابق نوے کے قریب ترجمے سامنے آئے۔ان میں سے کچھ تراجم کو بہت پزیرائی ملی تاہم بعض تراجم میں مترجمین کی خامیاں بھی سامنے آئیں۔اس دور کے قرآن مجید کے مشہور مترجمین میں ڈپٹی نذیر احمد،احمد سعید دہلوی، مولوی عبدالحق، مولانا شبیر احمد عثمانی، سرسید احمد خان اور فتح محمد کے نام خاص طور پر لیے جاتے ہیں۔

انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہونے کی تاریخ دو سو برس سے کچھ زائد ہے۔اس سلسلے میں اداروں کے ساتھ افراد کے نام بھی آتے ہیں۔افراد کی بات کی جائے تو نواب شمس الامرا اور شاہ اودھ خاص اہمیت کے حامل ہیں۔اداروں میں فورٹ ولیم کالج کو ترجمہ نگاری میں اولیت حاصل ہے۔

۱۸۰۰ء میں فروغِ اردو کے نام پر قائم ہونے والے اس ادارے نے اُردو تراجم کی طرح ڈالنے میں خاصا اہم کردار ادا کیا۔ یہ وہ پہلا باقاعدہ ادارہ تھا، جس نے منظم طریقے سے ترجمہ کرنے کا رواج دیا۔ اس ادارے میں ترجمہ نگاری کا باقاعدہ شعبہ قائم تھا، جس میں عربی، فارسی اور سنسکرت سے اُردو زبان میں ترجمے کیے جاتے تھے۔ میر امن دہلوی، میر شیر علی افسوس، حیدر بخش حیدری، للو لال جی، کاظم علی جوان وغیرہ کالج کے منشی تھے، جھنوں نے اُردو زبان میں تراجم منتقل کرنے کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ ۱۸۰۰ء کے قانون کا ترجمہ گل کرسٹ نے کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے انگریزی ڈکشنری کا اُردو لغت میں بھی ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم فورٹ ولیم کالج کی خدمات کے حوالے سے لکھتی ہیں:

> "فورٹ ولیم کالج کی تصانیف میں طبع زاد کارناموں کی تعداد بہت مختصر ہے۔ ان میں بیشتر فارسی، عربی، سنسکرت اور برج بھاشا کا ترجمہ ہیں۔ یہاں تالیف و ترجمے کے لیے وہ کتابیں انتخاب کی جاتی تھیں۔ جن سے ہندوستان کی معاشرت، اخلاق، تہذیب و تمدن اور تاریخ سے واقفیت حاصل ہو سکے۔ ہندوستانی زبان سکھانے کے لیے لغت اور قواعد کی کتابیں ترتیب دی گئیں۔"(۲۰)

اُردو تراجم کی روایت کو آگے بڑھانے میں دہلی کالج کی خدمات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ کالج ۱۸۲۵ء میں قائم کیا گیا۔ اس کالج کی خصوصیت یہ تھی کہ یہاں جدید علوم کو خالصتاً اُردو زبان میں پڑھایا جاتا تھا جس کے شواہد آج بھی موجود ہیں۔ ترجمہ نگاری کے حوالے سے اس کالج نے باقاعدہ اُصول بنائے۔ اس کالج کے تراجم فورٹ ولیم کالج کے تراجم سے یکسر مختلف تھے۔ فورٹ ولیم کالج میں انگریزوں کی اُردو تدریس کے لیے تراجم کیے گئے۔ دہلی کالج میں مغربی تعلیم کو روشناس کروانے کے لیے تراجم پر زور دیا گیا۔ دہلی کالج کے قیام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ طلبہ کو اردو میں ریاضی، سائنس، اور فلسفہ وادب کی تعلیم دی جائے اور اس لحاظ سے یہ کالج کامیاب رہا۔

۱۸۵۷ء میں کالج کو کافی نقصان پہنچا اور اس کا کتب خانہ تلف ہو گیا۔ کالج کو عارضی طور پر بند کر دیا گیا اور پھر مئی ۱۸۶۴ء میں دوبارہ کھول دیا گیا۔ یہ کالج مزید ۱۳ برس تک درس وتدریس فراہم کرتا رہا۔ دہلی کالج کے اساتذہ اور طلبہ کے ناموں پر اگر نگاہ دوڑائیں تو بعض مشہور نام سامنے آتے ہیں ان میں ماسٹر رام چندر، مولوی ذکاءاللہ، ماسٹر پیارے لال اور مولوی امام بخش صہبائی شامل ہیں۔ یہ بات بھی خاصی دلچسپ ہے کہ اس کالج میں

فارسی کی تدریس کے لیے پہلے غالب اور پھر مومن خان مومن سے درخواست کی گئی تھی۔اس کالج کے طلبہ میں نذیر احمد، محمد حسین آزاد، پیرزادہ محمد حسین، میر ناصر علی اور کریم الدین وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

اس کالج نے ورنیکلر لینگویج سوسائٹی بھی قائم کی جس کا پورا نام ''دی سوسائٹی فار پروموشن آف نالج انڈیا تھرو میڈیم آف لینگویجز'' تھا۔اس سوسائٹی نے مترجمین کے لیے ترجمہ کرنے کے جو اُصول و ضوابط متعین کیے،وہ آج بھی قابل عمل ہیں۔طاہر مسعود ورنیکلر سوسائٹی کے بارے میں یوں بیان کرتے ہیں:

> ''دہلی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی ۱۸۴۴ء میں قائم ہوئی۔۱۸۵۷ء کے غدر سے پہلے اس ادارے نے ۱۱۷ کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔ان میں تراجم کی تعداد ۳۰ تھی۔ان کتابوں کی تیاری میں علمی اصطلاحوں کو اپنی زبان میں منتقل کرنے کے لیے جو اُصول ملحوظ رکھے گئے وہ آج بھی مشعلِ راہ ہیں۔نئے ذہن بنانے اور سنوارنے میں اس سوسائٹی کا قابل قدر حصہ ہے۔جن لوگوں نے اس سوسائٹی کو فروغ دیا ان میں جرمن متشرق ڈاکٹر اسپرنگر، مسٹر بوترو، مولوی ذکاءاللہ، پنڈت رام کرشن، ہر دیو سنگھ اور ڈاکٹر ضیاءالدین قابل ذکر ہیں۔''(۲۱)

۱۸۶۲ء میں قائم ہونے والی سر سید احمد خان کی سائنٹیفک سوسائٹی نے اُردو روایت کو مزید مستحکم کیا۔ جدید تعلیم اور نئے موضوعات پر مبنی سائنس اور ٹیکنالوجی کی بہت سی کتب اس ادارے نے ترجمہ کروائیں۔ انگریزوں کی علمی کتابوں کو تراجم کی صورت میں پیش کرنا اور ان کے ذریعے روشنی کی ایک نئی لہر پیدا کرنا، اس ادارے کا ایک خاص مقصد تھا۔ان تراجم کے ذریعے عملی اور عقلی اندازِ نظر پیش کرنے کی سعی کی گئی۔اس سوسائٹی کی بدولت چالیس سے زائد کتب ترجمہ ہوئیں۔ان کتب سے نہ صرف برعظیم پاک و ہند کے طلبا نے کام لیا بلکہ اس خطے کے تمام قارئین بھی مستفید ہوئے۔تاریخ یونان، رسالہ اُصول حساب، روشنی کا انعکاس اور اجتماعی شعاع، تجزیاتی جیومیٹری، حرارت اور برقیات اس سوسائٹی کی اہم کتب ہیں۔اس سوسائٹی کے قبولِ عام تراجم میں عنایت اللہ دہلوی کے ترجمے شامل ہیں۔اس نے جن انگریزی کتب کے کامیاب ترجمے کیے ان میں دانتے کی ڈیوائن کامیڈی، اناطولے فرانس کی تائیس، فلابیر کی سلامبو، کپلنگ کی جنگل بک اور شکسپیئر کے ڈرامے شامل ہیں۔

اُردو تراجم کے حوالے سے ''انجمن پنجاب'' کا کردار بھی اہم ہے۔اس انجمن کو مولانا محمد حسین آزاد اور کرنل ہالرائیڈ نے ۱۸۷۴ء میں قائم کیا۔اس انجمن کے تحت مشاعروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔مولانا محمد

حسین آزاد ان مشاعروں کی روح رواں تھے چنانچہ انھوں نے تمام مشاعروں میں شرکت کو یقینی بنایا۔ مولانا حالی نے بھی تین نظمیں امید، حب وطن اور انصاف تین مشاعروں کے لیے لکھی۔ محمد حسین کا مشہور مقالہ ''نظم اور کلام موزوں کے باب میں خیالات ''۱۵ اگست ۱۸۶۷ء میں انجمن کے ایک ہونے والے اجلاس میں پڑھا گیا۔ اس انجمن کے تحت ہونے والے مشاعروں میں جو نظمیں پڑھی گئی ان میں برسات، زمستان، امید، حب وطن، امن، مروت، قناعت، تہذیب اور شرافت انسانی شامل ہیں۔ ان مشاعروں کے حوالے سے یہ بات بھی خاصی غور طلب ہے کہ یہ مشاعرے انگریزوں کے ایما پر شروع کیے گے۔ انگریز اردو غزل کی مخصوص روایات اور اس کے مسلمات کی تحسین کے اہل نہ تھے۔ ان کا شعری ذوق اور تخلیقی حس نظم سے مشروط تھی۔ اس لیے انھوں نے نیک نیتی سے اپنے طور پر کیا کہ اردو زبان نظم کی صورت میں ترقی کرے گی اس طرح شاعری میں ایک نیا انداز فروغ پائے گا۔

واضح رہے کہ اس وقت مرثیہ، مثنوی اور قصیدہ کی صورت میں اردو میں نظم نگاری کی قوی روایات موجود تھی جبکہ میر، سودا اور نظیر اکبر آبادی جیسے شعرا برسات اور سردی گرمی پر نظمیں لکھنے کا آغاز کر چکے تھے۔ اسی لیے ابتدا میں ان نظموں پر مخالفت بھی ہوئی اور مشاعرے کسی بڑی تخلیقی تحریک کی ابتدا کے لیے محرک ثابت نہ ہو سکے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ حالی کے لیے نظمیں لکھنا ایک اچھی تربیت ثابت ہوئی۔ نظم گو کے طور پر ان کو اپنی صلاحیتوں کا اندازہ ہوا اور اس طرح وہ اپنی شاہکار نظم ''مدوجزر اسلام'' تخلیق کرنے میں کامیاب ہوئے۔

اس انجمن نے انگریزی ادب کی مشہور کتب کے اُردو زبان میں منظوم ترجمے کیے۔ اس انجمن نے ادبی کتب کے تراجم کی بجائے سائنسی کتب کے تراجم پر زور دیا۔ ۱۸۶۵ء میں روہیل کھنڈ میں ایک لٹریری سوسائٹی وجود میں آئی۔ انجمن پنجاب کی طرح اس سوسائٹی نے بھی ادبی کتابوں کے تراجم کی بجائے علمی اور مغربی علوم کی کتب ترجمہ کروائیں۔ گویا ترجمے کے ارتقا میں ان چھوٹی چھوٹی انجمنوں نے بھی اپنا اپنا حصہ ڈالنے کی کوشش کی۔

ریاست جموں و کشمیر کے حکمران بھی ترجمے کی روایت کو آگے بڑھانے میں اپنا کردار ادا کرتے رہے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ ڈوگرانے ''دارالترجمہ'' قائم کروایا جس میں سینکڑوں کتب کے اُردو میں کامیاب تراجم کروائے۔ یہ کتابیں عام فہم اور سلیس تھی۔

انجمن ترقی اردو (ہند) ایک ایسا ادارہ ہے کہ جس نے اردو زبان و ادب اور ان سے متعلق تحقیقی اور تنقیدی کتب کی تدوین دین اور اشاعت اور تراجم کے ضمن میں ایک فعال کردار ادا کیا اس انجمن کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب نے ''انجمن ترقی اردو کی علمی اور ادبی خدمات'' پر تحقیقی مقالہ لکھ کر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ۱۹۸۶ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی بعد میں یہ تحقیقی مقالہ ۱۹۹۰ء میں علی گڑھ سے شائع ہوا سید ہاشمی فرید آبادی جن کا تعلق پاکستان سے ہے ہے انھوں نے ۱۹۵۳ء میں ''پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو'' تحریر کی۔

انجمن ترقی اُردو ۱۹۰۳ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشن کانفرنس ایک ذیلی شعبے کی حیثیت سے قائم ہوئی جس نے مختلف زبانوں سے اردو زبان میں ترجمہ ہونے والی روایت کو جلا بخشی۔ انجمن ترقی اردو کے پہلے صدر علامہ اقبال کے فلسفہ کے استاد اور نامور پروفیسر تھامس آرنلڈ تھے۔ نائب صدور: مولوی نذیر احمد، خواجہ الطاف حسین حالی جب کہ شبلی نعمانی اس کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ یہ نام اس بات کو تقویت دیتے ہیں کہ اس انجمن نے کن لوگوں کی سرپرستی میں علمی مسائل کا آغاز کیا، جہاں انجمن نے کتابیں طبع کی۔ تحقیقی مقالات کی اشاعت کے لیے جنوری ۱۹۲۱ء میں مجلہ ''اردو'' ۱۹۲۸ میں ''سائنس''، ۱۹۳۹ میں '' ہماری زبان'' کے نام سے ۱۵ روزہ اخبار اور ۱۹۴۶ء میں ''معاشیات'' کے نام سے مقالہ تخلیق کیا۔'' قومی زبان'' اور'' اردو'' پاکستان سے بھی چھپتے رہے ان دونوں رسالوں میں تنقیدی اور تحقیقی مقالے شائع ہوتے ہیں ان دنوں انجمن ترقی اردو دہلی سے سہ ماہی'' اردو ادب'' نکلتا ہے۔

ہندوستان اور پاکستان میں انجمن ترقی اردو نے فلسفہ، لسانیات، تحقیق، تنقید، سائنس، لغت، تاریخ اور کئی دوسرے موضوعات پر طبع زاد کتب اور تراجم شائع کیے۔ دونوں ملکوں کے مشہور ناقد اور اہل قلم میں سے اکثر کسی نہ کسی صورت میں اس انجمن سے وابستہ رہے ہیں۔ فروغ ادب میں یہ انجمن ہندوستان میں قیام کی صدی مکمل کرنے کو ہے جبکہ پاکستان میں نصف صدی سے فعال ہے:

> ''اُردو کے نثری تراجم کے سلسلے میں انجمن ترقی اُردو کا ذکر بھی ضروری ہے۔ ۱۹۰۳ء میں مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے شعبے کے طور پر انجمن ترقی اُردو وجود میں آئی۔ اس کا مقصد اُردو زبان

اور ادب کی ترقی اور فروغ تھا،اس کے پہلے صدر پروفیسر تامس آرنلڈ اور سیکرٹری علامہ شبلی تھے۔علامہ شبلی اور بعد کے سیکرٹری مولوی عبدالحق نے خاصی تعداد میں ترجمے کیے۔یورپین زبانوں، عربی، فارسی اور سنسکرت سے خاصی تعداد میں ادبیات عالیہ کا ترجمہ کیا گیا۔انجمن نے ۱۹۲۱ء میں اصطلاح سازی کے فن پر مولوی سید وحیدالدین سلیم کی ''وضع اصطلاحات'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔اس موضوع پر یہ اُردو کی پہلی کتاب ہے۔''(۲۲)

اُردو تراجم کے فروغ میں دارالمصنفین ،اعظم گڑھ کا کردار بھی خاصا اہم ہے۔اس کا قیام ۱۹۱۴ء میں عمل میں لایا گیا۔اس ادارے نے انگریزی سے نابلد قارئین کے لیے کتابیں ترجمہ کروائیں۔یہ کام عربی سمجھنے والے مترجمین نے کیا، جس کی وجہ سے ان تراجم میں عربی کی آمیزش موجود ہے۔فلسفہ تعلیم،تاریخ ادبیات ایران،ریاست، خطبات گارساں دتاسی،تاریخ عہد انگلشیہ،تاریخ اخلاق یورپ،مشاہیر یونان و روم وغیرہ اس انجمن کے مشہور تراجم ہیں۔

بہمنی دربار میں اردو سرکاری زبان تھی اور خطہ کی مشہور مسلم ریاست حیدرآباد میں بھی سرکاری زبان اردو تھی۔ایسے وقت میں ایک ایسی یونیورسٹی کی کمی شدت سے محسوس کی گئی جہاں تمام مضامین کی تدریس اردو زبان میں ہو۔چنانچہ جامعہ عثمانیہ کے باقاعدہ آغاز سے دوسال پہلے ایک دارالترجمہ قائم کیا گیاتاکہ طلبہ کو پڑھائی جانے والی درسی کتابوں کے اردو زبان میں تراجم کیے جائیں۔

جامعہ عثمانیہ اُردو تراجم کی روایت میں ایک ایسا ادارہ ہے جس کی بیسویں صدی کے اوائل میں خدمات کافی وسیع ہیں۔۲۶اپریل ۱۹۱۷ء کو عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔اس کا شعبہ تالیف و ترجمہ ۱۴اگست ۱۹۱۷ء میں دارالترجمہ کے نام سے قائم کیا گیا۔

جب عثمانیہ یونیورسٹی میں کالج قائم ہوا تو ۱۹۱۹ء میں انٹرمیڈیٹ کی جماعتوں کا آغاز ہوا۔دوسال کے عرصے کے بعد بی اے اور پھر دوسال بعد ایم اے کی کلاسیں شروع ہوئیں۔اس ساری مساعی کا محرک یہ جذبہ تھا کہ علم کی چاہے جو بھی سطح ہو لیکن ہر شعبہ سے متعلق مضمون کی تدریس اردو زبان میں ہو گی۔اس مقصد کے لیے تراجم کتب کے ساتھ ساتھ علوم وفنون،ریاضی،نفسیات،سائنس،فلسفہ،نفسیات اور منطق کی اصطلاحات کے اردو تراجم کیے گے۔وضع اصطلاحات کے لیے اس وقت کی معروف علمی شخصیات پر مشتمل ایک بورڈ قائم کیا گیا جس میں مولوی عبدالحق،مولانا ظفر علی خان،وحید الدین سلیم،عبدالحلیم شرر،سید محی الدین قادری مرزا، محمد ہادی،سید علی رضا،عبدالماجد دریاآبادی اور طباطبائی جیسی مستند شخصیات شامل تھیں۔وحیدالدین سلیم

تراجم اور اصطلاح سازی کے حوالے سے ایک سند کی حثییت رکھتی ہے۔۱۹۱۸ء سے ۲۵ جولائی ۱۹۴۶ء کی آخری مجلس تک بے شمار اصطلاحات وضع کی گئیں۔۱۹۳۹ء تک اصطلاحات کی تعداد پچیس ہزار تک پہنچ جائے گی۔

اس ادارے کا منفرد کام یہ تھا کہ اس نے مترجمین کو باقاعدہ تنخواہ پر بھرتی کیا اور نہایت منظم انداز میں اُردو تراجم کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔اس ادارے سے منسلک مترجمین اُردو، عربی، انگریزی اور فارسی پر دسترس رکھتے تھے، اس لیے انھوں نے لاتعداد کتب ترجمہ وتالیف کیں۔اس ادارے کا منفرد کام یہ تھا اس نے نصاب کی تقریباً ساڑھے چار سو کتابیں تیار کروائیں، ان میں صرف انیتس کتابیں تالیفات تھیں، باقی مختلف زبانوں سے ترجمہ کی گئیں تھیں۔ڈاکٹر مرزا حامد بیگ دارالترجمہ عثمانیہ کے بارے میں یوں گفتگو کرتے ہیں:

> ''دارالترجمہ کے قیام سے پہلے فورٹ ولیم کالج، دہلی کالج، شمس الامراء (شمس المطابع) روہیل کھنڈ سوسائٹی، سائنٹیفک سوسائٹی غازی پور، سلسلہ آصفیہ حیدر آباد دکن اور دارالمصنفین اعظم گڑھ وغیرہ اداروں نے جو کوششیں کیں وہ سب عارضی نوعیت کی تھیں، اُن میں سے اکثر اداروں کا مقصد صرف یہ تھا کہ اردو داں طبقے کو کسی نہ کسی طرح علوم جدیدہ سے واقف کرایا جائے۔ مثال کے طور پر شمس الامراء، دہلی کالج اور دارالمصنفین اعظم گڑھ کے ارباب علم نے ترجمے عموماً ثانوی درجے کی نصابی اغراض کے تحت کرائے اور روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی اور سائنٹیفک سوسائٹی غازی پور نے اصلاحی غرض سے، لیکن ان تمام اداروں کو اتنے مواقع اور ذرائع حاصل نہ تھے جو دارالترجمہ عثمانیہ کو حاصل رہے۔یہی وجہ ہے کہ ''دارالترجمہ'' کے تراجم کا اثر تادیر قائم رہا۔''(۲۳)

اُردو تراجم کے ارتقا میں ''ہندوستانی اکیڈمی'' کا نام بھی اہم ہے۔یہ اکیڈمی ۱۹۲۷ء میں قائم کی گئی تاکہ اُردو زبان کی ترقی میں اہم پیش رفت کی جاسکے۔اُردو تراجم کے فروغ میں ''اکادمی اُردو'' کا نام بھی لیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ اکادمی بھی اُردو زبان ادب کی ترقی اور اشاعت میں ایک نمایاں کردار ادا کر چکی ہے۔

پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو معرض وجود میں آیا۔ آزادی کے بعد اس سر زمین پر اُردو تراجم کا سلسلہ جاری وساری رہا۔اُردو کی پروموشن کے لیے لاہور میں ''مجلس زبان دفتری پنجاب'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔یہ مجلس ۲ دسمبر ۱۹۴۹ء کو قائم ہوئی۔ایک کمیٹی قائم کی گئی جس کے چیئرمین جسٹس ایس۔اے۔رحمن منتخب ہوئے۔اس مجلس نے دفتری اصطلاحات و محاورات کے اُردو میں تراجم کر کے شائع کیے۔۱۹۴۷ء میں پنجاب

ملازمین کے سول ایکٹ کا ترجمہ کیا۔ کئی دیگر قوانین کے ترجمے بھی اسی ادارے کی کاوشوں کا نتیجہ تھے۔ ان تراجم کے علاوہ اُردو کی ترویج و ترقی میں اس مجلس کی خدمات گراں قدر ہیں۔ لوک ورثہ، اسلام آباد ایسا قومی ادارہ ہے جس کا قیام یونیسکو کے تعاون سے ۱۹۷۴ء کو عمل میں لایا گیا۔ اگرچہ اس ادارے کا خاص مقصد پاکستان کے لوک ورثے کی حفاظت اور اس کی ترویج و ترقی ہے تاہم اُردو تراجم کے حوالے سے بھی اس ادارے کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ اس ادارے نے ملک کے نامور صوفیائے کرام کے کلام اور اُن کے تراجم کو یکجا کر کے شائع کیا ہے۔ اِن صوفیائے کرام کے کلام اور تراجم سے آنے والی نسلیں بھی مستفید ہوں گی۔

قیامِ پاکستان کے بعد اُردو کی ترقی اور اشاعت کے لیے جو ادارے قائم کیے گئے۔ ان میں سے ایک ادارہ ''نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد'' ہے۔ یہ ادارہ ۱۹۷۲ء کو قائم کیا گیا۔ اس ادارے نے کتابوں کی مناسب قیمتوں پر فراہمی، نصابی و غیر نصابی، حوالہ جاتی، مذہبی کتب کی اشاعت کے ساتھ ساتھ غیر ملکی ادب کی اہم کتب کے اُردو اور پاکستانی زبانوں میں تراجم کیے ہیں۔ اس کے علاوہ اس قومی ادارے نے انگریزی، اُردو اور تراجم کی شاہکار کتب شائع کر کے اُردو ادب کے فروغ میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں ہیں۔ ان تراجم کی خاص بات یہ ہے کہ یہ سلیس اور رواں ہیں اور اس وجہ سے عوام و خاص میں مقبول عام ہیں۔ نامور پاکستانی زبانوں کے صوفیاء کرام کے تراجم اس ادارے کا خاصا ہیں۔ آج کل اس ادارے کے مینجنگ ڈائریکٹر مشہور شاعر اور ادیب ڈاکٹر انعام الحق جاوید ہیں۔ ان کی سربراہی میں اس ادارے نے بے پناہ خدمات سرانجام دی ہیں۔ اکادمی ادبیات پاکستان ایک ایسا ادارہ ہے جس نے اُردو کی روایت کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس ادارے کے بارے میں جنید آذر لکھتے ہیں:

> ''اکادمی ادبیات پاکستان کا قیام ذوالفقار علی بھٹو کی وزارتِ عظمیٰ کے ددر میں وزارتِ تعلیم کے تحت ایک خود مختار ادارے کی حیثیت سے یکم جولائی ۱۹۷۶ء کو عمل میں آیا۔ ۱۹۷۸ء میں اکادمی ادبیات پاکستان کے اغراض و مقاصد طے کیے گئے۔ اساسی اراکین کی حیثیت سے ڈاکٹر اشتیاق قریشی، اے۔ کے۔ بروہی، ابوالاثر حفیظ جالندھری، میاں سید رسول رسا، پروفیسر احمد علی، احمد ندیم قاسمی، شریف کنجاہی اور ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کو نامزد کیا گیا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مجلس رفقاء اساسی کے پہلے صدر تھے۔ اس کے ساتھ ہی رہنمائی کے لیے

۱۹۷۸ء میں ایک بورڈ آف گورنر کی تشکیل کی گئی۔ جنرل شفیق الرحمان اکادمی ادبیات کے پہلے چیئرمین مقرر ہوئے۔"(۲۴)

اُردو تراجم کی روایت کے فروغ میں اس ادارے نے نہ صرف پاکستانی زبانوں کے تراجم بلکہ بین الاقوامی ادب کے تراجم میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ پاکستانی زبانوں کے تراجم میں اس اکادمی نے سندھی، بلوچی، چھاچھی، کشمیری، سرائیکی، براہوی، پنجابی، شنااور پشتو سے ناولوں، افسانوں، نظموں، کہانیوں، ڈراموں اور انشائیوں کے تراجم شائع کر کے قومی یکجہتی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

بین الاقوامی ادبیاتِ عالیہ کے حوالے سے بھی اس ادارے نے بین الاقوامی ادب کے کے شعری اور نثری اصناف ادب سے تخلیقات کو ترجمہ کر کے یہاں کے ادب میں بیش بہا اضافہ کیا ہے۔ پاکستانی زبانوں اور بین الاقوامی تراجم کے ذریعے اعلیٰ تصنیفات کے ادب کو پڑھنے کا موقع ملا ہے۔ اس طرح ان تراجم سے اصل زبانوں کی چاشنی اور لطافت کو اُردو میں بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ گویا اس ادارے نے پاکستان زبانوں اور بین الاقوامی ادب کے درمیان ایک مضبوط رشتہ قائم کر دیا ہے، جس کی بدولت قومی یکجہتی کے فروغ کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی ہم آہنگی کی فضا قائم ہوئی ہے۔

اکادمی ادبیات پاکستان کے سہ ماہی مجلہ "ادبیات" نے بھی اُردو تراجم کے ارتقا میں ایک اہم قدم آگے بڑھایا ہے۔ اس مجلے میں پاکستانی زبانوں کے علاوہ بین الاقوامی ادب سے بھی اصناف سخن ترجمہ کر کے شائع کی جاتی ہیں۔ قومی یکجہتی کے فروغ کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی ادب سے آگاہی اس مجلے کا طرہ امتیاز ہے۔

ادارہ فروغِ قومی زبان (مقتدرہ قومی زبان) کا قیام ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو اسلام آباد میں عمل میں لایا گیا۔ یہ ادارہ قومی زبان "اُردو" کو بطور سرکاری زبان کے طور پر پیش کرنے کے لیے بنایا گیا۔ اُردو زبان کے فروغ اور اس کی ترویج اور ترقی کے علاوہ اُردو تراجم کی روایت کو آگے بڑھانے میں اس کا کردار نہایت اہم ہے۔ جنید آذر اس ادارے کی خدمات کے حوالے سے یوں رقمطراز ہیں:

> "مقتدرہ ایک خود مختار قومی ادارہ ہے۔ صدر نشین اس کے انتظامی سربراہ اور ایک ہئیت حاکمہ جو دس اراکین پر مشتمل ہے۔ اس کے بڑے حصے (۱) علمی (۲) انتظامی ہیں۔ علمی حصے میں دارالغات، دارالترجمہ، دارالتصنیف، دارالاشاعت، کتب خانہ وغیرہ شامل ہیں۔ مقتدرہ اب تک سرکاری قواعد و ضوابط اور متعدد رپوٹوں سمیت دفتری دستاویزات کے تقریباً ۶۰۰۰۰۰ صفحات کا اُردو ترجمہ کر چکی ہے۔"(۲۵)

گویااس ادارے نے اُردو زبان و ادب کی اشاعت کے علاوہ اُردو تراجم کی ترقی کے لیے بھی اہم پیش قدمی کی ہے۔اُردو سائنس بورڈ کا قیام ۲۴ مئی ۱۹۶۲ء کو لاہور میں عمل میں لایا گیا۔یہ ایک ایسا علمی و ادبی ادارہ ہے جو کہ اُردو کی اشاعت اور ترقی کے لیے کوشاں ہے۔یہ ادارہ حکومتِ پاکستان کے ماتحت قومی تاریخ و ادبی ورثہ کے طور پر کام کرتا ہے۔اُردو سائنس بورڈ نے سائنسی کتب کی اشاعت کے ساتھ اُردو تراجم میں بھی گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔یہ ادارہ بہترین کتب تخلیق کرنے والے مصنفین اور مترجمین کو انعامات بھی تقسیم کرتا ہے۔سال ۲۰۱۹ء میں یہ مصنفین اور مترجمین کو اول، دوم اور سوم انعامات دے چکی ہے۔پہلا انعام پچاس ہزار روپے، دوسرا انعام تیس ہزار روپے اور تیسرا انعام بیس ہزار روپے ہے۔

''اقبال اکادمی''اُردو کو ترقی دینے کی کوشش جاری رکھے ہوئے ہے۔یہ ادارہ حکومتِ پاکستان کے ماتحت کام کر رہا ہے۔اس ادارے کا سب سے بڑا مقصد علامہ اقبال کے خود کیے ہوئے کام اور ان پر کیے ہوئے کام کو محفوظ کرنا ہے۔اس ادارے نے اُردو تراجم کے ارتقا میں بھی اپنا حصہ ڈالا ہے۔پاکستانی زبانوں میں علامہ اقبال پر کیے ہوئے کام کو تراجم کی صورت میں یکجا کیا گیا ہے۔

کراچی یونیورسٹی اُردو تراجم کے فروغ میں اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہے۔پاکستان میں جتنے بھی ادارے فروغِ اُردو اور ترجمے پہ کام کر رہے ہیں، یہ اُن اداروں کی جانشینی کرتے ہوئے اُن کو مکمل رہنمائی و معاونت فراہم کر رہا ہے۔اس ادارے کا قیام ۱۹۵۷ء میں عمل میں لایا گیا۔اس ادارے سے آج تک کئی تراجم شائع ہو چکے ہیں۔اس کے تراجم کی فہرست میں ایک عربی ترجمہ اور باقی انگریزی کے ہیں۔ان تراجم سے اس ملک کے عام شہری اور تحقیق کے میدان میں کام کرنے والے لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔درسی اور حوالہ جاتی مقاصد کی تکمیل میں اس ادارے کی خدمات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔''وضع اصطلاحات'' کے حوالے سے یہ ادارہ دیگر تمام اداروں پر فوقیت رکھتا ہے۔آج تک اس ادارے سے بارہ فرہنگیں اشاعت پزیر ہو چکی ہیں اور کئی ایک ترتیب کے مراحل میں ہیں۔

پاکستان میں جو ادارے آج اُردو تراجم میں کام کر رہے ہیں اُن میں ایک ادارہ اُردو سائنس بورڈ (مرکزی اُردو بورڈ) کا بھی ہے۔اُردو ترجمے کی پرموشن میں اس ادارے کی خدمات لاثانی ہیں۔اس ادارے کی تصانیف اور

تراجم سے خاص سے عام قارئین تک مستفید ہو رہے ہیں۔ فیصل آباد کی زرعی یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی لاہور بھی تراجم پر کام کر رہی ہیں تاہم ان کے زیادہ کام اصطلاحات سازی پر ہیں۔

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد میں باقاعدہ ٹرانسلیشن کا ایک شعبہ قائم ہے۔ مختلف زبانوں سے اُردو زبان میں ترجمہ کرنے میں اس یونیورسٹی کا یہ شعبہ اپنی خدمات پوری ذمہ داری سے ادا کر رہا ہے۔ ترجمے کا فن سکھانے کے لیے چند سال قبل گجرات یونیورسٹی میں بھی ٹرانسلیشن کا ایک شعبہ قائم کیا گیا جو ترجمے کے حوالے سے ایک اہم پیش رفت ہے۔ دیگر کئی جامعات بھی اُردو ٹرانسلیشن کی پروموشن میں اپنا حصہ ڈالنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

ترجمے کے حوالے سے رہنمائی کے لیے کتب کی فراہمی میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اس سلسلے میں دہلی سے پروفیسر ظہور الدین کی شائع ہونے والی کتاب ''فنِ ترجمہ کاری'' خاصے کی چیز ہے۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کی ''مغرب سے نثری تراجم'' اور ڈاکٹر نثار احمد قریشی کی مرتب کردہ ''ترجمہ، روایت اور فن'' بھی اُردو تراجم پر مشتمل اہم کتب ہیں۔ اعجاز راہی کی مرتب کردہ ''اُردو زبان میں ترجمے کے مسائل'' بھی اُردو ترجمے کے مسائل پر مبنی ایک اچھی کتاب خیال کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر فاخرہ نورین کی ''ترجمہ کاری'' اور ڈاکٹر قمر رئیس کی مرتب کردہ ''ترجمہ، فن اور روایت'' بھی اُردو تراجم کے حوالے سے مستند کتب میں شمار کی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے ''فنِ ترجمہ کاری'' کے نام سے اُردو تراجم پر مشتمل ایک اہم کتاب مرتب کی ہے۔ ڈاکٹر صوبیہ سلیم اور صفدر رشید نے اُردو ترجمے کے ۲۴ مضامین کو ''فنِ ترجمہ کاری'' کے نام سے مرتب کر کے شائع کیا۔ ایک اور کاوش محمد ابو بکر فاروقی نے کی۔ انھوں نے ترجمے پر لکھے گئے ۳۸ مضامین کو ''تراجم کے مباحث'' کے عنوان سے مرتب کر کے ایک اہم ادبی خدمت سرانجام دی ہے۔ اُردو تراجم پر مرتب شدہ اور تحریر شدہ یہ کتب اُردو ترجمے میں ایک اہم مقام رکھتی ہیں۔

ان اداروں، یونیورسٹیوں اور کتب کے علاوہ مختلف ادبی شخصیات بھی اُردو تراجم کی روایت کو آگے بڑھانے میں کوشاں رہی ہیں۔ عادل شاہی دور میں ترجمہ نگاری کی روایت خاصی ترقی کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ''خاور نامہ'' جو کہ اس دور کی مشہور نظم ہے وہ دراصل ایک فارسی نظم کا ترجمہ ہے۔ ملک خوشنود کی ''ہشت بہشت'' امیر خسرو کی فارسی نظم کا ترجمہ ہے۔ بیجاپور کے ہر دلعزیز شاعر نصرتی کی دو کتابیں ''علی نامہ'' اور ''گلشنِ عشق'' بھی ترجمے کی ذیل میں آتی ہیں۔ پاکستان کے قومی شاعر ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی شاہکار نظمیں بھی

غیر ملکی ادب سے اخذ شدہ ہیں۔ان نظموں میں ماں کا خواب، بچے کی دعا،ایک مکڑی اور مکھی،ایک گائے اور بکری،ایک پہاڑ اور گلہری، پیام صبح، عشق اور موت اور رخصتِ اے بزمِ جہاں شامل ہیں۔اُردو ترجمے پر مضمون لکھنے والوں میں ڈاکٹر مرزا حامد بیگ،ڈاکٹر عطش درانی،ڈاکٹر صوبیہ سلیم،ڈاکٹر عنوان چشتی،ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر معین الدین عقیل،ڈاکٹر حافظ صفوان محمد چوہان،ڈاکٹر خلیق انجم، شمس الرحمٰن فاروقی، محمد حسن عسکری، محمد صفدر رشید، ظ۔انصاری، حسن الدین احمد، پروفیسر ظہور الدین، پروفیسر محمد حسن، سجاد باقر رضوی، سہیل احمد، شان الحق حقی، مسکین حجازی، مولوی عبدالحق، محبوب خان بگٹی، مظفر علی سید، جیلانی کامران، ممتاز حسین، احتشام حسین، عبدالمجید سالک، سہیل خان اور انیس ناگی ہیں۔

ان مباحث سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اردو تراجم کی روایت کو مستحکم کرنے اور ترقی دینے میں اداروں کے ساتھ ساتھ مختلف ادبی شخصیات نے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔اُردو تراجم کے حوالے سے یہ بات خاصی غور طلب ہے کہ سہ ماہی ''ادبیات'' میں تراجم کا سلسلہ جاری وساری ہے اور یہ کام رکنے والا نہیں ہے۔دیکھنا بس یہ ہے کہ آج کے دور اور آنے دور میں ترجمے کے ادبی، معاشرتی، سماجی اور تمدنی اثرات کو کس طرح قبول کیا جائے گا۔

ترجمہ ایک مشکل فن ہے اور بذات خود ایک فنی کام ہے جو تخصیص چاہتا ہے ۔ اس فن میں مہارت، محنت اور مشق کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے ۔ اس فن میں جتنی زیادہ محنت کی جائے ترجمے کے معیارات میں اُس قدر اضافہ ہو گا۔ایک اور بات ہے کہ بعض ادیبوں کا خیال ہے کہ ادبیات کا ترجمہ ہو سکتا۔ہر زبان کی خصوصیات کے اپنے اپنے معیارات ہیں اور جب کسی بھی اصناف ادب کا ترجمہ کیا جائے تو اوصاف کے یہ معیارات اگلی زبان میں منتقل ہو جاتے ہیں۔

شعر کا منظوم ترجمہ تو تخلیقی قابلیت اور طبیعت کی موزونیت سے منسوب ہے، تنگنائے ترجمہ میں طبع آزمائی ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔اس لیے جب اس محدود اور مخصوص صنف کے مسائل کو بیان کیا جاتا ہے تو ظاہری بات ہے کہ روئے سخن ان مصائب کی جانب ہوتا ہے جو اس فن کو استعمال کرنے والے محسوس کرتے ہیں۔

اشعار کا ترجمہ کرنا کوئی عام بات نہیں ہے کیونکہ ترجمہ کرنے میں بعض عناصر خاص افادیت کے حامل ہوتے ہیں۔اِن عناصر میں سے تخیل اور اظہار خیال خاصے اہم ہیں۔ شاعر کے اظہارِ خیال کی دنیا محدود نہیں ہوتی ہے اور اظہار خیال کا طریقہ انتہائی اثر انگیز اور جاذب نظر ہوتا ہے۔ شاعر الفاظ کے چناؤ،اُن کے ربط،ان کی ترتیب اور ان کے معنوں کو کچھ اس طرح لڑی میں پروتا ہے کہ اس لڑی کی ترتیب میں اگر فرق آئے تو سارے شعر کی خوب صورتی ماند پڑ جاتی ہے۔ شعر کا موزوں کرنا ایک تخلیقی اور وجدانی عمل ہوتا ہے اور اسی کو اثر کہتے ہیں۔ بعض مفکرین کا خیال ہے کہ شعر میں خیال کو زیادہ اہمیت حاصل ہے اور بعض الفاظ کے پیکر کو ضروری سمجھتے ہیں۔ بہر حال یہ مترجمین کا کمالِ فن ہوتا ہے کہ وہ ترجمہ کرتے وقت ان دونوں باتوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔

ترجمے کی روایت کے جائزے کے اختتام کے بعد چند معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں۔اُردو میں ترجمے کی روایت کافی مستحکم ہے اور یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔اس میں مزید بہتری پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ تراجم کی روایت کو زیادہ جاندار بنانے کے لیے اہلِ علم اور دانشور طبقے کی خدمات حاصل کی جائیں۔اس حوالے سے ایران،ہندوستان اور یوگوسلاویا کے تجربات سے سبق حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ترجمے کا یہ کام صرف حوالہ جاتی اور درسی کتابوں تک ہی محدود نہیں ہونا چاہیے بلکہ بچوں کی کتابوں سے لے کر شاہکار کتب اور عام مطالعہ کی کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کروایا جائے تا کہ عام قاری سے لے کر ادباء اور دانشور طبقہ بھی ان تراجم سے مستفید ہو سکے۔اس کارِ خیر میں اگر اشاعتی ادارے بھی پوری دلجمعی کے ساتھ شامل ہو جائیں تو یہ کام اپنے دور رس نتائج حاصل کر سکتا ہے۔

ii. سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے اُردو تراجم:

ترجمہ کاری ایک ایسا فن ہے جس میں کسی ایک زبان کے متن کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔بظاہر آسان دکھائی دینے والا یہ کام انتہائی پیچیدہ اور مشکل ہے کیونکہ ہر قوم اور ہر علاقے کے رہن سہن، تہذیب و ثقافت، طرزِ معاشرت، بود و باش، عادات و خصائل اور رسم و رواج میں زمین و آسمان

کا فرق ہوتا ہے۔ ترجمہ کرتے وقت یہ تفاوت مدِ نظر رکھنی پڑتی ہے۔ ہر علاقے کے ہر طبقے کے لوگوں کی بولیوں، لہجوں کی واقفیت کے ساتھ ساتھ اس علاقے میں استعمال ہونے والی اصطلاحوں جیسا کہ تلمیحات، تشبیہات اور استعاروں سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔ خصوصاً سماجی نظام سے واقفیت بہت ہی ضروری ہے۔ ترجمے کے ذریعے ہی زندگی کی صحیح رونق ہے۔ اگر دنیا ایک ''گلوبل ویلج'' ہے تو اس میں ترجمے کا بہت کردار ہے۔ تراجم کی بنا پر ہی انسانوں نے ایک دوسرے کو سمجھا، ایک دوسرے کے تہذیب و تمدن سے آگاہی حاصل کر کے تعلقات استوار کیے۔ آج اگر دنیا لانجا ئینیس، بقراط، ارسطو اور افلاطون کے کارناموں سے آگاہ ہے تو یہ ان تراجم کی ہی بدولت ہے۔ مسلمانوں کی بے مثال ترقی کے پیچھے بھی ان تراجم کا ہی ہاتھ ہے۔ اہلِ مغرب بھی تراجم کے بل بوتے پر دنیا پر چھائے ہوئے ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی کی پیش قدمی کے لیے سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' علمی و ادبی خدمت میں کوشاں ہے۔

ادب کسی بھی معاشرے کا عکاس ہوتا ہے۔ اگر معاشرے کو جدید خطوط پر اُستوار کرنا ہے تو اس کے لیے اپنے ملک کے ہر طبقے کے ادب اور بین الاقوامی ادب سے واقفیت ضروری ہے اور یہ آگاہی یقیناً ترجمے کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔ اس موضوع پر ڈاکٹر قاسم بگھیو یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

> ''یہ سوال کہ ادب کا معاشرے میں کیا کردار ہے، یا کیا کردار ہونا چاہیے بہت اہم ہے۔ ترقی یافتہ معاشروں نے اس سوال پر بہت پہلے غور کرنا شروع کر دیا تھا اور انھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ کوئی معاشرہ اندرونی طور پر اس وقت تک مستحکم نہیں ہو سکتا، جب تک اس کے افراد کی تربیت بذریعہ ادب نہیں کی جاتی۔ چنانچہ انھوں نے ایسا نظامِ تعلیم وضع کیا جس میں ادب کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ترقی یافتہ معاشروں میں ایک اَچھی ادبی کتاب لاکھوں میں شائع ہوتی ہے جب کہ ہمارے ہاں زیادہ تر پانچ کی تعداد میں۔ اگر ہم نے اپنے معاشرے کو جدید خطوط پر اُستوار کرنا ہے تو ہمیں بھی اس سوال کو زیرِ غور لانا ہو گا اور اپنے آپ کو نہ صرف اپنی زبانوں کے ادب سے مل کر بلکہ بین الاقوامی ادب سے بھی جوڑے رکھنا ہو گا بصورتِ دیگر تنگ نظری اور بنیاد پرستی کی دیمک ہمیں اسی طرح کھوکھلا کرتی رہے گی۔''(۲۶)

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' چونکہ قومی یکجہتی کا خواہاں ہے، اس لیے اس مجلے میں تمام پاکستانی زبانوں جیسا کہ براہوی، بلوچی، پشتو، شنا، پوٹھوہاری، پنجابی، سرائیکی، سندھی، کشمیری، گوجری، بلتی اور ہندکو کے ممتاز لکھنے

والوں کی نگارشات کے تراجم شائع کیے جاتے ہیں۔ شعری اور نثری اصنافِ ادب مثلاً حمد، نعت، نظم، غزلیں، ہائیکو، افسانے، خودنوشت، لسانیات، ڈرامے، کہانیاں، مضمون، خط، کافیاں، داستانیں، قطعات، رباعیات، ماہیے، منقبت، دوہے، وائی اور گیت کے اُردو تراجم اس کے شماروں کی زینت بنتے ہیں۔ اس مجلے کے شماروں میں تمام پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کو خصوصی جگہ دی جاتی ہے۔ ڈاکٹر قاسم بگھیو اس حوالے سے یوں بیان کرتے ہیں:

> ''سہ ماہی ادبیات کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ ایسا ادب پیش کرے جو نہ صرف اُردو بلکہ تمام پاکستانی زبانوں کا نمائندہ اور یہاں کے بسنے والوں کی اجتماعی سوچ کا آئینہ دار ہو۔''(۲۷)

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا پہلا شمارہ جولائی تا ستمبر ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا۔ اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے تراجم سے صرف ایک پشتو افسانہ ''پھر وہی مشکل'' شائع ہوا۔ تحریر و ترجمہ عبد الکافی ادیب کی ہے۔ سندھی نظم ''بند کمرہ'' کے عنوان سے محسن بھوپالی کے ذریعے ترجمہ ہوئی۔ تخلیق تنویر عباسی کی ہے۔ بلتی ادب سے ''کیسر داستان'' شامل کی گئی۔ تخلیق و مترجم سید محمد عباس کاظمی ہیں۔

اس مجلے کا شمارہ نمبر ۲ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۷ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے تراجم سے ایک نثری اور ایک شعری صنف کی اشاعت ہوئی۔ نثری صنف میں ''افکار غزالی کے اثرات تصوف پر'' احمد محمد حسّی کی تخلیق کردہ ہے جس کا ترجمہ محمد اظہار الحق نے کیا ہے جبکہ شعری صنفِ سخن میں سچل سرمست کی کافی ہے جس کے مترجم آفاق صدیقی ہیں۔

شمارہ نمبر ۳ جنوری تا مارچ ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا۔ اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے ادب سے دو افسانے ''بھنگی'' اور ''سگنل'' کے نام سے ترجمہ کیے گئے۔ پہلے افسانے کے تخلیق کار نام بابوراؤ باگل ہے اور ترجمہ انور زاہدی نے کیا ہے۔ دوسرے افسانے کے لکھنے والے گارشن اور مترجم لطیف کاشمیری ہیں۔ اسی شمارے میں پاکستانی زبانوں کے تراجم سے تین نظموں کے ترجمے بھی شاملِ اشاعت ہوئے۔ پہلی نظم ''شاہ پری کا سیف الملوک سے خطاب'' میاں محمد بخش کی پنجابی تخلیق ہے جس کا ترجمہ شریف کنجاہی نے کیا ہے۔ دوسری نظم بھی پنجابی ہے جس کا نام ''تنِ سکھ چین'' ہے۔ تخلیق کار غلام حسین ساجد اور مترجم اختر کاظمی ہیں۔ تیسری ترجمہ ہونے والی نظم ''محبت کے سبب'' ہے۔ لکھاری تمہید الاسلام اور ترجمہ کاری کے فرائض صدیق کلیم نے دیئے ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا شمارہ نمبر ۴ اپریل تا جون ۱۹۸۸ء میں صفحہ قرطاس پر نمودار ہوا۔اس شمارے میں دو نظمیں،ایک کافی اور ایک پشتو لوک گیت پاکستانی زبانوں کے ادب سے شائع کیا گیا۔ پہلی نظم ''فاصلہ'' سندھی زبان سے ہے۔ تخلیق کار نامعلوم اور مترجم اعجاز راہی ہیں۔دوسری نظم ''اپنی یاد'' کا تعلق بھی سندھی زبان سے ہے۔اس کو عنایت بلوچ نے لکھا ہے اور نفیس احمد نے ترجمہ کیا ہے۔ایک سندھی کافی جو سچل سرمست نے تخلیق کی اور ترجمہ امیر بخاری کے قلم سے ہوا۔پشتو لوک گیت کے تخلیق کار نامعلوم جب کہ ترجمہ تاج سعید نے کیا ہے۔اُردو تراجم سے اور کوئی صنفِ سخن اس شمارے میں شائع نہیں کی گئی۔

شمارہ نمبر ۵۔۶ جولائی تا دسمبر ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا۔اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے تراجم سے ایک سفر نامہ،ایک افسانہ اور تین کافیاں شائع کی گئیں۔سفر نامے کا نام ''میرا سفر نامہ'' جو کہ غلام رسول نے لکھا ہے اور ترجمہ ممتاز عارف نے کیا ہے۔افسانہ ''جادو گر'' ممتاز حسین ممتاز کا تخلیق کردہ ہے اور مترجم عنایت اللہ فیضی ہیں۔کافیاں شاہ عبداللطیف رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ،صوفی دلپت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور بہاول رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی لکھی ہوئی ہیں اور ان سب کا ترجمہ امیر بخاری نے کیا ہے۔تمام شعری اور نثری اصنافِ سخن معیاری اور دلکشی سے بھرپور ہیں۔

شمارہ نمبر ۷ جنوری تا مارچ ۱۹۸۹ء کو منظرِ عام پر آیا۔اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے ایک افسانہ اور ایک ڈرامہ شاملِ اشاعت ہوا۔افسانے کا نام ''کلرک کی پہلی تاریخ'' جو کہ مانک کے قلم سے تخلیق ہوا جب کہ مترجم کے فرائض رضیہ طارق نے سرانجام دیئے۔ڈرامے کا نام ''پناہ'' ہے جس کو ایوب صابر نے تخلیق کیا ہے جب کہ قیوم مروّت اس کے مترجم ہیں۔اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے بہت کم اصنافِ سخن شائع کی گئیں۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا شمارہ نمبر ۸،۹ اپریل تا ستمبر ۱۹۸۹ء میں شائع کیا۔اس شمارے میں خوشحال خٹک کے لکھے گئے دوہوں کو تاج سعید نے ترجمہ کیا۔خواجہ غلام فرید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی لکھی گئی کافی شریف اشرف نے ترجمہ کی جب کہ ایک داستان ''سر کلیان داستان اوّل'' جس کے تخلیق کار شاہ لطیف بھٹائیؒ تھے اور اس کا ترجمہ امیر بخاری نے کیا۔پاکستانی زبانوں کے تراجم میں ان کے علاوہ اور کوئی صنفِ سخن اس شمارے کا حصہ نہیں بنی۔

شمارہ نمبر ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۹۹۱ء کو منظرِ عام پر آیا۔اس شمارے میں صرف امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی لکھی ہوئی رباعیات پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے ضمن میں شائع ہوئیں۔ مترجم کے فرائض صبا اکبر آبادی نے سرانجام دیئے۔

شمارہ نمبر ۱۶ کی اشاعت ۱۹۹۱ء کو ہوئی۔اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے کوئی بھی نثری اور شعری صنفِ سخن شائع نہیں ہوئی۔ شمارہ نمبر ۱۹ بہار ۱۹۹۲ء میں شائع کیا گیا۔اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں آٹھ بلوچی ادب کے افسانے اور ایک براہوی ادب کا افسانہ شامل کیا گیا۔

اس شمارے میں ۱۳ بلوچی زبان کی نظمیں، پشتو زبان کی دو نظمیں، براہوی زبان کی تین نظمیں، بلوچی زبان کی دو غزلیں پاکستانی زبانوں کے تراجم کا حصہ بنیں۔اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے ضمن میں کثیر تعداد میں بلوچی شعری اور نثری اصناف شائع کی گئیں۔

شمارہ نمبر ۲۲، سرما ۱۹۹۳ء میں شائع کیا گیا۔ یہ شمارہ پنجابی اور سرائیکی افسانوں کا خصوصی شمارہ ہے،اس لیے اس میں کثیر تعداد میں پنجابی اور سرائیکی افسانے شائع ہوئے۔اس شمارے میں ۶۴ پنجابی افسانے اور ۳ سرائیکی افسانے پاکستانی زبانوں کے تراجم سے شائع کیے گئے۔افسانوں کے علاوہ کوئی نثری اور شعری صنفِ سخن پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے ضمن میں اس شمارے کا حصہ نہیں ہے۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا شمارہ نمبر ۲۳، بہار ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا۔ ۶۴ افسانے پاکستانی ادب کے اردو تراجم اس شمارے کا حصہ بنے۔ پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے ان افسانوں کے علاوہ اور کوئی صنفِ سخن اس شمارے میں شائع نہیں کی گئی۔

شمارہ نمبر ۲۴، سندھی ادب پر مشتمل خصوصی تھا، جو کہ خزاں ۱۹۹۲ء میں شائع کیا گیا۔اس خصوصی شمارے میں ۲۸ سندھی افسانے، ۱۳ نظمیں اور ۲ غزلیں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے شائع کی گئیں۔اس شمارے میں اُردو تراجم سے ایاز گل کی ایک کافی شامل ہے جس کا ترجمہ آفاق صدیقی نے کیا ہے۔اس کے علاوہ اور کوئی صنفِ سخن پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے اس شمارے میں شامل نہیں۔

شمارہ نمبر ۲۶ میں ۲۸ افسانے، ۲۷ پشتو، ۳ کھوار، ۹ ہندکو اور ۴ سرائیکی، نثری اور شعری اصناف پر مشتمل خصوصی شمارہ بہار ۱۹۹۴ء میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں شائع ہوا۔ لسانیات کے موضوع پر ڈاکٹر حیدر سندھی کا تخلیق کردہ مضمون کا اُردو ترجمہ ''ہندکو خطہ سندھ کی قدیم زبان'' کے نام سے امتیاز حسین امتیاز نے

کیا۔ تنقید و تحقیق پر ایک مضمون ''پشتو افسانہ نئی تحقیق (۱۹۷۸ء۔۱۹۸۸ء)'' کے تخلیق کردہ عبدالرؤف عارف ہیں جب کہ مترجم محمد زبیر حسرت ہیں۔ پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے اور کوئی صنفِ سخن اس شمارے کا حصہ نہیں ہے۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا شمارہ نمبر ۲۷۔۲۸۔۲۹۔۳۰ گرما، خزاں، بہار، سرما ۱۹۹۴ء میں شائع کیا گیا۔ اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے ۱۶ افسانے اور ۹ نظمیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی شعری اور نثری صنف پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے ضمن میں اس شمارے میں شائع نہیں ہوئی۔

شمارہ نمبر ۳۵ تا ۴۶ چونکہ اس مجلے کے بین الاقوامی ادب پر مشتمل ہیں۔ اس لیے ان شماروں میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے کوئی نثری اور شعری صنفِ سخن شائع نہیں ہوئی۔

شمارہ نمبر ۴۷ خصوصی شمارہ ''شیخ ایاز کی یاد میں'' بہار ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ اس شمارے میں ۱۷ مضامین ۲۱ نظمیں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے شائع ہوئی۔ اس شمارے میں شیخ ایاز کے بارے میں کافی اصنافِ ادب شائع کی گئیں۔

شمارہ نمبر ۴۸۔۴۹۔۵۰ گرما، خزاں، بہار ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے کوئی صنفِ سخن شائع نہیں ہوئی۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا شمارہ نمبر ۵۳، خزاں، ۲۰۰۰ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے جن شعری اور نثری اصناف شامل کی گئیں۔ ان میں ۷ نظمیں جبکہ ۳ نثری تراجم پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم شامل ہیں۔

شمارہ نمبر ۵۴، ۲۰۰۱ء میں تخلیق ہوا۔ اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے جو اصنافِ ادب شاملِ اشاعت ہوئیں، ان میں حمد، نعت، منقبت، علمائے کرام، کافیاں اور سمو بیلی مست شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی صنفِ سخن پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے اس شمارے میں شائع نہیں کی گئی۔

شمارہ نمبر ۵۵، ۲۰۰۱ء میں تخلیق ہوا۔ اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے جو اصنافِ ادب شاملِ اشاعت ہوئیں، ان میں ۶ غزلیں، ۲ نظمیں اور ۲ افسانے شامل ہیں۔ ادب کی یہ تمام اصناف ادبی معیارات پر پورا اُترتی ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا شمارہ نمبر ۵۶، ۲۰۰۱ء میں شائع کیا گیا۔اس شمارے میں جن اصنافِ سخن کو پاکستانی ادب کے تراجم میں شائع کیا گیا، ان میں ایک سندھی کہانی، ایک سندھی نظم اور ایک سرائیکی کلام شامل ہے۔

شمارہ نمبر ۵۷ کی اشاعت ۲۰۰۲ء کو ہوئی۔اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے ادب سے سندھی افسانہ ''سنگ تراش کی دنیا'' شائع کیا گیا۔افسانہ نگار مظہر ابڑو اور مترجم شاہد حنائی ہیں۔ایک بروشسکی لوک کہانی ''لاوارث''، تحقیق و ترجمہ اِجلال حسین منصور نے کیا ہے۔ایک سرائیکی نظم ''تنہائی'' جس کے تخلیق کار حسن رضا گردیزی اور مترجم حسین سحر ہیں۔اس کے علاوہ اور کوئی صنفِ سخن اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے متعلقہ نہیں۔

شمارہ نمبر ۵۸، ۲۰۰۲ء کو منظرِ عام پر آیا۔اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے ادب سے ۲ نظمیں ترجمہ کر کے شائع کی گئیں۔ان دو نظموں کے علاوہ اس شمارے میں کوئی اور نثری اور شعری صنفِ ادب اُردو تراجم سے تعلق نہیں رکھتی۔

شمارہ نمبر ۵۹۔۶۰ کی اشاعت ۲۰۰۲ء میں ہوئی۔اس خصوصی شمارے کا نام چونکہ ''انتخاب خواتین کا عالمی ادب'' ہے،اس لیے اس شمارے میں کوئی صنفِ سخن پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے تعلق نہیں رکھتی۔

شمارہ نمبر ۶۳۔۶۴، ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔یہ شمارہ ''سارک ممالک منتخب تخلیقی ادب'' کے نام سے تخلیق کیا گیا۔اس شمارے میں سارک ممالک کی اصنافِ ادب کو صفحہ قرطاس پر بکھیرا گیا۔پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے سے ۱۵ افسانے اور شاعری میں ایک ماہیا، دو غزلیں اور دو نظمیں اس شمارے میں شائع کی گئیں۔ان اصناف کے علاوہ اس شمارے میں کوئی اور صنف ادب پاکستانی زبانوں کے تراجم سے تعلق نہیں رکھتی۔

شمارہ نمبر ۷۰ کی اشاعت ۲۰۰۶ء میں ہوئی۔اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے ایک نظم اور ایک سندھی کہانی شامل کی گئی۔پنجابی نظم فیض احمد فیض کی تخلیق کردہ ہے جس کے مترجم ماجد صدیقی ہیں۔جب کہ سندھی کہانی ''سوزن''، کلیم لاشاری نے لکھی ہے اور ترجمہ شاہد حنائی نے تحریر کیا ہے۔اس کے علاوہ اور کوئی نثری اور شعری صنف پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے تعلق نہیں رکھتی۔

شمارہ نمبر ۷۳ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء میں شائع کیا گیا۔ یہ شمارہ احمد ندیم قاسمی کی شعری اور نثری خدمات پر مشتمل خصوصی شمارہ ہے۔ پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے اس شمارے میں کوئی صنفِ سخن شامل نہیں۔

شمارہ نمبر ۷۷۔۷۸ اکتوبر تا مارچ ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔ اس شمارے کا نام ''نثری نظم: خصوصی شمارہ'' ہے۔ اس شمارے میں پاکستانی زبانوں اور عالمی ادب سے نثری نظموں کو یکجا کیا گیا ہے۔ پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے ۴ پوٹھوہاری، ۳ براہوی، ۶ بلوچی، ۳ پشتو، ۲۱ سندھی، ۱۱ پنجابی اور ۱۰ انگریزی نثری نظموں کو شامل کیا گیا۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا شمارہ نمبر ۷۹۔۸۰ اپریل تا ستمبر ۲۰۰۸ء میں شائع کیا گیا۔ یہ خصوصی شمارہ ''دارالحکومت سے دور اہل قلم نمبر'' ہے۔ پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے ۳۲ نظمیں اور ۱۲ افسانے اس شمارے میں شامل ہیں۔ اس شمارے میں ان اصنافِ ادب کے علاوہ اور کوئی صنفِ سخن پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے تعلق نہیں رکھتی۔

شمارہ نمبر ۸۱، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔ یہ خصوصی شمارہ ''احمد فراز نمبر'' ہے۔ پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے کوئی صنفِ سخن اس شمارے میں شائع نہیں ہوئی۔

شمارہ نمبر ۸۲، جو کہ ''فیض احمد فیض نمبر'' خصوصی شمارہ ہے، جنوری مارچ ۲۰۰۹ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے متعلقہ کوئی شعری اور نثری صنف شائع نہیں کی گئی۔

شمارہ نمبر ۸۳۔۸۴ اپریل تا ستمبر ۲۰۰۹ء میں تخلیق ہوا۔ یہ ''منیر نیازی'' خصوصی نمبر ہے۔ پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے اس شمارے میں کوئی صنفِ سخن شائع نہیں ہوئی۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا شمارہ نمبر ۸۵۔۸۶ ''امرتا پریتم نمبر'' خصوصی شمارہ ہے۔ پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے ضمن میں کوئی صنفِ سخن اس شمارے میں شامل نہیں۔

''جوش ملیح آبادی نمبر'' خصوصی شمارہ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا ستائیسواں شمارہ ہے جو اپریل تا جون ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا۔ پاکستانی زبان و ادب سے کوئی نثری اور شعری صنف اس شمارے کا حصہ نہیں ہے۔

شمارہ نمبر ۸۸۔۸۹ جولائی تا دسمبر ۲۰۱۰ء میں منظرِ عام پر آیا۔ یہ شمارہ ''پرواسی ادب'' پر مشتمل خصوصی نمبر ہے، جس میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے کوئی صنفِ سخن شامل نہیں۔

شمارہ نمبر ۹۰۔۹۱ جنوری تا جون ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔

شمارہ نمبر ۹۲۔۹۳ جولائی تا دسمبر ۲۰۱۱ء میں تخلیق ہوا۔ یہ شمارہ ''بچوں کا ادب نمبر'' خصوصی ہے جس میں عالمی ادب سے اصنافِ ادب یکجا کی گئی ہیں۔ پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے کوئی شعری اور نثری صنف شائع نہیں ہوئی۔

شمارہ نمبر ۹۴۔۹۵ جنوری تا جون ۲۰۱۲ء میں تخلیق ہوا۔ اس کا نام ''بچوں کا ادب نمبر'' خصوصی شمارہ ہے۔ اس شمارے کے بارے عبدالحمید یوں رقمطراز ہیں:

''موجودہ خصوصی شمارے میں پاکستانی زبانوں میں بچوں کے بارے میں لکھے گئے ادب سے محتاط انتخاب پیش کیا جارہا ہے۔ اُردو میں بچوں کے لیے لکھی جانے والی تمام منظوم تحریریں طبع زاد ہیں جبکہ بلوچی، پشتو، سندھی، براہوی، ہندکو، پنجابی، سرائیکی اور پوٹھوہاری زبانوں میں بچوں کے لیے لکھی گئی منظومات کے اُردو تراجم شامل کیے گئے ہیں۔ ماضی میں جو لکھا گیا اس میں سے انتخاب کرنے کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے ممتاز اہل قلم سے بھی خصوصی طور پر بچوں کے لیے نگارشات حاصل کی گئی ہیں۔''(۲۸)

پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے ۶۹ نظمیں اس شمارے کا حصہ بنیں۔

شمارہ نمبر ۹۶، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۲ء میں شائع کیا گیا۔ یہ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا عام شمارہ ہے جو کہ مسلسل خصوصی شماروں کی اشاعت کی وجہ سے پانچ سال کے بعد شائع کیا گیا۔ نگران عبدالحمید اس کے اداریے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

''ادبیات کے موجودہ شمارے میں کوشش کی گئی ہے کہ اس میں تمام پاکستانی زبانوں میں لکھے جانے والے ادب کی نمائندگی ہو۔ ممتاز اہل قلم سے خصوصی طور پر نگارشات حاصل کی گئی ہیں۔''(۲۹)

اس شمارے میں جو اصنافِ ادب پاکستانی زبانوں کے ادب سے تعلق رکھتی ہیں، ان میں ۴ افسانے اور ۱۶ نظمیں شامل ہیں۔

شمارہ نمبر ۹۷، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا۔ اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے ادب کے اُردو تراجم سے ۵ افسانے اور ۴ سندھی اور ۲ بلوچی نظمیں جبکہ براہوی، پشتو اور ہندکو کی ایک ایک نظم شائع کی گئیں۔

شمارہ نمبر ۹۸، جنوری تا مارچ ۲۰۱۳ء کو تخلیق ہوا۔اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے ۱۵افسانے اور ۱۱ نظمیں شائع کی گئیں۔

شمارہ نمبر ۹۹،اپریل۔جون ۲۰۱۳ء میں شائع کیا گیا۔اس شمارے جو اصنافِ ادب پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے تعلق رکھتی ہیں،ان میں ایک ڈرامہ،۳۸ کہانیاں شامل ہیں۔

شمارہ نمبر ۱۰۰، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۳ء کو تخلیق ہوا۔اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کی جن اصناف کو شامل کیا گیا ہے ان میں ۱۶افسانے اور ۱۳ نظمیں شامل ہیں۔

شمارہ نمبر ۱۰۱، جنوری تا جون ۲۰۱۴ء میں تخلیق ہوا۔یہ شمارہ اُردو اور پاکستانی زبانوں پر مشتمل نعتوں کا ''نعت نمبر'' خصوصی شمارہ ہے۔پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے جن نعتوں کو شامل کیا گیا ان میں ۴ براہوی نعتیں، ۴ بلوچی نعتیں، ۱۱ پشتو نعتیں، ۴ پنجابی نعتیں، ۵ سرائیکی نعتیں، ۶ سندھی نعتیں، ۴ گوجری نعتیں اور ۴ ہندکو نعتیں شامل ہیں۔

شمارہ نمبر ۱۰۲، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۴ء میں تخلیق ہوا۔اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے جو اصناف ادب شائع ہوئیں، اُن میں ۱۵ افسانے اور ۱۹ نظمیں شامل ہیں۔

شمارہ نمبر ۱۰۳، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۴ء میں تخلیق ہوا۔اس شمارے میں جو اصنافِ ادب پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے تحت اس شمارے کا حصہ بنیں، ان میں ۱۶ افسانے اور ۱۶ نظمیں شامل ہیں۔

شمارہ نمبر ۱۰۴، جنوری تا مارچ ۲۰۱۵ء میں تخلیق ہوا۔یہ شمارہ ''الطاف حسین حالی نمبر'' خصوصی شمارہ ہے۔اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے کوئی صنفِ سخن شائع نہیں کی گئی۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا شمارہ نمبر ۱۰۸، جنوری تا جون ۲۰۱۶ء میں اشاعت پذیر ہوا۔اس شمارے میں احمد ندیم قاسمی کی شعری اور نثری اصنافِ سخن کو یکجا کر کے ''احمد ندیم قاسمی نمبر'' کا نام دیا گیا ہے۔

یہ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا خصوصی شمارہ ہے جس میں ایک مضمون ''وارث شاہ کا کمالِ فن'' اور ایک نظم ''کھواب کیا کریں'' پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے تعلق رکھتی ہیں۔ مضمون ''وارث شاہ کا کمالِ فن'' احمد ندیم قاسمی کا تخلیق کردہ پنجابی زبان میں ہے اور اس کا اُردو ترجمہ سعدیہ سمن نے کیا ہے۔ نظم ''کھو اب کیا کریں'' بھی احمد ندیم قاسمی کی تخلیق ہے اور اس کے مترجم زاہد حسن ہیں۔اس کے علاوہ اس شمارے میں اور کوئی صنفِ سخن پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے تعلق نہیں رکھتی۔

شمارہ نمبر ۱۰۵، اپریل تا جون ۲۰۱۵ء، ایڈیٹر اختر رضا سلیمی کی رہنمائی میں شائع کیا گیا۔ اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے شائع ہونے والی اصنافِ ادب میں ۱۴فسانے اور ۱۶ نظمیں شامل ہیں۔

سہ ماہی ''ادبیات'' کا شمارہ نمبر ۱۰۶، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۵ء میں تخلیق ہوا۔ پاکستانی زبانوں کے تراجم سے اس شمارے میں ۱۹فسانے اور ۹ نظمیں شائع کی گئیں۔

شمارہ نمبر ۱۰۷، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۵ء میں شائع ہوا۔ ۱۲فسانے اور ۱۱ نظمیں اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے ادب سے تعلق رکھتی ہیں۔

شمارہ نمبر ۱۰۹، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۶ء میں شائع کیا گیا۔ اس شمارے میں جن اصنافِ ادب کو پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے شائع کیا گیا۔ ان میں ۱۱۹فسانے اور ۲۸ نظمیں شامل ہیں۔

شمارہ نمبر ۱۱۰، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۶ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے شائع ہونے والی اصنافِ ادب میں ۱۰افسانے اور ۱۶ نظمیں شامل ہیں۔

شمارہ نمبر ۱۱۱۔ ۱۱۲، جنوری تا جون ۲۰۱۷ء میں تخلیق ہوا۔ اس شمارے کو ''انتظار حسین خصوصی نمبر'' کے طور پر شائع کیا گیا۔ اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے چار مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ ان مضامین کے علاوہ اور کوئی صنفِ سخن اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے تعلق نہیں رکھتی۔

شمارہ نمبر ۱۱۳، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۷ء میں تخلیق ہوا۔ اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے جو نگارشات شائع کی گئیں، ان میں ۷ نظمیں، ۵ افسانے اور ۴ گوجر لوک کہانیاں شامل ہیں۔ اس شمارے میں صرف یہی اصنافِ ادب پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے حوالے سے شائع کی گئیں۔

خصوصی شمارہ ''ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نمبر'' سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا شمارہ نمبر ۱۱۴۔ ۱۱۵ کے تحت شائع ہوا۔ یہ شمارہ اکتوبر ۲۰۱۷ء تا مارچ ۲۰۱۸ء میں شائع ہوا۔ اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے ۱۲ سندھی مضامین کو اُردو زبان میں ترجمہ کر کے اس شمارے کی زینت بنایا گیا۔ ان مضامین کے علاوہ اور کوئی صنفِ سخن اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے تعلق نہیں رکھتی۔

شمارہ نمبر ۱۱۶۔۱۱۷ خصوصی شمارہ: عبداللہ حسین نمبر کے نام سے اپریل تا ستمبر ۲۰۱۸ میں تخلیق ہوا۔ چوں کہ اس شمارے میں عبداللہ حسین کے فن و شخصیت پر اصنافِ سخن ہیں، اس لیے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے کوئی نثری یا شعری صنف اس شمارے میں شائع نہیں کی گئی۔

شمارہ نمبر ۱۱۸، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۸ء میں شائع ہوا۔ اس شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے جو اصنافِ ادب شامل کی گئیں، ان میں ۱۰ نظمیں اور ۸ افسانے شامل ہیں۔ پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے اور کوئی صنفِ سخن اس شمارے میں شامل نہیں کی گئی۔

شمارہ نمبر ۱۱۹، ۲۰۱۹ء میں شائع ہوا۔ اس شمارے میں جو اصنافِ ادب پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے تعلق رکھتی ہیں، ان میں ۳ مضامین، ۱۰ افسانے اور ۶ نظمیں شامل کی گئی ہیں۔ (ادبیات کے سارے شماروں کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم کی تفصیل دیکھیے ضمیمہ جات میں)

سہ ماہی مجلہ "ادبیات" نے قومی یکجہتی کے فروغ میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ عام طور پر یکجہتی سے مراد متحد ہونا لیا جاتا ہے۔ یکجہتی ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے جزئیات کو کل میں تبدیل کیا جاتا ہے یعنی چھوٹی چھوٹی اکائیوں کو اکٹھا کر کے کل کی شکل دی جاتی ہے اور اس طرح یہ اکائیاں کل کا روپ دھار لیتی ہیں۔ یکجہتی سے مراد یہ بھی ہے کہ ملک کے مختلف حصوں اور گروہوں کی دلچسپیوں کو اس طرح یکجا کیا جائے کہ وہ ایک متحدہ نظام کی شکل اختیار کر لے اور اس متحدہ نظام کی خواہشات ان کی خواہشات بن جائیں۔ یکجہتی کی بنا پر ہی سالمیت وجود میں آتی ہے۔ مشترکہ مذہب، مشترکہ جغرافیائی حدود، مشترکہ زبان، مشترکہ نسل، مشترکہ روایات اور جمہوریت یکجہتی کے مشترکہ عناصر ہیں۔ قومی یکجہتی کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے ملک میں خوشحالی، امن کا قیام، باہمی تعاون، عوام کی بھلائی اور مضبوط انتظامیہ کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے اور اس طرح ملک کے بسنے لوگوں کا وقت اور دولت کا ضیاع محفوظ کیا جاتا ہے۔

اگر اس مجلے کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم کو تنقیدی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس کی نثری اور شعری اشاعتوں میں قومی یکجہتی کا فروغ دیکھا جا سکتا ہے۔ پاکستانی ادب کی یہ اشاعتیں ایک خوشحال معاشرے کے قیام کی عکاسی کرتی ہیں۔ اِن میں نہ تو نسلی اور لسانی اختلافات کو ہوا دی جاتی ہے اور نہ ہی کسی مخصوص طبقہ یا گروہ کے معاملات کو بڑھ چڑھ کر بیان کیا گیا ہے بلکہ اِن اصنافِ ادب کے تراجم کی اشاعتیں معاشرتی عدل و

انصاف، اسلامی تعلیمات کا فروغ، یکساں حقوق کی فراہمی، جمہوری قدروں کا فروغ اور قومی یکجہتی اور اتحاد کا مظہر ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' اس اعتبار سے نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ اس نے تمام پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کو اپنے شماروں میں شامل کر کے ایک طرف قومی یکجہتی کا ثبوت دیا ہے اور دوسری جانب اِن تمام زبانوں کے موضوعات کو یکجا کرنے کی ایک اہم ذمہ داری نبھاہی ہے۔ اس مجلے کا بنیادی مقصد پاکستانی زبانوں کے ادب کے فروغ میں حصہ ڈالنا اور اس ملک میں بولی جانے والی اہم زبانوں (پنجابی، براہوی، بلوچی، سندھی، چھاچھی، کشمیری، شنا، پشتو اور گوجری) کے اُردو تراجم کو شائع کروانا تاکہ ان زبانوں میں ادب کا جو وسیع سرمایہ موجود ہے، اس کو سامنے لا کر اس کے مطالعے کی روایت کو قائم کیا جا سکے۔ پاکستان میں یہ سب زبانیں بولی جاتی ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہوئے بھی ہمارے لیے اجنبی نہیں ہیں کیونکہ ان سب کا تعلق پاکستان سے ہے۔ ان سب زبانوں اور ان کے ادب میں اتنے مشترک عناصر موجود ہیں کہ انہیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستانی ادب کا سماجی، روحانی اور جغرافیائی پسِ منظر ایک ہے۔ اس ادب کو تخلیق کرنے والوں نے ایک ہی سرچشمہ فیض سے اثر قبول کیا ہے اور بلاشبہ یہ سرچشمہ فیض اسلام ہے۔

قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے لیے اس قسم کی ادبی کاوش کی ضرورت و اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس ملک کے دیگر رسالوں میں اب تک کوئی ایسی کوشش دیکھنے میں نہیں آئی کہ اُنھوں نے اِن پاکستانی زبانوں کی بہتر افہام و تفہیم پیدا کرنے کے لیے کوئی اہم کام کیا ہو۔ دوسرے جریدوں نے زیادہ تر ایک حد میں رہتے ہوئے شعری اور نثری اصنافِ ادب کو شائع کروانے کا اہتمام کروایا ہے جبکہ اس مجلے نے اپنی حدود کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے اس کا دائرہ تمام پاکستانی زبانوں تک کیا ہے اور تمام پاکستانی زبانوں کی علمی و ادبی خدمات کو دنیا کے سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ وطنِ عزیز میں بولی جانے والی تمام زبانیں اس ملک کے مکینوں کی ہیں اس لیے یہ سب ہماری تہذیب و ثقافت کی پہچان ہیں۔

ہم اپنے خیالات کا اظہار زبان کے ذریعے اس لیے کرتے ہیں کہ زبان انسانی جذبات کے اظہار کا ایک مؤثر اور قدرتی ذریعہ ہے۔ اس سے ہم اپنے احساسات اور خیالات دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ کسی بھی زبان کی موجودہ شکل ایک طویل شعوری اور مسلسل محنت کا نتیجہ ہے۔ ابتداء میں انسان مہمل آوازوں کے سہارے اپنے

جذبات اور احساسات دوسروں تک پہنچاتا تھا۔آہستہ آہستہ ان آوازوں نے مختلف الفاظ کی شکل اختیار کی۔اس طرح الفاظ اور ان کے استعمال سے زبان ایک اہم ذریعہ اظہار بنی۔انسان نے ابتداء میں ہی زبان کو اپنی اندرونی کیفیات کے اظہار کے لیے استعمال کیا، لیکن بعد میں معاشرتی، معاشی، طبعی،اور مذہبی ضرورتوں کے پیشِ نظر اس میں تبدیلیاں آتی رہیں۔یوں ہر علاقے اور ہر معاشرے کی زبان اپنے اپنے مخصوص انداز اختیار کرتی گئی۔اس طرح مختلف زبانیں اور بولیاں پیدا ہوئیں۔

معاشی ضرورتوں اور انسان کے شعوری اور لاشعوری محسوسات میں تنوع کے ساتھ ساتھ زبان کے استعمال میں وسعت آتی گئی اور الفاظ مؤثر ہونے لگے . زبان کے ارتقا میں اس مرحلے پر ادب نے جنم لیا۔ادب میں اگر علاقائی ترجمانی ہو تو یہی ادب ''لوک ادب'' کہلاتا ہے۔اس قسم کے ادب سے اس خطے کے بولنے والوں کے مزاج، ثقافتی پسِ منظر اور احساسات کی ترجمانی ہوتی ہے۔جب اس قسم کا ادب اظہار کا مؤثر وسیلہ بن جاتا ہے اور زبانوں کے ذخیرہ الفاظ میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے تو معاشرہ شعوری اور لاشعوری کی کیفیات کے اظہار کے لیے معیاری اور ادب تخلیق کرتا ہے۔کوئی زبان جتنی زیادہ قدیم ہو گی،اس میں ذخیرہ الفاظ اتنے ہی زیادہ ہوں گے اور وہ وہاں کے ادب کے حوالے سے اپنے معاشرے کی نمائندگی کی صلاحیت رکھتی ہو گی۔

پاکستان ایک ایسے خطہ زمین پر واقع ہے جہاں سے کئی قسم کے تہذیبی ورثے ملے ہیں جو اپنی ترکیب اور معاشرتی اقدار کے لحاظ سے مختلف صنف ہائے ادب کے مالک ہیں۔آریا جو زبان بولتے تھے وہ آریا کہلاتی تھی اور آج اس کی مختلف شاخیں ایران ،افغانستان، بھارت اور پاکستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ مثلاً پنجابی، گجراتی، سندھی، کشمیری،آسامی، نیپالی،آریا کی ہندوستانی زبانیں ہیں۔کوہستانی، فارسی ،بلوچی اور پشتو ان کی ایرانی زبانیں ہیں۔ مشترکہ نسل اور قریبی زبانوں کے باوجود پاکستان ،بھارت ،ایران اور افغانستان کے باشندوں کے مزاج ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ پاکستان کی قومی زبان اردو ہے۔اس کے علاوہ اہم پاکستانی زبانیں سندھی، پنجابی، بلوچی، پشتو، کشمیری، براہوی اور سرائیکی وغیرہ بولی جاتی ہیں۔اور ان کی یونیورسٹی کی سطح تک تعلیم دی جاتی ہے۔ مختلف زبانیں بولنے کے باوجود پاکستان کے لوگ جہاں ایک مذہب کی لڑی میں پروے ہوئے ہیں، وہاں ان میں ایک رشتہ زبان کا بھی ہے۔زبان کا یہ رشتہ باہمی انحصار اور زبانوں کے اختلاط سے پیدا ہوا جسے اردو کے نام سے جانا جاتا ہے۔

صوبہ بلوچستان میں بلوچی زبان بولی جاتی ہے۔یہ صوبہ رقبے کے اعتبار سے سب سے بڑا صوبہ ہے۔بلوچ عوام کی نسبت سے اس کو بلوچی کہا جاتا ہے۔اس زبان کا آغاز بحیرہ کیسپئین کے جنوب مشرقی حصے کے ساحل سے ہوا۔کُردی زبان کا آغاز بھی یہیں سے ہوا۔ ۵۵۰ قبل مسیح وسیلہِ اظہار کی حیثیت سے بلوچی زبان کی ابتدا ہوئی۔ماہرین لسانیات کے مطابق یہ زبان، زبانوں کے ہند ایرانی خاندان سے تعلق رکھتی ہے جس کا تعلق انڈویورپئین خاندان کی ایک شاخ سے ہے۔اس کے ماخذات کے بارے میں مختلف آرا سامنے آتی ہیں۔ کبھی فارسی زبان کو اس کا ماخذ ٹھہرایا گیا اور کبھی عربی زبان کو۔ کبھی اس کی نسبت پہلوی زبان سے جوڑی جاتی ہے اور کبھی اس کا تعلق وسطی فارسی یا مغربی ایرانی سلسلے کی زبان سے جوڑا گیا۔ان سب متضاد نظریات و خیالات کے برعکس بلوچی زبان اپنی صرفی و نحوی اور صوتی خصوصیات کے حوالے سے ایک انفرادی اہمیت کی حامل تصور کی جاتی ہے۔ بلوچی ،فارسی کے قریب تر ہے، لہذا دونوں زبانوں کی خصوصیات بھی مشترک ہیں۔بلوچی میں کلاسیکی شاعری، بالخصوص رزمیہ شاعری کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔اس کی شاعری کے اپنے انداز ہیں۔لوک ادب کی بھی کثرت ہے۔

اُردو اور بلوچی کے آپس میں گہرے تعلقات ہیں کیونکہ دونوں آریائی خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔بلوچی زبان آریائی زبانوں کی ہند آریائی ایرانی شاخ سے تعلق رکھتی ہے جبکہ اُردو کا تعلق آریائی زبانوں کی دوسری شاخ ہند آریائی سے ہے۔بلوچی زبان کی شاعری میں نظم کی تمام اقسام کے نمونے وافر مقدار میں موجود ہیں اور اسی طرح نثر میں بھی نثری اصنافِ ادب کی اصناف مل سکتی ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' میں بلوچی اصنافِ سخن کی اکثر اصناف کے تراجم شائع کیے ہیں۔ نظموں اور افسانوں کے ضمن میں تو یہ تعداد خاصی زیادہ ہے۔بلوچی زبان کے جن شاعروں کے تراجم اس مجلے کی زینت بنے اُن میں جام درک، مست توکلی، جوانسال بگٹی، میر گل خان نصیر، سید ظہور شاہ ہاشمی، عطا شاد، اکبر بارکزئی، بشیر بیدادا ور اللہ بشک بزدار وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔اسی طرح جن نثر نگاروں کے تراجم اس مجلے میں شائع ہوئے اُن میں سید ظہور ہاشمی، آزاد جمالدینی، عبداللہ جان جمالدینی، اکبر بارکزئی، گل خان نصیر، ڈاکٹر نعمت اللہ گچکی، عطا شاد، منیر بادینی، مٹھا خان مری، غوث بخش صابر اور صباد شتیاری شامل ہیں۔

سندھی زبان کا بھی اُردو سے گہرا تعلق ہے۔اس کی نثری اور شعری اصنافِ سخن کے کثیر تراجم سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے شماروں میں شائع ہوتے رہے۔سندھی زبان، سنسکرت کی ایک شاخ ہے جس نے طویل

ارتقائی سفر طے کر کے موجودہ سندھی زبان کی بنیاد ڈالی۔ سندھی اگرچہ ایک قدیم زبان ہے لیکن اس کی تشکیل کا ابتدائی زمانہ برہمن اور رائے خاندانوں کے ادوار حکومت کو قرار دیا جاتا ہے جو چھٹی صدی سے گیارہویں صدی تک پھیلا ہوا ہے۔اس زبان کی تشکیل میں عربی، فارسی اور انگریزی کا ایک اہم حصہ ہے۔ سندھی زبان اور اُردو زبان کے قدیم روابط ہیں۔

اُردو نشو و نما اور ارتقا کی منزلوں سے گذر کر جب عہدِ شباب میں وارد ہوئی تو خاص و عام میں مقبول ہو گئی اور دہلی کی گلیوں سے نکل کر اطراف و جوانب میں پھیل گئی کہ بول چال کی سطح پر سادہ، سہل اور لچکدار ہونے کے باعث ہر جگہ سمجھی جاسکتی تھی۔

سندھ میں اُردو شاعری کا آغاز اُس وقت شروع ہوا جو اس کا قدیم ترین عہد کہا جاتا ہے یعنی دکنی دور۔اسی زمانے میں دکن میں سلطان قلی قطب شاہ کی شاعری عروج پر تھی۔ تقریباً اُسی زمانہ میں بکھر (سندھ) میں میر فاضل بکھری اُردو شاعری کے پھول بکھیر رہے تھے۔ آہستہ آہستہ دونوں زبانوں کے روابط بڑھتے گئے اور سندھ اور کراچی کے شہر اُردو ادبیات کے مراکز بنے۔اسی طرح سندھ میں اُردو سندھی مشترک مشاعروں کا آغاز ہوا۔

سندھی زبان کی ترقی میں ایک اہم نام ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کا ہے۔اِن کی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے اس مجلے نے پورا خصوصی شمارہ شائع کیا اور اُردو تراجم کے حوالے سے کئی مضامین کے تراجم شائع کیے۔

اگر ہم اُردو اور سندھی کی صرف و نحو اور لغت کا مطالعہ کریں تو ہمیں کافی مقامات پر مشابہت نظر آئے گی۔ اس زبان کی تقریباً تمام نثری اور شعری اصنافِ اس مجلے کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم کا حصہ بنیں۔ وہ شاعر جن کے اُردو تراجم اس کے شماروں میں شائع ہوتے رہے اُن میں شیخ ایاز کا نام سرِفہرست ہے۔اس مجلے نے اُن کی شعری اور نثری اصناف پر مشتمل ایک خصوصی شمارہ ''شیخ ایاز کی یاد میں'' شائع کیا۔ اس کے علاوہ دیگر شاعروں میں عبدالکریم گدائی، امداد حسینی، تنویر عباسی، نارائن شیام، خیر النسا جعفری، محمد ابراہیم جویو، طالب المولیٰ، ادل سومرو، منصور ملک، ادل، مصطفیٰ ارباب، احمد خان مدہوش، حاجی مراد خان چانڈیو، سید مقبول حسین مقبول عابدی اور آکاش انصاری کے نام خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ نثری اصناف پر لکھنے والوں میں ایاز قادری،

غلام ربانی آگرو، مانک، نور الہدی شاہ، عبد الجبار جونیجو، ادل سومرو، اسحاق سمیجو، فضل الرحمن میمن، امر جلیل، انور شیخ، ڈاکٹر رسول چمن اور لیاقت رضوی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

پشتون قبیلے کی طرح اُن کی زبان بھی ایک پرانی زبان ہے۔ اس زبان کی ابتدا کے بارے میں کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا۔ کچھ مؤرخین اس کو سامی زبان گردانتے ہیں جبکہ کچھ اس کو آریائی زبان سمجھتے ہیں۔ جبکہ بعض محققین پشتو اور آریائی زبانوں کے مشترکہ الفاظ کی بنا پر اس کا رشتہ آریائی زبان سے جوڑتے ہیں۔ اس کا رسم الخط نسخ ہے اور یہ فارسی، عربی اور اُردو کی طرح دائیں سے بائیں لکھی جاتی ہے۔ اس کے کل حروفِ تہجی چوالیس ہیں۔

اُردو کے ساتھ پشتو زبان کے دوسری پاکستانی زبانوں کی طرح گہرا تعلق ہے اور یہ نسبت کئی سطحوں پر نمایاں ہے۔ اگر صرف ذخیرہ الفاظ کی بات کی جائے تو اِن دونوں زبانوں میں فارسی اور عربی زبانوں کے بہت سے الفاظ کی بہتات ہے۔ دراصل عربی ہماری مذہبی زبان ہے اور فارسی زبان اس خطہ میں دفتری زبان کے طور پر رائج رہی۔ چنانچہ فارسی اور عربی زبان کے اثرات نہ صرف اُردو زبان پر پڑے بلکہ پشتو بھی اِن اثرات سے محفوظ نہ رہی۔ اسی بنا پر دونوں زبانوں کے بہت سے الفاظ میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ پشتو اور اُردو کے صوتی نظام میں بھی کافی یکسانیت موجود ہے۔ پشتو اور اُردو کے قواعد اور گرامر میں بھی بعض جگہ مماثلت اور اشتراک ملتا ہے۔ یعنی پشتو اور اُردو میں تاریخی اور تہذیبی اعتبار سے گہری مشابہت پائی جاتی ہے اور لسانی لحاظ سے بھی دونوں آریائی زبانیں ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے شماروں میں پشتو زبان سے اُردو تراجم کی وافر تعداد موجود ہے۔ جن شاعروں کے کلام کے تراجم اس مجلے کا حصہ بنے اُن میں خوشحال خان خٹک، رحمان بابا، کاظم خان شیدا، احمد شاہ ابدالی، سید خیر محمد عارف، ایوب صابر، حمزہ شنواری، عبدالغنی خان، ہاشم بابر، رحمت شاہ سائل، مفلس درانی، سعید گوہر، افضل شوق، نذر شہاب، عنایت اللہ ضیا، اجمل خٹک، اسرار طوروی اور محمد نواز کی طرح کئی اور نامور شاعر شامل ہیں۔ نثری اصناف کے حوالے سے بھی اس مجلے میں کئی نثری اصناف کے تراجم شائع ہوتے رہے۔ جن پشتو نثر نگاروں کے تراجمس اس مجلے کا حصہ بنے اُن میں حافظ محمد ادریس، سید ولی خیال، حافظ محمد ابراہیم فانی، ڈاکٹر محمد ہمایوں ہما، پروفیسر محمود ایاز، استاد عبداللہ نوخاز، محمد جان عاطف، حسینہ گل، خوشحال خان

خٹک،امیر حمزہ شنواری، قمر راہی، شیریں یار یوسف زئی،ڈاکٹر نصیب سیماب،امیر عثمان،ابراہیم رومان، سید شکیل احمد نایاب،ایازاللہ ترکزے، محمد ارشد سلیم اور قیوم مروت وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

پنجابی زبان بھی لسانی اعتبار سے اُردو زبان سے یکسانیت رکھتی ہے۔یہ مماثلت ساخت، گرائمر اور الفاظ کے حوالے سے ہے۔حافظ محمود شیرانی کہتے ہیں: ''اُردواور پنجابی کی صرف کاڈول تمام تر ایک ہی منصوبہ کے زیر اثر تیار ہوا تھا۔''اس لیے دیگر زبانوں کے مقابلے میں پنجابی اُردو سے زیادہ قریب ہے۔سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے شماروں میں پنجابی کی اصنافِ سخن کثیر تعداد میں شائع ہو رہی ہیں۔منو بھائی، فخر زمان،افضل احسن رندھاوا، پیر فضل گجراتی،احمد سلیم، رفعت،اشد حسن رانا، نسرین انجم بھٹی،شائستہ حبیب، عائشہ اسلم، زمرد ملک، مقبول احمد، بابا فرید الدین مسعود گنج شکر، شاہ حسین، حضرت سلطان باہوؒ، بلھے شاہ، عرفان ملک، فضل شاہ، میاں محمد بخش، ہاشم شاہ،احمد یار جنجوعہ،استاد امن،اعزار احمد آدر، حنیف زاہد، شوکت تھانوی اور سلطان کھاروی پنجابی زبان کے وہ شاعر ہیں جن کے تراجم اس مجلے کے شماروں میں شائع ہوتے رہے۔

نثری اصناف میں جن نثر نگاروں کے اُردو تراجم اِس مجلے کا حصہ بنے اُن میں جوشوا فضل دین،اکبر لہوری، سجاد حیدر، ستنام محمود،اشفاق احمد، محمد آصف خان، عرش صدیقی،آغا اشرف،نواز،انور رفعت، فرخندہ لودھی، حسین شاہد، مرزا حامد بیگ، حنیف چودھری، شاہین ملک، غلام مصطفےٰ بسمل،کنول مشتاق، ناصر بلوچ، غلام علی چودھری،اقبال خالد، محمود احمد قاضی،اطہر جاوید،ملک شاہ سہوار علی ناصر اور احمد سعید ہمدانی وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

کشمیری زبان کے تراجم بھی سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' میں شائع ہوتے رہے۔یہ زبان کشمیر میں بولی جانے والی سب سے زیادہ زبان ہے۔اس وادی میں رہنے والے لوگ اس کو''کاشر'' اپنے وطن کو''کشیر'' کہتے ہیں۔ وادی کے مکینوں کو ''کاشر'' کہتے ہیں۔اس خطے میں جو لوگ پہاڑوں سے دور رہتے ہیں اُن کو''پاریوم''کانام دیا گیا ہے۔ محققین اس زبان کو پشاچہ زبان کی ترقی یافتہ شکل بھی قرار دیتے ہیں۔پشاچہ زبان کبھی دردستان یعنی گلگت اور اُس کے گردونواح کی زبان ہوا کرتی تھی جس کی شنااور بروشسکی سے کافی مماثلت ہے۔

کشمیری زبان اور اُردو زبان میں کافی اشتراکات پائے جاتے ہیں۔کشمیری لوگ اُردو زبان سے کافی لگاؤ رکھتے ہیں۔آزاد کشمیر میں ذریعہ تعلیم اُردو ہے اور سرکاری زبان بھی اُردو ہی ہے۔اس سرزمین میں اُردو کو بطورِ

مضمون پڑھایا جاتا ہے اور ہر کشمیری اُردو کو آسانی سے بول اور سمجھ سکتا ہے۔ دورِ قدیم سے دورِ جدید تک کشمیری شعرا اُردو میں شاعری کرتے آئے ہیں۔ انیسویں صدی کے وسط کے دو مشہور شاعر رسول میر اور محمود گامی کے ہاں ہمیں اُردو شاعری کے نمونے مل سکتے ہیں۔ کشمیری زبان میں ۱۹۴۳ء سے پہلے نثر بہت ہی کمیاب ہے۔اس سال سے پہلے کشمیری زبان میں نثر کی دو چار کتابیں ہی ملتی ہیں۔ آزاد کشمیر میں بھی نثر کی چند کتابیں شائع ہوئی ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' میں کشمیری زبان سے کچھ افسانے ترجمہ ہو کر اُردو زبان کا حصہ بنے ہیں۔ان افسانوں میں سپردِ خدا (از غلام حسن بٹ)، جگر کا حفقان (ڈاکٹر نیلوفر فرتاز نخوی)، چالاک چور۔۔۔ جاہل کسان (غلام حسن بٹ)، گاؤں کا اُستاد (غلام حسن بٹ) اور شریف چور (غلام حسن بٹ) وغیرہ شامل ہیں۔ان افسانوں کے علاوہ کسی قسم کی نثری یا شعری اصناف کے تراجم اس مجلے میں شائع نہیں ہوئے۔

وادی سندھ کی قدیم قوم دراوڑ کی زبان براہوی ہے۔ براہوی قبائل قدیم زمانے سے ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرتے رہے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کی مستقل سکونت نہ ہونے کے برابر ہے۔البتہ اس قبیلے کے لوگ سندھ، پنجاب اور بلوچستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ساراوان، جھالاواں، کیچ اور مکران کے علاقوں میں ان کی آبادی گنجان ہے۔ براہوی کے دو واضح لہجے ملتے ہیں۔ مشرقی لہجہ سندھی زبان کے قریب ترین ہے جبکہ مغربی لہجے پر بلوچی کے اثرات غالب ہیں۔ براہوی زبان کے اثرات قدیم ترین زبانوں سے ملتے ہیں مگر اٹھارہویں صدی عیسوی سے پہلے کوئی معیاری تخلیق موجود نہیں۔اس کے معیاری ادب کی ابتدا کے بعد جس ممتاز عالم اور شاعر کا ذکر ملتا ہے وہ ملک داد ہے۔اس کی تصانیف ''تحفہ العجائب'' کو معیاری مانا جاتا ہے۔اس کو ایک اہم ابتدائی تصنیف کی حیثیت حاصل ہے۔

براہوی لوک ادب کا خزانہ بہت وسیع ہے اس کی مشہور صنف ''لیلی مور'' ہے۔اٹھارہویں صدی میں انگریزوں کے خلاف تحریک میں تعلیم وتدریس کے لیے براہوی کو اپنایا گیا۔اور اس کے لیے پشتو رسم الخط سے مدد لی گئی۔اس دور میں علمی وادبی میدان میں نمایاں کام کیا گیا ہے۔اس دور میں کلام پاک کا براہوی ترجمہ ہوا اور دیگر موضوعات پر خاصہ کام ہوا اس غرض سے کوئٹہ میں ''براہوی'' اور جامعہ بلوچستان میں ''شعبہ براہوی'' قائم ہے جو براہوی زبان وادب کے لیے اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

براہوی زبان کی اصنافِ سخن کے اُردو تراجم بھی اِس مجلے میں شائع ہوتے رہے۔ جن شاعروں کے تراجم اس مجلے میں شائع ہوئے اُن کے اسمائے گرامی میں جوہر براہوی، ڈاکٹر عبدالرزاق صابر، غلام قادر بزدار، میر عبدالرحمن کرد، نادر قمبرانی، پیر محمد زبیرانی، وحید زبیر، منیر رئیسانی، عجب خان سائل، نوراحمد نظامی ملنگ، افضل مراد، غمخوار حیات وغیرہ شامل ہیں۔ نثری اصناف بھی براہوی ادب سے ترجمہ ہو کر اس مجلے کا حصہ بنتی رہی۔ براہوی ادب سے جو افسانے اس مجلے کے اُردو تراجم میں شامل ہوئے، اُن میں قطرہ (امیر الملک مینگل)، موت سے مک مکا (وحید زہیر)، لوکل بس (نیلم مومل) وغیرہ شامل ہیں۔ براہوی زبان کی دیگر نثری اصناف میں سے کوئی بھی صنف اس مجلے کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں شائع نہیں ہوئی۔

سرائیکی اصنافِ سخن کی کثیر تعداد اس مجلے کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں شائع ہوئیں۔ اس زبان کے مصنفین میں سید حفیظ اللہ گیلانی، مسرت کلانچوی، حمزہ حسن شیخ، شوکت مغل، عصمت اللہ شاہ، نسیم اختر، حفیظ خان اور سید نصیر شاہ وغیرہ شامل ہیں۔ جن شاعروں کے تراجم اس مجلے کے شماروں میں شائع کیے گئے اُن میں عبداللہ یزدانی، الطاف صفدر، سعید اختر، نصیر سرحد، حسن رضا گردیزی، دلشاد کلانچوی، نسیم اختر، یاور عظیم، ظہیر احمد، حمید الفت ملغانی، ڈاکٹر گل عباس اعوان، ڈاکٹر سید قاسم جلالی اور امان اللہ کاظم کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ اس زبان کے تراجم فنی اور موضوعاتی اعتبار سے اُردو زبان کی لسانی اور فکری خصوصیات کے حامل ہیں۔

ہندکو صوبہ خیبر پختونخوا کے علاوہ پنجاب کے کچھ علاقوں اور آزاد کشمیر میں بولی اور سمجھی جانے والی زبان ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق یہ زبان آریا قبیلے کی آمد سے پہلے بولی جاتی تھی جس کا زمانہ چھے ہزار سال قبل گزرا۔ اس زمانے کی مشہور زبانوں منڈا اور دراوڑی میں ہندکو کے نقوش ملتے ہیں۔ آریا جب جنوب مغربی ایشیاء میں آئے تو ان کو سلوک مقامی لوگوں کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ منڈا قوم ان سے چھپ کر موجودہ خیبر پختونخوا کے شمالی علاقوں میں آباد ہو گئی۔ یہ زبان دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر آباد لوگ بولتے اور سمجھتے ہیں۔ آج سے دو ہزار سال پرانا ایک کتبہ ٹیکسلا سے ملا ہے جس کی زبان آج کی ہندکو سے مماثلت رکھتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک پرانی زبان ہے۔ اس کے علاوہ خیبر پختونخوا کے مختلف علاقوں میں سرائیکی، چترالی، کوہستانی اور گوجری بھی بولی جاتی ہیں۔ ان زبانوں کے فروغ کے لیے کئی اکیڈمیاں بھی کام کر رہی ہیں جن میں گندھارا ہندکو پشاور اکیڈمی نمایاں ہے۔

ہندکو زبان ،اُردو زبان سے یکسانیت رکھنے والی زبان ہے۔اس زبان کے تراجم سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے شماروں میں تسلسل کے ساتھ شائع ہوتے رہے ہیں۔اس زبان کے جن شاعروں کی نعتوں کے تراجم اس مجلے کے شماروں میں شائع ہوئے،اُن میں احمد حسین مجاہد،ارشاد شاکر اعوان،پروفیسر بشیر احمد سوز اور سلطان سکون کے نام شامل ہیں۔

نظم اور غزل لکھنے والوں میں جن شاعروں کے تراجم کو اس مجلے کے شماروں میں شائع کیا گیا،اُن میں بشریٰ فرخ،مشتاق عاجز،آصف ثاقب،جعفر سید،محمد حنیف،فضل اکبر کمال،صوفی عبدالرشید اور احمد علی سائیں کے نام شامل ہیں۔ہندکو گیت کے تراجم بھی اس مجلے کے شماروں میں شائع ہوئے۔گیت لکھنے والے شاعروں میں ناصر علی سید،حسام حر اور ثریا بانو کے نام خاصے اہم ہیں۔اس زبان کے جن مصنفین کی نثری اصناف اس مجلے کے شماروں میں شائع ہوتی رہی اُن میں ،احمد حسین مجاہد،آصف ثاقب،عبدالوحید بسمل،امتیاز الحق امتیاز،بشیر احمد سوز اور انجم جاوید وغیرہ شامل ہیں اس زبان کے تراجم درمیانے درجے کے تراجم میں شمار کیے جاتے ہیں۔

پوٹھوہاری زبان،پوٹھوہار کے علاقے میں بولی جاتی ہے اور اُردو زبان سے کافی اشتراکات رکھتی ہے۔اس زبان کے جو افسانے اس مجلے کے پاکستانی ادب میں شائع ہوئے اُن میں لہریں(علی عدالت)،چھوٹے قد کی بڑی عورت(شیراز طاہر)،جونک(شیراز طاہر)،لمحے بُنتی اجرک(ڈاکٹر رشید نثار)،زخم حجم(شعیب خالق)،کتے(شیراز طاہر)،ایک چھوٹی سی بڑی کہانی(علی عدالت)،یادوں کا دریچہ(ارشد چہال)،نمرود کی آنکھ(قمر عبداللہ)،رکی سانسیں(نعیم اختر اعوان)،نقاب زادی(ماجد وفا عابدی)،ڈنگر اور ڈنگر سوچ(منور حسین عاصی)،سونے آنگن(ثاقب امام رضوی)،ڈر(شیراز اختر مغل)اور روشن شیشے پر آنکھ(شاہد لطیف ہاشمی)شامل ہیں۔

اس زبان کے جن شاعروں کے تراجم اس مجلے کے شماروں میں شائع ہوئے اُن میں باقی صدیقی،فیصل عرفان،حمید کامران،اختر امام رضوی،جہانگیر عمران،سید طارق مسعود،یاسر کیانی،علی ارمان، شیراز طاہر،شاہد لطیف ہاشمی،اختر رضا سلیمی،آل عمران،شکور احسن،مختار کربلائی اور شیراز اختر مغل وغیرہ شامل ہیں۔

گوجری زبان کے تراجم بھی اس مجلے کے شماروں میں شائع ہوئے۔اگرچہ ان تراجم کی تعداد بہت محدود ہے۔نعت لکھنے والے جن شاعروں کے تراجم اس مجلے میں شائع ہوئے اُن میں رانا فضل حسین،چودھری شاہ محمد

شہباز، راناغلام سرور اور منیر حسین چودھری شامل ہیں۔ گوجری زبان سے صرف پانچ نظمیں پاکستانی ادب کے اُردو تراجم سے شائع ہوئیں جن میں مجھے اکیلے نہ چھوڑنا (رانا فضل حسین)، کوئی بتائے سبب کیا ہے (پروفیسر طرب احمد صدیقی)، ماں (پروفیسر ارشد علی)، نظم (رانا فضل حسین) اور جادوگر (پروفیسر ارشد علی) شامل ہیں۔

غلام سرور رانا کا تخلیق کردہ ایک مضمون "گوجری مرثیہ: ایک جائزہ" اور ایک افسانہ سورن نگریا سونے کا گھر (رانا فضل حسین) بھی اِن تراجم میں شامل ہے۔ گوجر لوک ادب سے چار کہانیاں ہاشم بیگم، میون، راجہ تراخان اور بچھنی ہیں۔ اِن کہانیوں کے تخلیق کار و مترجم احمد سلیم سلیمی ہیں۔ ان شعری اور نثری اصنافِ سخن کے علاوہ کوئی اور نگارشات اس مجلے کے پاکستانی زبانوں کے ادب کے تراجم میں شائع نہیں ہوئی۔ یہ تراجم اُردو زبان میں پیش کیے گئے موضوعات سے یکسانیت رکھتے ہیں اور گوجر طبقے کے رسوم ورواج اور تہذیب وتمدن کی عکاسی کرتے ہیں۔

شنا، فلک بوس پہاڑ سے دلوں کی چھوٹی چھوٹی وادیوں پر مشتمل علاقوں قراقرم، ہندوکش اور ہمالیہ میں بولی جانے والی اکثریت لوگوں کی زبان ہے۔ پہلے یہ علاقے گلگت اور بلتستان کے نام سے جانے جاتے تھے لیکن ۱۹۷۰ء کی دہائی میں ان کو شمالی علاقہ جات کا نام دیا گیا جو اٹھائیس ہزار مربع میل تک پھیلا ہوا ہے۔ اس خطہ میں شنا بولنے والوں کی تعداد تقریباً تیرہ ہزار ہے۔ اس علاقہ میں کثیر تعداد میں زبانیں بولی جاتی ہیں جن کی تعداد گیارہ ہے۔ ان زبانوں میں سات زبان مقامی اور قدیم ہیں جن میں بلتی، ڈومکی، گوجری، وخی، کھوار، بروشسکی اور شنا شامل ہیں۔ دیگر چار زبانیں اٹھارہویں صدی کے بعد متعارف ہوئیں جن میں کشمیری، ویگور، پشتو اور اردو شامل ہے۔ یہ زبان مختلف اطراف سے آنے والے مہاجروں، تاجروں اور سرکاری ملازموں کے ہمراہ یہاں پہنچیں۔ گلگت اور اس کے گردونواح کے علاقوں یعنی ہنزہ، بگروٹ، اشکومن، نگر، حراموش، پنیال، سئی جگلوٹ اور گوپس وغیرہ میں دو تہائی آبادی شنا بولتی ہے جبکہ داریل، استوار، چلاس، اسطور، تانگیر اور ملحقہ علاقوں میں یہ سو فیصد بولی جاتی ہے۔ علاقے کی مشکل جغرافیائی ساخت کی وجہ سے شنا بولنے والوں کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ایک اندازے کے مطابق مقبوضہ کشمیر سمیت تقریباً آٹھ لاکھ افراد شنا زبان بولنے والے ہیں۔

زبان کے ماہرین اور محققین کے مطابق شنا کا لفظ شین سے مشتق ہے۔ دراصل شین ایک قوم کا نام ہے جس کا تعلق آریائی نسل سے ہے۔ آریا دو گروہوں کی صورت میں اپنے اصلی وطن کھیوا سے نکل کر بدخشاں اور کوکند کے ملحقہ علاقوں میں آباد ہوئے جہاں سے ایک گروہ جو درد تھا، ہجرت کر کے دورا اور اس کے قریبی دروں کے ذریعے ہندوکش کو عبور کر کے چترال کے شمال میں پامیر سے ہوتا ہوا اپنے موجودہ مسکن دردستان میں داخل ہوا۔

شنا زبان کے بہت کم تراجم سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے ادب کے تحت شائع ہوئے۔ دو کہانیاں انا پرست راجا اور چڑیل جن کے تخلیق کار و مترجم حبیب الرحمان مشتاق ہیں۔ ایک غزل تخلیق کار و مترجم رستم ناجی ہیں اور ایک مضمون ''جدید شنا شاعری، گائیکی اور شنا کی مفلسی''، تخلیق کار و مترجم احمد سلیم سلیمی ہیں۔

اس مجلے کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم سے صرف یہی تخلیقات اس کے شماروں میں شائع ہوئیں۔ اس زبان کی اہمیت و افادیت سمجھتے ہوئے یہ تراجم نہ ہونے کے برابر ہیں۔ شنا زبان میں ادبی اصنافِ سخن کی اقسام کثیر تعداد میں ہیں لیکن اس مجلے کے شماروں میں اِن شعری اور نثری اصناف کو بہت کم اہمیت دیتے ہوئے ان اصناف کے تراجم شائع نہیں کیے گئے۔ اس مجلے کے مدیران اس پاکستانی زبان کی افادیت سمجھتے ہوئے اس کے تراجم کا خصوصی اہتمام کروائیں تاکہ اس زبان کے اسالیب اور موضوعات سے آگاہی ہو سکے۔

پہاڑی زبان سے صرف دو کہانیاں اس مجلے کے پاکستانی زبانوں کے ادب کے تراجم کے ضمن میں شائع ہوئیں۔ پہلی کہانی کا نام ''عرفان کی کہانی'' ہے جس کے تخلیق کار ڈاکٹر صغیر خان اور مترجم شیراز طاہر ہیں جبکہ دوسری کہانی'' جادو کا پیالہ '' ہے جس کے تخلیق کار و مترجم شاہد ندیم ہیں۔ اِن دو کہانیوں کے علاوہ ادب کی تمام اقسام سے کوئی تخلیق اس مجلے کے پاکستانی زبانوں کے ادب کے تراجم میں شائع نہیں ہوئی۔ چھاچھی زبان سے ایک نظم پرایا گھر جس کے تخلیق کار منظور عارف اور مترجم علی یاسر ہیں اور ایک گیت جو منظور عارف کے قلم سے تخلیق ہوا اور مترجم علی یاسر ہیں۔ ایک نظم اور ایک گیت کے علاوہ کوئی اور صنفِ سخن اس مجلے کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے تحت شائع نہیں کی گئی۔

پاکستان کے بالکل شمال میں ہمالیہ اور سلسلہ کوہ قراقرم کے درمیان واقعہ بلتستان اور بھارت کے قبضے میں کشمیر میں جو زبان بولی جاتی ہے، اسے بلتی کہتے ہیں۔ اس کا تعلق سائینو تبتن کی زبان کی شاخ تبتو برمن سے

ہے۔دراصل یہ تبتی زبان کی ایک بولی ہے جس کی اصل تو تبتی ہے لیکن جن جن علاقوں میں اس کو بولا جاتا ہے وہاں اس کو" بلتی" کہتے ہیں۔ حقیقت میں میں بلتی موجودہ بلتستان کا مقامی جغرافیائی نام ہے بلتستان کی نسبت سے اس کو بلتی کہا جاتا ہے۔ محمد یوسف آبادی جو کہ بلتی زبان کی تاریخ اور رسم الخط کے پہلے ماہر لسانیات اور محقق ہیں،ان کے مطابق تبتی زبان کے بولنے والوں کی مجموعی تعداد ستتر(۷۷)ہزار کے قریب ہے۔ تبتی ایک پرانی نسل سے تعلق رکھتے ہیں ان کی زبان تبتوں کی طرح قدیم ہے۔زبان کے ماہرین یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ تبتی قوم اور اس کی زبان کی تاریخ کب اور کہاں سے شروع ہوئی؟تاہم علاقے میں موجود آثار پتہ دیتے ہیں کہ ان علاقوں میں انسانی آبادی کی ابتداء پانچ ہزار سال پہلے ہوئی اور ان علاقوں میں منگول نسل آباد تھی۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ زبان نے یہیں سے جنم لیا اور یہ زبان اس علاقے کی وادیوں میں ارتقاء کی منازل طے کرتی رہی۔ یہ کوئی ساتویں صدی کی بات ہے جب اس کا پہلی بار رسم الخط ایجاد ہوا اور گرامر مرتب ہوئی۔

ماہرین لسانیات کے مطابق اس وقت تبتی زبان کے تقریباً تیس(۳۰) کے قریب لہجے رائج ہیں۔ان لہجوں میں کافی اختلافات پائے جاتے ہیں لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ یہ لہجہ مختلف ہونے کے باوجود اس زبان کی تحریری صورت صرف ایک ہی ہے۔بلتی زبان کا اردو زبان سے براہ راست کوئی گہرا تعلق نہیں تقریباً چھ سو سال پہلے یہاں کے لوگ ہند آریائی،ہند ایرانی،ہند یورپی اور عربی زبانوں سے واقفیت نہیں رکھتے تھے۔اس زبان پر اُردو کے اثرات اس وقت پڑے جب بلتستان جموں کے ڈوگرہ مہاراجہ کے زیرِ تسلط میں آیا۔اس مہاراجہ کو بلتستان کا نظام حکومت چلانے کے لیے ملازموں کی ضرورت تھی،بلتستان کے لوگ اس وقت ناخواندہ تھے اس لیے اس علاقے کے لوگ یہ ضرورت پوری نہیں کر سکتے تھے۔اس لیے شمالی ہند کشمیر اور جموں سے ملازم لائے گئے جہاں لوگ کافی حد تک آباد ہو چکے تھے۔ ان میں جب تعلیم کا آغاز ہوا اور سکول کھلے تو لوگوں نے آہستہ آہستہ تعلیم کی جانب توجہ دینا شروع کی تو ذریعہ تعلیم اردو ہی ٹھہرا۔جو لوگ تعلیم حاصل کر لیتے تھے ان کو مہاراجہ ملازمت دے دیتا۔اس طرح اردو خود بخود بلتستان کی سرکاری زبان بنتی گئی۔

سہ ماہی مجلہ" ادبیات"میں بلتی ادب سے بہت کم ادب پاکستانی زبانوں کے اردو تراجم کے ضمن میں شائع ہوا۔صرف ایک داستان ان تراجم کا حصہ بنیں۔یہ داستان" کیسر داستان" ہے جو کہ بلتی تہذیب کا ایک لاثانی شاہکار سمجھی جاتی ہے۔بلتی کلاسیکی ادب میں اس داستان کا تذکرہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔اس داستان کا شمار دنیا ادب میں طویل ترین داستانوں میں ہوتا ہے۔یہ داستان منگولیا سے لیکر بلتستان اور ہنزہ تک کے وسیع علاقوں

میں بے حد مقبول ہے۔ پتہ چلا ہے کہ اس داستان کا ۱۰ ہزار سے بھی زائد صفحات پر مشتمل ایک قدیم طبّی نسخہ غیر مطبوعہ شکل میں تبت کھم میں موجود ہے۔ یہ داستان حالانکہ بلتستان میں بہت مقبول اور مشہور ہے تاہم اس کو پوری طرح ضبط تحریر میں نہیں لایا جاسکا۔

پامیر، قراقرم اور ہندوکش کے علاقے جنوبی ایشیا میں کافی اہم خیال کیے جاتے ہیں۔ ان علاقوں میں ہند آریائی، ہند یورپی، تبتی اور یورپی زبانوں کے ساتھ جو زبانیں بولی جاتی ہیں، ان میں ''کھوار'' بھی شامل ہے۔ ''کھوار'' کا یہ نام '' کھو'' قوم کی نسبت کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ ''کھوار'' زبان کا لفظ دراصل دو لفظوں کے ملنے سے بنا ہے یعنی '' کھو'' اور '' وار'' ۔ ''کھو'' کے معنی قوم کے ہیں جب کہ ''وار'' کا لفظ مقامی طور پر زبان کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے ''کھوار'' کا مطلب '' کھو قوم کی زبان'' ہے۔

بعض ماہرین لسانیات اس کو ''آرنیہ'' کا نام بھی دیتے ہیں جبکہ بعض زبانوں کے ماہرین نے کھوار کو ہند آریائی نسل کی زبانوں میں دردی زبان کی شاخ قرار دیا ہے، جو شمال مغربی ہند آریائی گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔ تاہم یہ گروہ زبانوں میں اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں بیک وقت تبتی، برمن، بروشسکی، الطائیک اور دراوڑی زبانوں کی کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

''کھوار'' زبان کی ابتداء کے بارے میں کئی نظریات پائے جاتے ہیں۔ گریئرسن اس کو ایک ایسی زبان قرار دیتے ہیں جو '' پشاچہ ''اور ''خلچہ'' کے دور میں بولی جاتی تھی۔ ایک اور روایت موڑکھو ضلع چترال میں پڑے ایک بڑے پتھر کی ہے اس پتھر کو '' کھو بوخت'' یعنی ''کھو کا پتھر'' کہا جاتا ہے۔ کئی ہزار سال پہلے اجنبی لوگوں نے کھوار میں گفتگو کی جو آہستہ آہستہ پورے علاقے میں پھیل گئی۔ اس زبان میں ترکی، فارسی اور سنسکرت کے مفرد الفاظ کثرت سے پائے جاتے ہیں جو اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ یہ زبان قدیم زمانہ میں وسطی ایشیا اور جنوبی ایشیا کے مختلف علاقوں کی زبانوں سے مل کر وجود میں آئی۔ اور ہندوکش کی پہاڑی وادیوں میں پھیلتی رہی۔ آج کے دور میں جن علاقوں میں ''کھوار'' بولی جاتی ہے ان میں صوبہ خیبر پختونخواہ کا ضلع چترال اور شمالی علاقہ جات کا ضلع غذر شامل ہے۔ دونوں اضلاع پاکستانی نقشے میں انتہائی شمال کی جانب قراقرم اور ہندوکش کے پہاڑی سلسلوں سے متصل ہیں۔ اس کے علاوہ واخان، پامیر، نورستان اور کالام سوات کی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں کھوار کو مادری زبان کے طور پر بولا جاتا ہے۔ ایک تصدیق شدہ اندازے کے مطابق افغانستان میں تقریباً پانچ لاکھ افراد کھوار بولنے والے ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ’’ ادبیات‘‘ میں کھوار زبان کے بہت کم اردو تراجم اس مجلے میں شائع ہوئے ہیں۔ شعری اور نثری اصناف ادب میں سے صرف تین غزلیں اس مجلے کے اردو تراجم میں شائع ہوئیں۔ ان غزلوں کے شاعر محمد عرفان، بابا ایوب اور ذاکر محمد زخمی ہیں، جبکہ مترجم کے فرائض عنایت اللہ فیضی نے سرانجام دیے ہیں۔ یہ سارے شاعر کھوار شاعری میں ایک اہم مقام پر فائز ہیں اور دیگر شاعروں میں ادبی برتری رکھتے ہیں۔

پاکستانی انگریزی سے بارہ نظمیں اور دو مضامین سہ ماہی مجلہ ’’ادبیات‘‘ کے پاکستانی ادب کے تحت اس کے شماروں میں شائع ہوئیں۔ نظموں میں کوڑا (ذوالفقار گھوش)، نروان (اعجاز رحیم)، ابدی جوہرات (منیزہ علوی)، وقت گزر جاتا ہے (حنا بابر علی)، یہ مکان (شبنم ناصر)، قرطبہ ۲۰۰۳ء (شاداب زیست ہاشمی)، فریب نگاہ (شمائلہ شفقت)، منتشر خواب (عائشہ ڈی کمال)، سمتیں (تہمینہ احمد)، ملاقات (زیبا حسن حفیظ)، گاؤں کی لڑکی (توفیق رفعت) اور چھیاسویں برس کی دہلیز پر دھرا ایک سانحہ (عالمگیر ہاشمی) شامل ہیں جبکہ مضامین میں ’’انتظار کے قصہ ہجرت کی کتھا‘‘ (صفدر میر) اور ’’کچھ انتظار حسین کے بارے میں‘‘ (الوک بھلہ) شائع ہوئے۔ اِن اصنافِ ادب کے علاوہ ادبی اصناف کی کوئی اور قسم اِن تراجم کے تحت شائع نہیں کی گئی۔

پنجابی زبان کے مختلف لہجے اور بولیاں ہیں جن میں سے ایک بولی ’’چھاچھی‘‘ زبان ہے۔ ’’ چھچھ‘‘ دراصل ایک درخت کا نام ہے جو صوبہ پنجاب کے انتہائی شمال میں ضلع اٹک میں ہے۔ چھچھ کا پرانا نام چھچھ چوراسی بھی ہے۔ یہ نام اس کو اس لئے دیا گیا کیونکہ انگریزوں کی اس میں وارد ہونے سے پہلے یہ چوراسی دیہات پر مشتمل تھا۔ ’’ چھچھ‘‘ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کئی روایات ملتی ہیں۔ بعض ماہرین لسانیات کے نزدیک ’’چھچھ‘‘ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے ’’دلدلی زمین‘‘ اور اس علاقے کو یہ نام سکندر اعظم نے دیا۔ کچھ کا کہنا ہے کیونکہ اس خطے کی ظاہری مشابہت ’’چھاج‘‘ سے ملتی ہے اس لیے اس نسبت سے چھاج یا چھج یا چھچھ بن گیا۔ بعض ماہرین اس کا تعلق سندھ کے حکمران راجہ چچ سے ظاہر کرتے ہیں، کچھ کا خیال یہ بھی ہے کہ چھچھ کا لفظ جھگ چیچ، چیچ، ششش، شاش، چاچ، چھاپ کی مبدل صورت ہے۔ اگر ان متذکرہ لفظوں کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے اکثر کے معنی ’’ دلدلی زمین‘‘ یا ’’ دلدل‘‘ کے ہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ خطہ چھچھ کی زمین واقعہ وادی ہے، اس لیے ان کی اس بات کو غلط قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

چھچھ بولی کو ’’چھاچھی‘‘ کا نام بیسویں صدی میں دیا گیا۔ اس سے پہلے اس بولی کے کئی نام تھے جیسا کہ ہندکی، ہندی، ہندکو اور پنجابی وغیرہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا تعلق پنجابی زبان سے کافی گہرا ہے اور اپنے

خدوخال کے لحاظ سے پنجابی زبان دیگر بولیوں پوٹھوہاری، دھنی، ہندکو، ڈوگری اور پہاڑی سے منفرد اور مختلف ہے۔ اکثر ماہرین لسانیات نے ''چھاچھی'' بولی کی نسبتیں متذکرہ بولیوں سے ملائی ہیں اور ان کی جدا حیثیت کو ماننے سے انکار کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ چھاچھی بولی نے قریب وجوار کی بولیوں سے استفادہ ضرور کیا ہے تاہم اپنی جداگانہ حیثیت نے اس میں مزید استحکام بخشا ہے۔

''چھاچھی'' بولی کے اردو تراجم بھی اس مجلے میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ''چھاچھی'' بولی کے اہم شاعر منظور عارف ہیں۔ جنھوں نے اس بولی میں گیت اور نظمیں لکھ کر اسے ملکی سطح پر متعارف کروایا۔ انھوں نے چھاچھی بولی میں سخن گوئی کا آغاز ۱۹۵۰ء میں کیا۔ ان کی نظموں اور گیتوں کے اردو تراجم سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' میں بھی شائع ہوتے رہے۔ دیگر کئی رسالوں اور اخباروں میں ان کی چھاچھی شاعری شائع ہو رہی ہے تاہم ابھی تک ان کا چھاچھی مجموعہ کلام شائع نہیں ہو سکا۔

پاکستان میں کچھ ایسی زبانیں بھی بولی جاتی ہیں جن کا محدود استعمال اُن کو ختم کر سکتا ہے اور کچھ دوسری زبانیں تیزی سے ارد گرد زبانوں پر اثر انداز ہو رہی ہیں یا دوسری زبانوں سے متاثر ہو رہی ہیں۔ پاکستانی زبانوں سے ایک اہم زبان بروشسکی بھی ہے جو کہ شمالی علاقہ جات جیسا کہ ہنزہ، گلگت، یاسین اور نگر میں بولی جاتی ہے۔ برصغیر کی اور اپنے گردونواح کی زبانوں سے واضح لسانی تعلق نہ ہونے کی بنا پر یہ اس خطہ کی دیگر زبانوں سے اشتراکات نہیں رکھتی جس کی وجہ سے اس زبان کو دنیا کی ایک منفرد زبان ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ غیر ملکی لسانیات کے ماہر، بشریات اور سماجیات پر تحقیق کرنے والوں کے لیے یہ زبان بے پناہ توجہ کا مرکز رہی ہے۔ اس زبان کی افادیت و اہمیت پہلی مرتبہ ۱۸۸۰ء میں شمالی علاقہ جات کے انگریز پولیٹیکل ایجنٹ جان بڈلف کے مشہور سفر نامے ''ہندوکش کے قبائل'' کے ذریعے اُجاگر ہوئی۔ اس کے علاوہ کئی اور سیاحوں، دانشوروں اور محققوں نے بھی ان شمالی علاقہ جات کی سیر کی۔ اِن شخصیات میں سب سے پہلے لائٹنز کا نام آتا ہے جس کی بروشسکی زبان پر لکھی گئی کتاب ۱۸۸۹ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں ہنزہ اور نگر کے بارے میں معلومات کا ذخیرہ کافی وسیع ہے۔ اس کے بعد ڈی۔ ایل۔ آر لوریمر نے ''بروشسکی زبان'' پر ایک ایسی ضخیم کتاب اوسلو سے ۱۹۳۵ میں شائع کروائی جو مغرب میں بہت مشہور ہوئی۔ یہ کتاب تین جلدوں میں شائع ہوئی۔ ایک اور کتاب جی۔ اے گریرسن کی شہرہ آفاق کتاب ہے جس میں بروشسکی زبان کے بارے میں کافی معلومات ہیں۔

شمالی علاقہ جات ،مالاکنڈ کے پہاڑوں سے کافرستان ،سیاہ چین اور خنجراب تک ۴۵ ہزار مربع میل پر پھیلے ہوئے علاقوں میں جو مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں ان میں " وخی" بھی ایک اہم زبان ہے۔"واخان" کی نسبت سے اس کو "وخی" کہاجاتاہے۔ عرصہ دراز سے واخان کی پٹی وخی قوم اور زبان کا مرکز رہی ہے،اسی تعلق کی بناپر چین،تاجکستان،افغانستان اور شمالی علاقہ جات میں اس زبان اور اس کے بولنے والوں کو "وخی" کانام دیا گیاہے۔اس زبان کے دوسرے ناموں میں "خیک" اور "خیکوار" بھی ہیں۔کچھ اس کو واخی اور گوجالی بھی کہتے ہیں۔جو لوگ بروشسکی بولتے ہیں وہ اس کو وخیلو اور گوئیسکی بھی کہتے ہیں۔پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں یہ زبان بالائی ہنزہ، تحصیل اشکومن کے بالائی حصوں، ضلع غذر کے چند قصبوں اور ضلع چترال کے بروغل کے علاقوں میں یہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

"وخی" زبان پر تحقیق کرنے والوں میں سب سے پہلا نام کپتان بڈلف کا ہے۔انھوں نے اپنی کتاب "ہندوکش کے قبیلے" میں لکھا ہے کہ وہ ۱۸۷۳ء میں ایک مشن کی معیت میں کاشغر کے سفر پر گئے۔واپسی کے دوران وہ سریقول اور واخان سین کے علاقوں سے بھی گزرے،بعد میں وہ گلگت، یاسین، ہنزہ اور نگر کی راستے دیکھنے گئے۔اسی طرح اس دوران ان کو ان ریاستوں کی روایات سمجھنے اور زبانیں سیکھنے کا موقع ملا۔اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے بروشسکی، وخکوار، کھوار اور شغنائی یا سریقلوار زبان کو رشتہ تحریر میں لانے کی کوشش کی اور یورپین حروف تہجی میں کچھ اشارات کی اضافی کے ساتھ ان زبانوں کو صفحہ قرطاس پر لانے کی کوشش کی۔ "وخی "ایک ایسی زبان ہے جو دوسری زبانوں کے کافی اثرات رکھتی ہے۔ اس زبان پر فارسی، پشتو، ترکی، بروشسکی، شنا، بلتی اور اردو کے بہت زیادہ اثرات ہیں۔

پاکستان میں تقریباً ۶۵ کے قریب زبانیں اور بولیاں بولی جاتی ہیں۔ان پاکستانی زبانوں میں اشتراکات اور اختلافات بھی موجود ہیں۔مماثلتوں کے ضمن میں سندھی، پنجابی، سرائیکی اور اُردو ہند آریائی زبانوں کے گروہ سے تعلق رکھتی ہیں۔کشمیری، کھوار اور شنا کا تعلق ہند آریائی کی ذیلی شاخ دردی زبانوں کے گروہ سے ہے جبکہ بروشسکی اور وخی کا تعلق ہند آریائی کی مرکزی شاخ سے ہے جو کہ گلگت اور بلتستان میں بولی جاتی ہیں۔پشتو کو بعض محققین، پشتو اور آریائی زبانوں کے مشترک الفاظ کی بناپر آریائی زبان خیال کرتے ہیں جبکہ کچھ مفکرین کے نزدیک پشتون بنی اسرائیل کی اولاد سے ہیں۔اگر یہ نظریہ درست تسلیم کیا جائے تو پشتو زبان کا منبع سامی زبان

بنتی ہے کیونکہ بنی اسرائیل کی زبان، عبرانی کا تعلق سامی زبانوں سے ہے۔ براہوی زبان کا تعلق دراوڑی زبانوں کے گروہ سے ہے اور بلوچی زبان کا اس پر کافی اثر پایا جاتا ہے۔

ہر علاقے اور قوم کے رہن سہن، تہذیب و ثقافت اور رسم و رواج میں فرق پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا میں اس وقت مختلف ثقافتیں پائی جاتی ہیں۔ یہی ثقافتیں کسی بھی علاقے کو ایک اہم مقام دلانے میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ پاکستانی خصوصیات کے مشترکہ عناصر میں سے ایک اہم خصوصیت اس کا اسلامی رنگ ہے۔اس ملک میں مسلمان کثیر تعداد میں آباد ہیں۔اسلام میں رنگ و نسل اور ذات کی بنا پر کوئی برتری اور فوقیت نہیں ہے بلکہ اسلام اِن باتوں کی نفی کرتا ہے۔ یہ ہمیں اُلفت و محبت اور اُخوت و بھائی چارے کا درس دیتا ہے۔

پاکستانی مشترکہ خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت شادی بیاہ کی رسمیں بھی ہیں۔اِن رسموں میں بھی کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے پاکستانی لوگوں میں قومی یکجہتی اور یگانگت پائی جاتی ہے۔ شادی بیاہ کی اِن رسموں میں اسلامی رنگ غالب ہے۔اسلام میں شادی کی رسم کی ابتدا نکاح سے ہوتی ہے۔اسلامی نظام میں نکاح کو عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ نکاح میں حق مہر مقرر کیا جاتا ہے اور پھر دلہا اور دلہن سے دستخط کروائے جاتے ہیں۔ دلہا کے رشتہ دار اور عزیز و اقربا دلہن کے گھر بارات لے کر جاتے ہیں۔ دلہن کے گھر والوں نے کھانے کا اہتمام کیا ہوتا ہے نیز وہ جہیز کا بندوبست بھی کرتے ہیں۔ دلہا اور دلہن دونوں کو مخصوص زرق برق کے لباس پہنائے جاتے ہیں اور ان کے گھروں میں قمقموں کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔اس خوشی کے موقع پر اس ملک کے ہر حصے کے لوگ اپنی استطاعت کے مطابق خوشیاں منانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ شادی کے بعد دعوتوں کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔

اس ملک میں پیدائش اور اموات کی رسموں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔پیدائش کی خوشی کا اظہار مٹھائی وغیرہ تقسیم کر کے کیا جاتا ہے۔نو مولود کے کان میں اذان دی جاتی ہے تاکہ اللہ کا فضل شاملِ حال رہے۔ خوشی کے اس موقع پر اس کے عزیز و اقارب مبارک باد پیش کرتے ہیں اور نو مولود کو تحائف بھی دیتے ہیں۔ عقیقہ کی رسم بھی نبھائی جاتی ہے۔ کسی فرد کی فوتگی پر رشتہ دار، عزیز و اقارب اور تعلق دار متوفی کے گھر جمع ہوتے ہیں۔ پہلے میت کو غسل دیا جاتا ہے اور پھر کفن پہنا دیا جاتا ہے۔ نمازِ جنازہ کی ادائیگی کے بعد اُسے قبرستان میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ رسم و رواج کے حوالے سے

یہ بات کافی اہم ہے کہ ہمارے ملک میں اقلیتوں کو اپنی مذہبی روایات کے مطابق شادی بیاہ اور اموات کی رسمیں اپنانے کے حقوق حاصل ہیں۔ اُن کو اپنے معمولاتِ زندگی اپنے مذہب کے حوالے سے اپنانے میں کوئی قدغن نہیں ہے۔

میلے اور عرس بھی پورے پاکستان سال کے مختلف وقفوں میں منعقد ہوتے ہیں۔ یہ میلے اور عرس ہماری قوم کی علاقائی ثقافتوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ ہر سال فصل کی کٹائی سے پہلے اور بعد میں مختلف پاکستانی علاقوں میں سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر مختلف میلوں کے منعقد کروانے کا اہتمام کروایا جاتا ہے۔ جوں ہی بہار کا موسم شروع ہوتا ہے تو لوگ اپنی تھکن دور کرنے اور دل بہلانے کے لیے گروہوں کی صورت میں اِن میلوں میں شریک ہوتے ہیں۔ اِن میلوں میں فورٹریس سٹیڈیم لاہور میں ہارس اینڈ کیٹل شو، شندور میں پولو میچیز، سندھ میں حضرت سچل سرمست کا عرس، حضرت داتا گنج بخش کا عرس، حضرت فرید الدین شکر گنج کا عرس، حضرت شاہ رکن عالم ملتانی کا عرس، حضرت بہاوالدین ذکریا کا عرس، حضرت مادھو لال حسین کے عرس کے علاوہ دیگر کئی اور بزرگانِ دین کے عرس شامل ہیں۔ اِن میلے اور عرسوں میں مختلف پاکستانی ثقافتوں میں مماثلتیں، قومی یکجہتی اور یگانگت کی فضا دیکھی جاسکتی ہے۔

مختلف پاکستانی مشترکہ عناصر میں کھیل اور مشاغل بھی شامل ہیں۔ آج کل مختلف روایتی اور جدید کھیلوں کے مقابلے بھی کروائے جاتے ہیں۔ پاکستان کی ہاکی، کرکٹ، بیڈ منٹن، کبڈی اور سکوائش کی ٹیمیں دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ ان کھیلوں کے ٹورنامنٹ ضلعی، ڈویژنل، صوبائی اور ملکی سطح پر منعقد ہوتے ہیں۔ پاکستانی پہلوانوں نے ملک کا نام روشن کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس فہرست میں پاکستان کے رستم زماں گاماں پہلوان کو اولیت حاصل ہے۔ پاکستان کے شہر لاہور اور گوجرانوالہ میں پہلوانوں کے اکھاڑے ہیں جہاں وہ کسرت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ گلگت اور شمالی علاقہ جات میں پولو کا کھیل بے حد مقبول ہے اور یہ کھیل دو ہزار سالوں سے کھیلا جارہا ہے۔ ان کھیلوں نے قومی یکجہتی اور یگانگت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

مذہبی تہوار بھی مختلف پاکستانی علاقوں میں مذہبی جوش و خروش سے منائی جاتے ہیں ہیں کل پاکستانی آبادی میں سے تقریباً ۹۷ فیصد لوگ مسلمان ہیں۔ یہ مسلمان اپنے مذہبی تہوار عید الفطر، عید الاضحی، عید میلاد النبی ﷺ، شب معراج، شب برات اور یوم عاشورہ بڑی مذہبی عقیدت و احترام اور جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ یہ مذہبی تہوار قومی یکجہتی اور اتحاد و یگانگت کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

پاکستان کے مشترکہ عناصر میں غذائیں بھی شامل ہیں۔ پاکستانی کھانوں میں گندم، جو، مکئی اور چاول کثرت سے استعمال کیے جاتے ہیں۔ سجی اور کڑاہی گوشت پہلے صرف خیبر پختونخوا اور شمالی علاقہ جات میں مرغوب غذا تھی جبکہ اب پشاور سے کراچی اور کوئٹہ تک برابر پسند کی جاتی ہے۔ خوراک کے معاملے میں پسند اور ترجیحات بدل رہی ہیں۔ پاکستانی لوگوں کی مرغوب غذا گوشت ہے۔ مہمانوں کی آمد اور شادی بیاہ کے موقعوں پر دعوتیں اولین قسم کے کھانوں سے سجائی جاتی ہیں۔

پاکستانی مشترکہ عناصر میں معاشرتی قدریں بھی کافی اہم ہیں۔ تمام پاکستانی صوبوں اور علاقوں میں اعلیٰ اور منفرد قدریں پائی جاتی ہیں۔ زندگی سادہ اور پروقار ہوتی ہیں۔ بزرگوں کا احترام اور چھوٹوں سے شفقت کی جاتی ہے۔ بے آسرا، غریب افراد اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے زکوٰۃ اور صدقات وغیرہ کا نظام سرکاری اور غیر سرکاری دونوں سطحوں پر قائم ہے۔ خواتین کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد اور خوشیوں اور مسرتوں میں شریک ہوتے ہیں۔ مسائل کو مل جل کر اور صلاح مشورے سے حل کیا جاتا ہے۔ دیہی علاقوں میں بزرگوں پر مشتمل پنچائتیں بہت سے تنازعات کو حل کر لیتی ہیں۔ دیہی معاشرہ بالخصوص اعلیٰ روایات سے مزین ہے۔

پاکستان میں رہنے والے لوگ طرز زندگی میں بھی مماثلت رکھتے ہیں۔ یہ مماثلت چاروں صوبوں میں رہنے والے لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے کھانے پینے اور عادات کافی حد تک مشترک ہیں۔ شلوار اور قمیص ان سب کا مشترک لباس ہے۔ قومی اور مذہبی تہوار چاروں صوبوں میں ایک ہی جوش وجذبے سے منائی جاتے ہیں۔ شاعری اور لوک موسیقی سے تمام صوبوں کے لوگ یکساں طور پر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ پاکستانی ثقافت میں وسعت قلبی، محبت، باہمی احترام اور اور باہمی اعتماد کی اعلیٰ اقدار موجود ہیں جو قومی یکجہتی اور الفت و محبت کا لازمی جزو ہیں۔

مشترکہ پاکستانی عناصر میں سے ایک مذہبی ہم آہنگی بھی ہے۔ موجودہ پاکستان میں مذہبی ہم آہنگی بھی پائی جاتی ہے۔ علاقائی، صوبائی، نسلی، لسانی اور دیگر بنیادیں بھی ہیں لیکن پاکستانیوں کی اہم ترین پہچان اسلام ہے۔ پاکستانی لوگ رنگ و نسل، ذات پات اور علاقے و صوبے کے امتیازات کو بہت کم اہمیت دیتے ہیں۔ پاکستان میں مذہبی ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ مذہبی رواداری بھی موجود ہے کیونکہ مسلم اکثریت کی کے ہمراہ کئی چھوٹی چھوٹی اقلیتیں بھی اس ملک میں بستی ہیں۔ ہندو، پارسی اور عیسائی وغیرہ اپنے اپنے مذہبی عقائد کے

مطابق زندگی گزار رہے ہیں۔ پاکستانی دستور اقلیتوں کو مکمل تحفظ فراہم کرتا ہے۔ وہ پورے قومی دھارے میں پوری طرح شریک ہیں اوران کے لئے کاروباراور ملازمتوں کے دروازے یکساں کھلے ہیں۔

پاکستانی ذرائع ابلاغ میں بھی مماثلت پائی جاتی ہے۔ ذرائع ابلاغ سے ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ مقامی ذرائع ابلاغ کی مماثلت سے قومی یکجہتی پیدا ہوتی ہے اور ثقافتی مماثلتیں ترقی کرتی ہیں۔

پاکستان کے مشترکہ عناصر میں سے ایک پاکستان کا نظام تعلیم بھی ہے جس میں کافی مماثلت ملتی ہے پاکستان میں ہائی حصے تک جماعتوں کے نصاب میں یکسانیت ملتی ہے۔ سکول خواہ پرائیویٹ ہو یا سرکاری اسلامیات، اردو، افہام القرآن اور انگریزی لازمی ہیں۔ کالج اور مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب میں بھی کافی حد تک مماثلت ملتی ہے مختلف حکومتیں یکساں نصاب سازی کے حوالے سے کافی کوششیں کرتی آئی ہیں تاہم ابھی بھی پورے پاکستان میں یکساں نظام رائے نہیں ہو سکا اس حوالے سے مزید محنت کی ضرورت ہے۔

اُردو پورے پاکستان کی مشترک زبان ہے یہ پورے پاکستان میں بولی اور سمجھی جاتی ہے یہ اظہار اور رابطے کا ایک مضبوط ذریعہ ہے تمام لوگ اس زبان سے بہت محبت کرتے ہیں اردو زبان ہمارا ذریعہ تعلیم بھی ہے اُردو زبان میں کافی لچک ہے پاکستانی زبانوں کے کافی الفاظ اردو میں شامل ہو رہے ہیں اور اردو زبان کا دیگر پاکستانی زبانوں پر گہرا اثر ہے اس طرح اردو زبان قومی یکجہتی، اتحاد اور یگانگت کی علامت ہے۔

اسلامی اقدار بھی پاکستانی معاشرے میں مشترک ہیں۔ یہ مسلمان ہی ہیں کہ جنھوں نے پورے جنوبی ایشیا میں اسلام کی شمع روشن کی ہے۔ اسلام میں توحید، رسالت، بھائی چارے، مساوات، اخوت، انصاف اور سچائی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ علاقائی ثقافتی اقدار کے باوجود اسلامی اقدار، ثقافتی یکسانیت اور قومی یکجہتی، اتحاد اور یگانگت کا ذریعہ ہیں۔

تصوف کا موضوع سب پاکستانی زبانوں میں مشترک ہے اور اسی طرح ہیر رانجھا، سسی پنوں، قوالی، مزار پرستی اور تہمات بھی اِن پاکستانی زبانوں کے مشترکات ہیں۔ ذخیرہ الفاظ کے اعتبار سے بھی اِن پاکستانی زبانوں میں یکسانیت ملتی ہے۔ اِن زبانوں کے راگ، سر اور تال میں بھی مماثلت پائی جاتی ہے۔ معاشرتی اعتبار سے ہر پاکستانی معاشرے میں طبقاتی تفاوت پائی جاتی ہے۔ چودھری، خان، سردار اور وڈیرہ پاکستانی معاشرے

کے ہی کردار ہیں۔ نظمیں، غزلیں، حمد، نعت، افسانے، گیت، داستانیں اور مضامین اِن زبانوں کی مشترکہ شعری اور نثری اصناف ہیں۔ ضرب المثال کا استعمال بھی تمام پاکستانی زبانوں میں ہوا ہے۔

اِن پاکستانی زبانوں میں کچھ اختلافات بھی موجود ہیں۔ فقروں کی نحوی ترتیب کا طریقہ کار ہر پاکستانی زبان کا مختلف ہے۔ رسم الخط کے اعتبار سے بھی پاکستانی زبانوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ سندھی زبان کا رسم الخط عربی ہے جس کو خواجکی سندھی اکھر یا چالیہہ اکھری (چالیس حرف) کہتے ہیں۔ پشتو کا رسم الخط نسخ ہے جبکہ کشمیری زبان کا پہلے شاردا رسم الخط تھا جبکہ اب فارسی نستعلیق رسم الخط ہے۔ ہر پاکستانی زبان کے حروفِ تہجی کی تعداد میں بھی فرق ہے اور اسی طرح اِن پاکستانی زبانوں میں دیگر زبانوں سے درآمدہ حروف کی تعداد میں بھی فرق ہے۔ ثقافتی اظہارے بھی پاکستانی کے مختلف حصوں میں بسنے والے لوگوں کے مختلف ہیں۔ مثلاً سرحد میں خٹک ڈانس بہت مقبول ہے جبکہ سندھ میں سندھی ٹوپی اور اجرک بڑی شوق سے پہنی جاتی ہے۔ پنجاب میں شلوار قمیص اور سر پر منڈھاسا باندھا جاتا ہے۔ اسی طرح سرائیکی، کشمیری اور پاکستان میں دیگر بسنے والے لوگوں کے لباس میں فرق موجود ہے۔ رسم ورواج بھی اس ملک کے بسنے والے مکینوں کے مختلف ہیں۔ کسی کے فوت ہو جانے پر جو طریقہ کار پنجاب میں اپنایا جاتا ہے وہ گلگت اور بلتستان میں یکسر مختلف ہے۔ خصوصاً دفن کرنے کے بعد قل اور چہلم کی رسومات میں مکمل تفاوت پایا جاتا ہے۔ بعض صوبوں میں تو یہ رسومات ادا ہی نہیں کی جاتیں اور اِن کو تہمات سمجھا جاتا ہے۔ دینی لحاظ سے اس ملک کے لوگ دینی فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ لوک ورثہ کے لحاظ سے بھی اس ملک کے بسنے والے لوگ مختلف ہیں۔ مختلف صوبوں میں یہ فرق آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔

اِن سب زبانوں کے تراجم کے جائزے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' ایک ایسا رسالہ ہے جس نے پاکستانی زبانوں کے فروغ میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس مجلے کے شماروں میں جن پاکستانی زبانوں کے تراجم کو خصوصی طور پر جگہ دی گئی ہے اُن میں پنجابی، براہوی، بلوچی، سندھی، ہندکو، پوٹھوہاری، سرائیکی اور پشتو شامل ہیں۔ ان زبانوں کی شعری اور نثری اصنافِ سخن کی تقریباً تمام اقسام پاکستانی ادب کے تراجم کے تحت شائع ہوئیں۔ یعنی اِن زبانوں کے تراجم کا اس مجلے کے شماروں میں حصہ حوصلہ افزا ہے۔ دیگر پاکستانی زبانیں جیسا کہ کشمیری، پہاڑی، پاکستانی انگریزی، گوجری، چھاچھی اور شنا کو مسلسل نظر انداز کیا جا رہا ہے

کیونکہ نہ تواِن زبانوں کی تمام اصنافِ ادب کو اس مجلے کے شماروں میں تراجم کی صورت میں شائع کیا گیا اور نہ ہی اِن تراجم میں وہ دلکشی اور رعنائی ہے جو کسی بھی زبان کا خاصہ ہوتی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک طرف اِن زبانوں کے تراجم کی اشاعت کا خصوصی اہتمام کیا جائے اور دوسری جانب مترجمین اِن زبانوں کو اُردو زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے اِن زبانوں کی فنی باریکیوں، اسالیب اور اصطلاحات کا خاص طور پر خیال رکھیں تاکہ اِن زبانوں کے لوگوں کے طرزِ رہن سہن، رسوم و رواج اور تہذیب و ثقافت کی صحیح طور پر عکاسی ہو سکے۔ اس سلسلے میں اس مجلے کے مدیران کو خصوصی کردار ادا کرنا ہوگا تاکہ اِن پاکستانی زبانوں کے نقوش صحیح طور پر سامنے آسکیں اور قومی یکجہتی کے فروغ کی جانب ایک اہم قدم بڑھایا جا سکے۔ قومی یکجہتی اس مجلے کا ایک اہم مقصد بھی ہے اور ملکِ پاکستان کے استحکام کی ضرورت بھی۔ اس ملک کی ترقی اسی میں ہے کہ ہر حوالے سے لوگ قومی یکجہتی کے فروغ کے لیے عملی اقدامات کریں۔ پاکستانی ادب کے اُردو تراجم اس حوالے سے ایک اہم پیش رفت ثابت ہو سکتے ہیں۔

یہ مجلہ اُردو زبان و ادب کی ترقی میں ایک اہم حوالہ ہے۔ ڈاکٹر رشید امجد نے اس کے اُردو تراجم کی اہمیت پر انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

> ''ان تراجم نے قومی یکجہتی اور لسانی ہم آہنگی کے فروغ اور اہلِ پاکستان کو ایک دوسرے کے قریب سے قریب تر لانے کے لیے بے حد مفید اور تاریخی اقدام کیا ہے۔ اس کے اُردو تراجم میں پاکستانی زبانوں کے ادب سے کثیر تعداد میں افسانوں کا ترجمہ کیا گیا۔ یہ افسانے موضوع کی صرف اوپری سطح تک محدود نہیں بلکہ حقائق بینی، فکری تہہ داری اور گہری رمزیت کے سبب افسانوی ادب میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان تراجم سے اُردو افسانے کا کینوس یقیناً وسیع ہوا ہے۔''(۳۰)

ڈاکٹر خالد اقبال یاسر نے راقم کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

> ''سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے تراجم کی معیار بندی کا بنیادی تقاضا ہمیشہ یہی رہا کہ اصل متن کی روح حتی الوسع متاثر نہ ہو اور کوئی ترجمہ قومی تقاضوں اور خاص طور پر باہمی یگانگت اور رواداری کو مجروح نہ کرے۔''(۳۱)

ڈاکٹر سید اشفاق حسین بخاری نے راقم کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

''ان تراجم کے ذریعے پاکستانی زبانوں کے بکھیرے ہوئے خیالات اور احساسات سے آگاہی ہوئی ہے۔اُردو زبان کے ساتھ ساتھ ان تراجم نے ایک ایسا رشتہ قائم کیا ہے جس کی بدولت ہم ان زبانوں میں لکھے گئے ادب،ان کے موضوعات،ان کے خیالات اور احساسات سے کماحقہ مستفید ہو سکتے ہیں۔''(۳۲)

اس مجلے کے مدیر اختر رضا سلیمی نے راقم کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

''سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' اُردو زبان میں شائع ہوتا ہے چونکہ یہ زبان اس پورے ملک میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔اس مجلے کا اصل مقصد تراجم کی اشاعت ہے۔ خصوصاً پاکستانی زبانوں کے تراجم کو شائع کروانے کا اہتمام کروانا اس کا اصلی مقصد ہے۔ یہ تراجم اُردو زبان میں اس لیے شائع کیے جاتے ہیں تاکہ پوری قوم ان تراجم سے استفادہ کرتے ہوئے آپس میں اخوت و یگانگت کی فضا پیدا کرتے ہوئے قومی یکجہتی کو فروغ دے سکے۔''(۳۳)

اُردو تراجم کے فروغ میں سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا کردار خاصا اہمیت کا حامل ہے۔اس مجلے کے اُردو تراجم نے موضوعاتی تنوع اور فنی خصائص کی وجہ سے رسائل و جرائد میں جو مقام حاصل کیا ہے وہ بہت ہی کم رسائل و جرائد نے پایا ہے۔اس مجلے نے نہ صرف مقبول پاکستانی زبانیں جیسا کہ پنجابی، سندھی، بلوچی اور پشتو بلکہ غیر معروف پاکستانی زبانیں مثال کے طور پر گلگتی،شنا،ہندکو، گوجری، چھاچھی اور کشمیری زبان کی اصنافِ ادب کے تراجم کے ذریعے بے مثال ادبی خدمت کی ہے۔ان اُردو تراجم کی ترویج و اشاعت میں اس مجلے کے مدیران کی مساعی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔۔ یہ مجلہ مختلف پاکستانی زبانوں کا ایک ایسا گلدستہ ہے جس نے قومی یکجہتی کے فروغ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ادبی خدمت کے ساتھ ساتھ قومی ہم آہنگی میں اس مجلے کی مساعی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اُردو کو چھوڑ کر پاکستان کی بڑی زبانیں پنجابی، سرائیکی، سندھی، پشتو، بلوچی، براہوی، ہندکو اور بلتی ہیں۔ کھوار، بروشسکی، شنا دیگر زبانیں ہیں جنھیں بولنے والے کم ہیں۔ ویسے کشمیری اور گوجری بھی شامل کر لینی چاہیئں۔ان تمام زبانوں کے مترجمین اپنی مادری زبانوں کے ساتھ ساتھ اُردو پر مکمل عبور رکھتے ہیں کیونکہ اردو صرف رابطے کی ہی نہیں قومی زبان ہے۔اردو پہلی جماعت سے بارہویں تک لازمی مضمون کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ ترجمے کی زبان اور متن کی اصل زبان پر عبور اچھے ترجمے کی ضمانت ہوا کرتا ہے اور یہی ترجمے کو معیاری رکھنے کی بنیادی شرط ہے۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' میں پاکستانی ادب سے تراجم زیادہ تر ان مترجمین کے ہیں جو محض مترجم نہیں بلکہ دونوں زبانوں کے ادیب ہیں یا تھے۔ ان زبانوں میں سے سندھی، پنجابی، سرائیکی زبانوں کے ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔۔۔ کچھ کچھ پشتو اور ہندکو بھی۔ شمالی علاقہ جات کی زبانیں دردی خاندان سے ہیں مگر اب انھیں بولنے والوں نے اُردو کو اختیار کر لیا ہے۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' نے اپنے تراجم کا معیار ایسے ہی مترجمین کے بل پر قائم رکھا ہے۔ پاکستان کی بیشتر زبانوں کی ثقافت میں اسلام جیسے ہمہ گیر مذہب کی عکاسی مقامی ثقافتی عناصر کے امتزاج سے ہوئی ہے۔ پاکستان کے مختلف علاقوں کی ثقافت سے ہر علاقے کی زبان کا مترجم واقف ہوتا ہے۔ زبانوں کے ذخیرہ الفاظ کا معتدبہ حصہ بھی مشترک ہے۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' نے ادب کے ذریعے قومی یک جہتی کے فروغ میں قابلِ قدر حصہ لیا ہے جس کا اعتراف اعلیٰ ترین سطح پر ہوتا رہا ہے۔ اس کے اولیں مدیر کو اس ضمن میں تمغائے امتیاز کا حق دار بھی ٹھہرایا گیا ہے۔ ایسا سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے تراجم میں پاکستانی ثقافت کے مشترک عناصر کو اجاگر کرنے سے ممکن ہوا کیونکہ تراجم کے لیے ادبی متون کے انتخاب میں مترجمین اور مدیر پاکستانی قومیت اور قومی حمیت کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ یوں تو ایک ہی ملک کی زبانیں کے ادب سے تراجم اصل کے قریب ترین ہی ہوتے ہیں تاہم کوئی انوکھا اظہاریہ سامنے آتا تو ترجمے کے معیار کو بہتر بنانے کیے حاشیہ نگاری سے بھی کام لے لیا جاتا۔ بلتی زبان سے تراجم میں البتہ مشکل پیش آتی مگر اسی زبان کے ماہرین کی اُردو میں دست گاہ ان کے کام آتی جیسے دنیا کی طویل ترین رزمیہ کیسر داستان کے دو تراجم سے واضح ہے۔

ترجمے کی معیار بندی میں ترجمے کی زبان کی سلاست اور روانی کو بھی اہمیت دی جاتی۔

کہیں کوئی مشکل پیش آتی تو ترجمے کی مسلمہ مہارتوں سے بھی کام لیا جا سکتا تھا جیسے اصل متن سے لفظ، ترکیب یا محاور مستعار لینا جس سے ترجمے کی زبان مزید ثروت مند ہو جائے۔ محاورات، ضرب الامثال، اصطلاحات کے معیاری یکساں تراجم کیے جاتے تھے۔ اگر کوئی ناقابلِ ترجمہ لفظ یا فقرہ سامنے آتا تو توضیحی ترجمہ کر دیا جاتا۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' بیسویں صدی کی اسی اور نوے کی دہائی میں تین ہزار کی تعداد میں شائع ہوتا تھا جبکہ اس کی خریداری کے طالب پانچ ہزار سے زاید ہوتے تھے۔ یہ آڈٹ بیورو آف سرکولیشن سے ادبیات کی تصدیق شدہ تعداد اشاعت تھی۔ یہ رسالہ پورے پاکستان میں کتابوں کی دکانوں پر اور اخباروں کے ہاکرز کے ذریعے بکتا تھا۔ آپ ذرا تحقیق کریں کہ مخزن سے لے فنون، اوراق، سویرا، افکار، سیپ اور ماہ نو تک کتنی تعداد میں چھپتے تھے تو سہ ماہی ادبیات تعداد اشاعت کے اعتبار سے ہی نہیں مندرجات کے لحاظ سے بھی اردو کا سب سے مقبول اور معیاری پرچہ تھا۔ اس کے پہلے شمارے میں قدرت اللہ شہاب، ممتاز مفتی، جمیل جالبی سمیت اس عہد کے صف اول کے شاعر، افسانہ نگار اور ناقدین کی نگارشات شامل تھیں۔

اس کے ہر شمارے میں اردو کے علاوہ دیگر پاکستانی اور غیر ملکی زبانوں کے ادب سے تراجم شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ پنجابی ادب سے تراجم پر اس کے تین اور سندھی، پشتو اور بلوچستانی ادب پر ایک ایک خصوصی شمارے بھی اشاعت پذیر ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ پاکستانی افسانہ نمبر کے لیے بھی اہم پاکستانی زبانوں کے افسانے اردو زبان میں منتقل ہوئے۔ چھے جلدوں پر پھیلے ہوئے عالمی ادب نمبر میں بھی اردو کے علاوہ ساری ہی پاکستانی زبانوں کی شاعری اور افسانے موجود ہیں۔ یہ تراجم جتنے زیادہ ہیں کہ ان سے اردو ادب کا دامن اتنا ہی وسیع ہوا ہوگا۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' سے ملک کے دوسرے رسالوں نے بار بار استفادہ کیا مگر سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا حوالہ دینے کا اخلاقی حوصلہ نہیں کیا۔ بین الاقوامی ادب سے ضخیم تراجم پاکستانی ادب کے تراجم کے علاوہ ہیں۔

۱۹۴۷ء کے بعد چھپنے والے سارے رسالے تلاش کر کے کھنگالیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہماری توجہ اصل اُردو ادب پر ہی مرکوز رہی ہے۔ اُردو میں پاکستانی زبانوں کے ادب سے تراجم کی اشاعت کم ہی کسی اور مجلّے کا اولیں مقصد رہا ہوگا البتہ یہاں وہاں پاکستانی زبانوں کے ادب سے اُردو تراجم ہوتے رہے ہیں۔ ایسے تراجم کو اپنا اولیں مقصد سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' نے بنایا۔ اس سے پہلے ''ماہ نو'' میں بھی پاکستانی ادب سے تراجم پیش ہوتے رہے مگر اتنی تعداد میں نہیں۔ ایک بار ماہنامہ ''تخلیق'' نے سندھی ادب پر ایک ضخیم نمبر شائع کیا تھا۔

محکمہ اطلاعات سندھ کے پرچے اظہار، سیپ اور افکار کے شمارے بھی اس سلسلے میں دیکھ لینے چاہئیں۔ ''دنیازاد'' میں بھی شاید سندھی ادب سے تراجم شائع ہوتے ہوں۔ ہمارا ادب مرکوزبہ اردو اور یوپی رہا ہے۔ اور

اردو والوں نے اپنی تہذیبی برتری پر مسلسل اصرار اور اردو زبان کو خالص رکھنے کے غیر منطقی مؤقف کی وجہ سے بھی پاکستانی زبانوں کے ادب کو قومی ادب کا حصہ بننے سے روکے رکھا۔ کیا کسی کو معلوم ہے کہ برصغیر ہندوستان میں قرآن پاک کا پہلا فارسی ترجمہ حضرت مخدوم نوح سرور ہالائی نے حضرت شاہ ولی اللہ سے لگ بھگ دو سو سال پہلے کیا تھا۔ سندھی ادب کا ارتقا بھی اُردو کے مماثل ہے۔ اُردو ادیبوں کی جانب سے بہت سی انفرادی کوششیں ہوتی رہی ہیں اور ان کی سندھی ادب پر کتابیں بھی ملتی ہیں۔

علم و ادب سے زندگی کی ترجمانی بہتر انداز میں ہوسکتی ہے۔ ادب کو ہمیشہ انسانی ذات کی تہذیب وثقافت کی ضمانت اور علامت کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ قدیم دور سے جدید دور تک انسان ہمیشہ ادب سے متاثر رہا ہے۔ ادب میں تراجم کے جو عوامل ہیں اُن میں فکری اور لسانی کافی اہم خیال کیے جاتے ہیں۔ اسی بنا پر آج اقوامِ عالم میں ہر سال لاکھوں کی تعداد میں غیر ملکی اور ملکی ادب سے معیاری ادب کو تراجم کی صورت میں پیش کر کے ادیب اور مترجمین حضرات اپنی زبان کے علمی خزائن میں قارئین کے لیے ادب کے نئے گوشے پیش کرتے ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے اُردو تراجم بھی اُسی سلسلے کی کڑی ہیں۔ اِن تراجم سے اُردو ادب اور قارئین ایک نئے لسانی اور فکری جذبے سے روشناس ہوئے ہیں۔ خاص طور پر پاکستانی زبانوں کی شعری اور نثری اصنافِ سخن کو اُردو تراجم کی صورت میں پیش کر کے اس نے ایک اہم سنگِ میل عبور کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد قاسم بگھیو، ڈاکٹر، http://www.nawaiwaqt.com.pk/16Aug-2017/648837

۲۔ سعدیہ افتخار، اکادمی ادبیات پاکستان کی خدمات: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ص۱۵۶

۳۔ ایضاً، ص ۲۱

۴۔ www.pal.gov.pk/02june2020/7:00pm

۵۔ www.pal.gov.pk/03June2020/9:00pm

۶۔ www.pal.gov.pk/04June2020/10:00am

۷۔ www.pal.gov.pk/09June2020/8:00pm

۸۔ انور سدید، ڈاکٹر، پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ص ۲۵۴

۹۔ تعارف نامہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ص ۵

۱۰۔ سعدیہ افتخار، اکادمی ادبیات پاکستان کی خدمات: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ص ۱۹۱

۱۱۔ محمد قاسم بگھیو، ڈاکٹر (اداریہ)، سہ ماہی مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۱۰۵، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، اپریل تا جون ۲۰۱۵ء

۱۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ص ۲۵۵

۱۳۔ حرفِ اوّل، مشمولہ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات''، جولائی تا ستمبر ۱۹۸۷ء، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد

۱۴۔ حرفِ اوّل، مشمولہ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات''، جولائی تا ستمبر ۱۹۸۷ء، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد

۱۵۔ سعدیہ افتخار، اکادمی ادبیات پاکستان کی خدمات: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ص ۱۹۴

۱۶۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصنافِ ادب، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۹۱

۱۷۔ صوبیہ سلیم، ڈاکٹر، محمد صفدر رشید، مرتبہ، فنِ ترجمہ کاری (مباحث)، ادارۂ فروغِ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ص ۱۵

۱۸۔ نثار احمد قریشی، اردو میں نثری تراجم کی روایت کا مختصر جائزہ، مشمولہ" ترجمہ روایت اور فن"، مرتبہ، نثار احمد قریشی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص ۳

۱۹۔ ایضاً، ص ۵

۲۰۔ عبیدہ بیگم، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۱۹۸۳ء، ص ۱۲۸

۲۱۔ طاہر مسعود، اُردو میں غیر ادبی تراجم کی روایت، مشمولہ "دریافت"، مجلہ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص ۱۳۰

۲۲۔ صوبیہ سلیم، ڈاکٹر، محمد صفدر رشید، مرتبہ، فنِ ترجمہ کاری (مباحث)، ادارۂ فروغِ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ص ۲۲

۲۳۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، مبصر، دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ، سہ ماہی مجلہ "ادبیات" شمارہ نمبر ۴، اپریل تا جون ۱۹۸۸ء، ص ۳۴۸۔۳۴۹

۲۴۔ جنید آذر، اسلام آباد ادبی روایت کے پچاس سال، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۱۰ء، ص ۱۱۰

۲۵۔ ایضاً، ص ۱۱۲۔۱۱۳

۲۶۔ محمد قاسم بگھیو، ڈاکٹر (اداریہ)، مشمولہ مجلہ "ادبیات"، شمارہ نمبر ۱۰۷، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۵ء

۲۷۔ محمد قاسم بگھیو، ڈاکٹر (اداریہ)، مشمولہ مجلہ "ادبیات"، شمارہ نمبر ۱۰۶، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۵ء

۲۸۔ عبدالحمید (اداریہ)، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، جنوری تا جون ۲۰۱۲ء

۲۹۔ عبدالحمید (اداریہ)، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۲ء، ص ۳

۳۰۔ رشید امجد، ڈاکٹر، (انٹرویو) از راقم، اسلام آباد، ۵ جون ۲۰۲۰ء، بوقت بارہ بجے دن

۳۱۔ خالد اقبال یاسر، ڈاکٹر، (انٹرویو) از راقم، اسلام آباد، ۱۰ جولائی ۲۰۲۰ء، بوقت دس بجے دن

۳۲۔ اشفاق حسین بخاری، ڈاکٹر، (انٹرویو) از راقم، اسلام آباد، ۱۳ اگست ۲۰۲۰ء، بوقت تین بجے سہ پہر

۳۳۔ اختر رضا سلیمی، (انٹرویو) از راقم، اسلام آباد، ۱۵ ستمبر ۲۰۲۰ء، بوقت پانچ بجے شام

باب دوم

شعری تراجم کا جائزہ

الف۔ شعری تراجم کا موضوعاتی جائزہ

i. حمد کا موضوعاتی جائزہ:

اُردو ادب میں اکثر رسائل و جرائد کے آغاز میں حمدیہ شاعری دکھائی دیتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ان جرنلز میں دیگر اصنافِ شعری اور نثری کی باری آتی ہے۔اُردو نثر کا بھی یہ امتیاز ہے کہ اگر اس کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو ابتدائی نمونے مذہبی پند و نصائح اور اقوال کے ہی ملتے ہیں۔ سینکڑوں ابتدائی مثنویوں میں حمد کے موضوعات مل سکتے ہیں۔ حمد کے بارے میں ڈاکٹر محمد اشرف کمال یوں لکھتے ہیں:

> ''حمد اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا اور اُس کی بڑائی کا ذکر کرنا کے ہیں۔اس کی صفات گنوانا اور ثنا کرنے کے معنوں میں مستعمل ہے۔حمد ویسے تو نظم و نثر دونوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے مگر اس سے زیادہ تر مراد شعر ہی لیا جاتا ہے۔''(۱)

سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' نے اپنے اشاعتی سفر کا آغاز حمد سے شروع کیا۔ابتدا میں یہ سہ ماہی کی صورت میں تھا، بعد میں یہ مجلہ اپنی اشاعت ہلکی پھلکی تاخیر کے باوجود کبھی ششماہی، کبھی سالانہ کی شکل میں اپنی اشاعت برقرار رکھے ہوئے ہے۔ہر شمارے میں شاعری کا گوشہ ضرور موجود ہوتا ہے۔حمد، نعت، نظم، غزل اور ہائیکو ان پرچوں میں کثیر تعداد میں شائع کی جاتی ہے۔ قومی یکجہتی کو فروغ دیتے ہوئے ان شماروں میں نہ صرف اُردو شعراء کا کلام شائع ہوتا ہے بلکہ تراجم کی صورت میں پاکستانی زبانوں کی شاعری بھی شائع کی جاتی ہے۔ گویا یہ مجلہ پوری پاکستانی زبانوں کا ایک گلدستہ ہے۔

> ''لفظ حمد عربی زبان کا لفظ ہے مؤنث ہے اور اس کا مطلب ہے تعریف و توصیف مگر صرف خدا کی تعریف و توصیف۔یہ لفظ صرف خدا کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ثنا کسی انسان کی بھی ہو سکتی ہے مگر حمد صرف خدا کی۔''(۲)

سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کے جتنے بھی مدیر آئے وہ سب اسلام سے والہانہ عشق رکھنے والے ہیں۔ اسلام کے عاشق ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیار و محبت میں

مستغرق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس مجلے کا کوئی بھی ایسا شمارہ نہیں ہے۔ جس کا آغاز حمد اور نعت سے نہ ہو اور یہ سب ان کی دین اسلام سے وابستگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

شاعری میں حمد ایک معروف صنفِ شاعری ہے جس کی تعریف و ترجمہ سے متعلق لکھنا باعث تعجب و حیرت دکھائی دیتا ہے۔ حمد عربی زبان کا لفظ ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر تنقیدی اصطلاحات میں اس کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"بصورت دیگر شعرا، خدا کی تعریف و توصیف، اس کے خالق کائنات اور قادر مطلق ہونے کا اعتراف، مخلوق کے باعث انسان کی بے بظاعتی کا اظہار اور اپنی گناہوں پر عفو اور بخشش طلبی۔"(۳)

اسلامی ممالک میں جتنی بھی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان سب میں حمد مل سکتی ہے۔ قدیم اساتذہ، دیوان کا آغاز حمد و نعت سے کرتے تھے۔ حمد کے حوالے سے طاہر سلطانی یوں رقمطراز ہیں:

"اُردو میں بھی اوّلین مجموعہ "حمد دیوان ایزادی" ۱۳۲۷ھ میں لکھنو سے شائع ہوا۔ اس مجموعہ کے خالق مفتی محمد سرور لاہور ہیں۔ دوسرا مجموعہ حمد معطر خیر آبادی کا نذر خدا کے نام سے ۱۹۸۰ء میں کانپور سے شائع ہوا۔ تیسرا مجموعہ امتنہ اللہ تفہیم کا باب کرم ۱۹۵۴ء میں انڈیا سے شائع ہوا۔ پاکستان میں پہلا مجموعہ حمد ترتیب کے لحاظ سے چوتھا "پتھر سے آگ" ۱۹۸۰ء کو لاہور سے شائع ہوا۔ اس مجموعہ کے خالق عبدالسلام ہیں۔ ۳۰ شعراء کرام کے ۳۶ مجموعہ ہائے حمد شائع ہوئے ہیں۔" (۴)

سہ ماہی مجلہ " ادبیات" میں حمد کے عنوان سے ترجمہ ہو کر شائع ہونے والی نظموں میں مختلف موضوعات پڑھنے کو ملتے ہیں۔ ان موضوعات میں سے ایک موضوع اللہ تعالیٰ کی ذات کی لامحدود عظمت اور بزرگی ہے۔ اگرچہ اس کی ذات ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے لیکن اس کی طاقت و عظمت کی گہرائی و گیرائی نہیں ہے۔ وہ ہماری آنکھوں سے تو اوجھل ہے لیکن دنیا کی کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس حوالے سے پشتو کے شاعر ایوب صابر کی لکھی ہوئی ایک حمد کا نمونہ پیش خدمت ہے۔ جس کے مترجم انجم یوسفزئی ہیں:

"ظاہر میں مفقود ہے
باطل میں لا محدود ہے
لامکاں ہے مگر موجود ہے

ہر کس و نا کس کا ہے

یہ دعا کا پہلا لفظ ہے

میرا کوئی نہیں، میرا ہے''(۵)

اللہ تعالیٰ کی ذات واحدہ لاشریک ہے۔ وہی ایک ایسی ذات ہے جو عبادت کے لائق ہے۔ ہماری ساری پریشانیوں کا حل اس کے پاس ہے۔ اس لیے اپنی ساری مصیبتوں کو دور کرنے کی التجا اسی ذات سے کی جائے۔ کیونکہ اس ذات باری تعالیٰ کو ہمارے سارے مسائل کا علم ہے۔ اس لیے اس ذات کے آگے سر بسجود ہو کر اپنے دکھوں کی داستان بیان کی جائے۔ اس داستان کا اظہار صرف دل میں ہی کیا جائے۔ زبان پر حرف شکایت نہ لائی جائیں۔ ان کلمات کا اظہار پوٹھوہاری حمد میں یوں بیان ہوا ہے:

''جہاں تک ہو سکے

اس کے نام کی

تسبیح جاپو

وہ جو رہتا ہے

دل کے نزدیک

جو مانگو

وہ دیتا ہے

پر جو مانگو

دل میں مانگو

منہ سے کچھ نہ بولو''(۶)

اکبر علی غازی اس حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

''حمد لکھنے کا سب سے خالص انداز وہ ہے جس میں شاعر اللہ سے کچھ نہیں مانگتا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی اور خوشنودی کے لیے تعریف و ستائش کے ترانے گاتا ہے، اس کی پاکی بیان کرتا ہے اور عظمتوں کے گن گاتا ہے۔ اسے رنگ تسبیح و تہلیل کا رنگ بھی کہا جا سکتا ہے۔''(۷)

ان حمدیہ اشعار میں ذات باری تعالیٰ کی لامحدود عظمت اور اس کی حکمرانیوں کے گن گائے گئے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ جو بات مانگنی ہو وہ لب پر لائے بغیر مانگی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات دل کے سارے بھیداور راز جانتی ہے۔ وہ ذات انسان کے قریب ترین ذات ہے اس سے زیادہ اور کوئی نزدیک نہیں ہے۔" اللہ تعالیٰ تمہاری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔" (۸) یہ صفات قدسیہ ہیں۔

تمام صفات کا مرکز و محور اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ وہ ہر حال میں ہر لمحے میں اور ہر وقت میں قادرِ مطلق ہے۔اس کی قدرت اوراس کی عظمت سے کوئی ماورا نہیں۔ وہ اوّل بھی ہے اور آخر بھی، وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ وہ قادر دوجہاں ہیں۔اس کی سلطانی مکاں ولامکاں سے بھی آگے ہے۔ دنیا میں اگرچہ بہت سے حاکم اور حکمران ہیں۔ لیکن اس جیسی حکمرانی کسی کو بھی زیب نہیں دیتی۔ کوئی بھی ایک ایسا واقعہ ہو جس سے وہ پوشیدہ نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کی لامحدود صفات کا موضوع ایک ایسا موضوع ہے جس پر اکثر پاکستانی زبانوں کے شعراء نے قلم فرسائی کرنے کی کوشش کی ہے۔ زیرِ نظر ہندکو زبان کی حمد میں بھی اللہ تعالیٰ کی ان گنت عظمتوں کے گن گائے گئے ہیں۔ یہ حمد صوفی عبدالرشید کے قلم سے لکھی گئی ہے جبکہ مترجم کے فرائض اختر رضا سلیمی نے سرانجام دیئے ہیں:

"تو ہی اوّل تو ہی آخر
تو ہی باطن، تو ہی ظاہر
جتنے ہیں سنسار
سب کا تو ہی پالن ہار
ساری مخلوقات کا مولا
تو ہی پالن ہار
تو ہی آقا، تو ہی مالک
تو باقی اور سارے ہالک
ساری سرکاروں سے تیری
اونچی ہے سرکار" (۹)

ان اشعار میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو ایک اعلیٰ و عرفہ ذات کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور اُسے سب کا مالک و مولا قرار دیا گیا ہے۔ اکبر علی غازی اس بارے میں یوں لکھتے ہیں:

> ''ہر اسلامی معاشرے میں عقیدہ توحید کو مرکزیت حاصل ہوتی ہے۔۔۔اور اس عقیدہ کا پہلا تقاضا اللہ جل شانہ کو ایک، اکیلا اور ہر شے کا پیدا کرنے والا ماننا ہے اور توحید کا سب سے بڑا مظہر اللہ علیم و بصیر کی تعریف و توصیف اور ثنا ہے جسے ادبی اصطلاح میں حمد کہا جاتا ہے۔''(۱۰)

رحمان بابا کا شمار پشتو کے عظیم شعراء میں ہوتا ہے۔ نقادانِ ادب لکھتے ہیں کہ ادبیات فارسی میں جو مرتبہ و شہرت لسان الغیب خافظ شیرازی کو حاصل ہے۔ پشتو میں رحمان بابا کی مقبولیت انھی کی طرح ہے۔ زمینی مسرت، آسمانی محبت، سادگی، عمق، رسوم و قیود سے آزادی، وسیع المشربی حافظ کے کلام کی مقبول خصوصیات ہیں۔ رحمان بابا کے کلام میں یہ خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ سادگی، روانی اور سلاست کلام، رحمان کا امتیازی وصف ہے۔ نقادان سخن نے تجزیہ کرتے ہوئے تسلیم کر لیا ہے کہ رحمان کے دیوان میں ایک شعر بھی پیچیدہ یا متبذل نہیں پایا جاتا۔ اور نہ ہی کوئی شعر ایسا ہے جس کی تشریح کے لیے مختلف لغات دیکھنا پڑیں۔

رحمان بابا ایک صوفی منش شاعر تھے۔ تصوف کیا ہے؟ تلاش حقیقت میں سرکرداں ہونا اسلامی تصوف کا منبع اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک ماننا ہے۔ توحید کی معنی صرف ایک اللہ کی ذات کی عبادت اور بندگی کے ہیں۔ مسلمانوں کی ملی قوت کا راز توحید میں مضمر ہے۔ توحید محض عقائد یا علم کلام کی اصطلاحات کا نام نہیں بلکہ ایک زندہ و تابندہ قوت کا نام ہے۔ رحمان بابا نے اپنے کلام کی ابتدا ہی خداوند تعالیٰ کی حمد و ثنا سے کی ہے۔ گویا اکثر صوفی شاعروں کی طرح رحمان بابا نے بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے موضوع پر قلم فرسائی کرنے کی کوشش کی ہے:

''دیکھو جس پر ہے آسرا میرا
ہے وہ مختار کل خدا میرا
مدعی جتنے ہیں بزرگی کے
سب کا رہبر ہے رہنما میرا''(۱۱)

درج بالا اشعار ایک صوفی شاعر کی عکاسی کرتے ہیں۔ الغرض رحمان بابا، اپنے عہد کے لافانی مفکر، عظیم المرتبت شاعر اور اسلامی تعلیمات کے بہت بڑے مبلغ گزرے ہیں۔آپ کا کلام دکھی انسانیت کے لیے حیات افروز پیغام بلکہ چراغ راہ ثابت ہو سکتا ہے۔قدیم دور کے شاعروں میں ان کو کلاسیکی شاعر ہونے کا شرف حاصل ہے۔م۔ر۔ شفیق کلام رحمان پر یوں گفتگو فرماتے ہیں:

> ''پشتو ادب نے ہر دور میں اچھے اچھے شاعر اور حکیم پیدا کر لیے ہیں۔اور ملک الشعراء خوشحال خان خٹک کی شاعرانہ عظمت مسلم ہے۔دوسری خصوصیات کے علاوہ قادر الکلامی اور اصناف سخن میں پیش رفت کرنے کی اولیت کا سہرا بھی خان عیلین مسکان کے سر ہے لیکن جو مقبولیت پشتون قوم کے عوام وخواص میں رحمان بابا کو حاصل ہے وہ آج تک کسی شاعر یا ادیب کے حصے میں نہیں آئی۔'' (۱۲)

سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کی پاکستانی ادب کی حمدیہ شاعری موضوعاتی سطح پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے لبریز نظر آتی ہے۔اس حمدیہ شاعری میں تصوف، عشق، حقیقی اللہ تعالیٰ کی معرفت ،اس کی ذات کے لامحدود اختیارات، عظمت، بزرگی، بڑائی، وحدت الوجود، وحدت الشہود اور اس کی مخلوق خدا سے محبت کے موضوعات بکثرت موجود ہیں۔

موضوعاتی سطح پر مجلہ '' ادبیات''کی حمدیہ شاعری پاکستان میں شائع ہونے والی حمدیہ شاعری سے کسی طرح کم نہیں ہے۔دیگر رسائل و جرائد میں شائع ہونے والی حمدیہ شاعری کی طرح اس مجلے میں شائع ہونے والی شاعری کے معیارات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ حمدیہ شاعری، شعری اصناف کی مختلف اقسام میں دیکھی جاسکتی ہے۔ نظم، غزل، مرثیہ، مثنوی،رُباعی،ہائیکو یا سانیٹ وغیرہ میں حمدیہ اشعار لکھنے کا رجحان ملتا ہے۔ اکثر شاعر اپنے شعری مجموعوں، کلیات یا دیوان کی ابتدا عام طور پر کسی حمد کے اشعار سے کرتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں خدائے ذوالجلال کی مدح سرائی اور عقیدہ توحید کو اولیت حاصل ہے۔

سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کے تمام شماروں کا آغاز حمد سے ہوا ہے۔ دیگر رائج الوقت رسائل و جرائد سے یہ اس کی مماثلت ہے۔ اگرچہ دورِ حاضر کے بعض ادبی رسائل و جرائد اس بات سے انحراف کرتے ہوئے حمد کے بغیر بھی رسائل و جرائد شائع کر رہے ہیں۔

ii. نعت کے موضوعات کا جائزہ:

نعت عربی زبان کا لفظ ہے جس کی جمع نعوت ہے اس کے لغوی معنی تعریف۔ نظم میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف۔ (۱۳)

اصطلاحی معنوں میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے اظہار محبت کے لئے مخصوص صنف سخن۔ اس میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصاف حمیدہ، سراپا مبارک اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے دیگر پہلوؤں اجاگر کیے جاتے ہیں۔ (۱۴)

اُردو کی اکثر اصناف ادب فارسی سے مستعار ہیں۔ نعت پہلے عربی میں لکھی اور پڑھی گئی۔ پھر فارسی میں اور پھر فارسی سے ہوتے ہوئے اُردو میں آئی مسلمان جہاں جہاں بھی مقیم ہوئے، انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات سے محبتوں کی طاقت کا اظہار نعت کی صورت میں ضرور کیا۔

نعت، مذہبی شاعری کی ایک ایسی اصطلاح ہے جس میں محسن انسانیت، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کے خصائص و محاسن، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے حیات آفرین پیغام، سیرت طیبہ، اوصاف و کمالات، اخلاق حسنہ اور سوانح مبارک عقیدت و محبت کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں۔ گویا، نعت موضوع کے اعتبار سے صنف شاعری ہے اور اس کا موضوع سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح ہے۔ نعت قصیدے کی ایک صورت ہے۔ جس طرح قصیدے میں ممدوح کی خصوصیات بیان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی بالکل اسی طرح نعت میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ کا اظہار دل کھول کر کیا جاتا ہے۔ جدید شعرائے نعت نے اس صنف میں بیان کے نئے موضوعات اور اظہار کے اسالیب نو تلاش کیے ہیں۔ چنانچہ نعت میں ذات کا کرب، آشوب عصر اور غمِ حالات کے موضوعات بھی شامل ہوئے ہیں۔

عربی میں نعت کے لیے ''المدیح النبوی'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور نعتوں کے مجموعہ کے لیے ''المدائح النبویہ'' کا نام موسوم ہے۔ بحر الفصاحت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے نعت کا لفظ استعمال کیا اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے نعت گو شاعر تھے۔ عربی زبان کے اوّلین نعت گو شعراء میں حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اعشیٰ کے نام خاصے اہم ہیں۔

ڈاکٹر محمد اشرف کمال ابتدائی نعت گو شعراء کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''نعت کا آغاز مکہ سے ہوا۔ ابو طالب کے قصیدہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت کے اشعار موجود ہیں۔ جن کو ہم سب سے پہلی نعت قرار دے سکتے ہیں۔ ان کے بعد بچیوں کے وہ گیت متاثر کن ہیں جو اُنھوں تاجدار حرم کی شان میں آپ کے مدینہ تشریف لانے پر استقبال کے موقع پر گائے۔۔۔۔۔۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ جلیل القدر نعت گو ہیں جن کے لیے مسجد نبوی میں ایک منبر مخصوص کر دیا گیا تھا جس پہ کھڑے ہو کر وہ شان نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں اپنے اشعار پڑھا کرتے تھے۔ حضرت کعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت سفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی نعتیہ کلام لکھا۔''(۱۵)

نعت، ایسی صنف شاعری ہے جس میں تقریباً ہر مذہب سے تعلق رکھنے والے شعراء نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات مقدسہ سے اپنی والہانہ محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ہندوؤں کے نامور شاعر کالی داس گپتا رضا نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں کئی نعتیں لکھی ہیں۔ اسی طرح جرمن زبان کے مشہور مفکر شاعر اور دانشور گوئٹے نے بھی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں نعتیہ نظم لکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے بے پناہ محبت اور عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ دیگر کئی غیر مسلم شعراء نے بھی نعتیہ کلام کے ذریعے اللہ کے نبی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کیے ہیں۔

اُردو نعتیہ شاعری میں موضوعات کی کوئی قید نہیں ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس سے مختلف شعراء نے الفت و محبت کا اظہار مختلف موضوعات کے تحت کیا ہے۔ حضور اکرمؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مقدسہ سے الفت و محبت کا اظہار کے لیے ہر شاعر کی کوشش رہی ہے کہ وہ کسی نئے موضوع سے آپؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات کی کے گوشے بیان کریں۔ گویا موضوعاتی سطح پر نعت کو بھرپور پذیرائی ملی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے موضوعات میں جدّت اور ندرت آئی ہے۔اس ضمن میں علیم صبانویدی کی گفتگو خاصی غور طلب ہے:

"نعت شاعری کی بڑی مشکل صنف ہے۔اس میں جتنی حدبندیاں اور پابندیاں ہیں اتنی کسی اور ہیئت میں نہیں۔ اس میں پیش ہونے والے موضوعات میں جدید ادب سے سرِ مو بھی تجاوز نہیں کیا جاسکتا۔ جدت پسندی بھی ایک خاص حد تک اس میں روا رکھی جاسکتی ہے۔اس ہیئت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت و عقیدت، ارادت اور عزت و احترام جزو کل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نعت لکھنے سے پہلے شاعر کو فن سے واقفیت اور زبان پر کامل دسترس کے ساتھ ساتھ تاریخی شواہد، قرآنی تفسیر اور حضور کی سیرت سے متعلق نہ صرف صحیح معلومات کا ذخیرہ ذہن و دل میں ہو بلکہ اسلامی قدروں کا غائر مطالعہ بھی اشد ضروری ہے۔ نعت گوئی کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مرتبہ شناسی اور روحانی تجسس بھی ضروری ہے۔"(۱۶)

سہ ماہی " ادبیات" کی ترجمہ ہونے والی نعتوں میں متفرق موضوعات دیکھے جا سکتے ہے۔ کاملیت، رسالت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے دین کی تکمیل ہوگئی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو دین کامل عطا فرمایا گیا جو تمام انسانیت کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کسی دوسرے دین کی اب کوئی ضرورت نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ سورۃ المائدہ میں فرماتے ہیں:

"آج میں پورا کرچکا تمہارے لیے دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔"(۱۷)

رحمان بابا کی ترجمہ کی ہوئی نعت میں یہ موضوع خوبصورتی سے بیان ہوا ہے:

"تو کمال کاملیت اختتام انبیاء

یہ عمل اللہ تیرے بعد دوہراتا نہیں
اوّل و آخر کھویا ظاہر و باطن کھو
جو سمجھتا ہے تجھے ٹھوکر کہیں کھاتا نہیں"(۱۸)

رحمان بابا پشاور کے ایک ایک مہمند گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ایک علمی لیکن ایک غریب گھرانے سے تھا۔ جس کی وجہ آپ کے حالات زندگی پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ پختونخواہ میں رحمان بابا کی روحانی شاعری کا غلغلہ بلند ہوا تو اس وقت یہ قوم سیاسی انحطاط کا شکار تھی اور ہندوستان میں مغلوں کے اقبال کا ستارہ بھی ٹمٹمارہا تھا۔ کسی دانا کا قول ہے کہ شاعری میں وہ طلسمی چراغ ہے جو ہمیشہ زوال کے اندھیروں میں روشن ہوتا ہے اس وقت بھی پشتون قوم تنزلی کا شکار تھی لیکن یہی وقت پشتو شاعری کے عروج کا زمانہ تھی۔ اس وقت کے نامور شعراء میں خوشحال خان خٹک، دولت خان، اشرف خان ہجری، عبدالقادر خٹک اور کاظم خان شیدا جیسے شعراء شامل تھے۔ رحمان بابا کا تعلق بھی اسی دور کے شعراء میں سے تھا۔ شعری اصناف غزل، نظم اور نعت میں ان کی شاعری نہایت اعلیٰ پائے کی ہے۔ م۔ ر۔ شفیق آپ کی شاعری پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ادبیات فارسی میں جو مقام و منزلت لسان الغیب حافظ شیرازی کو حاصل ہے۔ پشتو میں رحمان بابا انھی کی مثیل ہیں۔ زمینی مسرت، آسمانی محبت، سادگی عمق، رسوم و قیود سے آزادی، وسیع المشربی حافظ کا خاصا ہے۔ رحمان بابا ان کے ہم سر، ہم آواز اور ہم خیال ہی نظر آتے ہیں۔"(۱۹)

نعتیہ شاعری ایک مخصوص جذبے سے اپنی پروان کرتی ہے جو دل کا خون عقل کی آنچ پر جلانے سے وجود میں آتی ہے۔ اس سچے جذبے کو مقبول عام میں " عشق" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایک بندہ مومن یہی عشق اپنے خالق سے بھی کرتا ہے۔ یہ عشق بھی اظہار چاہتا ہے۔

عشق کے اظہار کی مختلف صورتیں ہیں۔ عشقیہ جذبات و احساسات جب اظہار کا روپ دھارتے ہیں، گر منظوم ہو تو ان کو نعت کہا جاتا ہے اور غیر منظوم ہو تو سیرت پاک کہلاتی ہے۔ نعت گوئی عام شاعری کی طرح ریاضت سے بہتر نہیں ہو سکتی۔ یہ تو عشق و محبت کی باتیں ہوتی ہیں جن میں اخلاص کی چاشنی شامل ہوتی ہے۔ عشق و محبت کی یہ شمع جب روشن ہوتی ہے تو وہ وقت کی بھٹی میں پکتے پکتے نعت کا روپ دھار لیتی ہے۔

گویا نعت گوئی محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے عشق و محبت کا والہانہ اظہار ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر شعراء نے دل کھول کر لکھا ہے۔ خورشید ربانی کی نعت کے چند اشعار پیش خدمت ہیں جن کا ترجمہ سید ضیاء الدین نعیم نے کیا ہے:

"شوق رہبر ہوا، دل کو رستہ ملا، نعت لکھتا رہا
میری سوچوں میں ہر دم مدینہ رہا، نعت لکھتا رہا
لوگ بھاگوں بھرے، در پہ جاتے رہے، فیض پاتے رہے
میں بھی جانے کی امید دل میں بسا، نعت لکھتا رہا
دل تڑپتا رہا، درد سہتا رہا، بخت یاور ہوا
نعت سنتا رہا، نعت پڑھتا رہا، نعت لکھتا رہا"[۲۰]

حدیث قدسی ہے:

لولاک لما خلقت الدنیا

ترجمہ: اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا پیدا نہ کرتا۔[۲۱]

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات باعث تخلیق کائنات ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر شاعروں نے کھل کر اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کیے ہیں۔ مولانا ظفر علی خان اس موضوع پر یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں، یہ روپ نہ ہو سیّاروں میں

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال یوں گویا ہوتے ہیں:

تیرا جوہر ہے نوری، پاک ہے تو
فروغ دیدۂ افلاک ہے تو
ترے صید زبوں فرشتہ وحور
کہ شاہین شہ لولاک ہے تو!

رحمان بابا کی لکھی ہوئی نعت میں یہ موضوع نہایت عمدہ اور اچھے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ مترجم کے فرائض محمد طٰہٰ نے سر انجام دیئے ہیں:

"گر تیری صورت وضع فرماتا نہیں
دو جہاں کو زندگی کا سانس بھی آتا نہیں
کاتب تقدیر بھی پیدا نہ کرتا کائنات
نام تیرا وہ اگر تحریر میں لاتا نہیں
عرش وکرسی اور یہ ارض و سما ہوتے نہیں
نور تیری ذات کا گر جلوہ دکھاتا نہیں"(۲۲)

معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نعتیہ شاعری کا ایک ایسا موضوع ہے۔ جس پر کثرت سے نعتوں کے گلدستے مل سکتے ہیں۔"ادبیات" پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں واقعہ معراج کے موضوع پر نعتیہ شاعری کے نمونے موجود ہیں۔ مولانا عبداللہ جان درخانی کی نعتیں اس حوالے سے پیش کی جاتی ہے:

"حضرت محمد ﷺ نور خداوندی ہیں۔
کائنات اُن ﷺ کی برکت سے تخلیق ہوئی۔
وہ سب کی روح وجاں ہیں۔
فرشتے، جنات اور انسان سب کو
آپ ﷺ کے امتی ہونے کا شرف حاصل ہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام حرف طور تک پہنچ سکے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسائی آسمان چہارم تک محدود تھی۔
مگر حضرت محمد ﷺ کی معراج عرش سے بھی بلند تر ہے۔"(۲۳)

نعتیہ شاعری میں موضوعات کی کثرت ہے۔اور یہ کثرت سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے تحت پاکستانی زبانوں سے اُردو زبانوں میں ہونے والی نعتوں میں بھی موجود ہیں۔ ان تراجم میں میلاد، ولادت، واقعہ معراج، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیدائش، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات، سیرت وکردار، رحمت اللعالمین، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بحیثیت محسن انسانیت، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بحیثیت صادق اور امین، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا حلیہ مبارک اور سراپا نگاری۔ گویا حضور نبی کریم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی اور سیرت و کردار کے حوالے سے کوئی موضوع ایسا نہیں ہے جو اس مجلے کے نعتیہ کلام میں شائع نہ کیا گیا ہو۔ پروفیسر انور جمال نعت کے موضوعات کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

> "نعت موضوع کے اعتبار صنفِ شاعری ہے اور اس کا موضوع سرورِ کائنات (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی مدح ہے۔ نعت قصیدے کی ایک صورت ہے۔ جدید شعرائے نعت نے اس صنف میں بیان کے نئے موضوعات اور اظہار کے اسالیب نو تلاش کیے ہیں، چنانچہ نعت میں ذات کا کرب، آشوب عصر اور غمِ حالات کے موضوعات بھی شامل ہوئے ہیں۔"(۲۴)

موضوعاتی سطح پر نعتیہ شاعری میں ہمہ گیریت اور وسعت پائی جاتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ نعتیہ موضوعات میں نکھار پیدا ہوا ہے اور ان موضوعات میں جدت اور ندرت بھی آئی ہے۔ یہ موضوعات، نعتیہ اُردو ادب سے مماثلت رکھتے ہیں کیونکہ اُردو ادب کی نعتیہ شاعری میں اسی قسم کے موضوعات پڑھنے کو ملتے ہیں۔ ان تراجم نے اُردو نعتیہ شاعری کے فروغ میں ایک اہم پیش رفت کی ہے۔ یعنی اس جریدے کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم نے اُردو ادب کی طرح نعت کے موضوعات کی کثرت کو اپنے شماروں میں شائع کرنے کا اہتمام کروایا ہے جس سے دیگر رسائل و جرائد اور اُردو ادب میں اس مجلے کی خدمات اُردو تراجم کے لحاظ سے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

iii. نظم کا موضوعاتی جائزہ:

نظم کے لغوی معنی بندوبست، پرونا، موتیوں کو دھاگے میں پرونا، کلام موزوں وغیرہ کے ہیں۔ ضد نثر کو بھی نظم کی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اصطلاح میں نظم، شاعری کی ایک ایسی قسم ہے جس کا ایک عنوان ہو اور وہ کسی ایک موضوع پر لکھی جائے۔ ڈاکٹر محمد اشرف کمال نظم کی تعریف یوں لکھتے ہیں:

> "نظم اشعار کے ایسے مجموعے کو کہا جاتا ہے جس کے تمام اشعار ایک ہی مرکزی خیال پر مبنی ہوں۔ عام معنوں میں منظوم کلام کو نظم کہا جاتا ہے اور بعض اوقات غزل کے علاوہ دیگر شاعری کو نظم کہہ دیا جاتا ہے۔ نظم میں کوئی بھی حسین موضوع پیش کیا جاسکتا ہے۔ نظم میں کوئی بھی فلسفیانہ، متصوفانہ اور داخلی و خارجی جذبات کی عکاسی ممکن ہے۔"(۲۵)

نظم کی مختلف ہیئتیں ہیں۔ نظم میں بحر اور قافیے کی پابندی بھی کی جاتی ہے لیکن بحر اور قافیے سے آزاد نظمیں بھی لکھی گئی ہیں۔ نظم میں موضوع کی کوئی قید نہیں ہے۔ یہ زندگی کے کسی بھی موضوع پر لکھی جاسکتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کی بہت سی اقسام ہیں۔ بلحاظ موضوع نظم کی قسمیں حمد، نعت، غزل، قصیدہ، مرثیہ،

شہر آشوب، واسوخت، ریختی، پیروڈی اور گیت وغیرہ ہیں۔ ہیئت کے لحاظ سے مثنوی، رباعی، قطعہ، مسمط، ترکیب بند و ترجیع بند، مستزاد جبکہ جدید نظم کے لحاظ سے پابند نظم، معریٰ نظم، آزاد نظم اور سانیٹ وغیرہ ہیں۔ پروفیسر انور جمال اس بارے میں یوں لکھتے ہیں:

> ''نظم شاعری کی بنیادی صنف ہے جو مختلف بندوں کو Stanzas کی صورت میں لکھے جانے سے تعلق رکھتی ہے۔ نظم کا شجرہ، ہیئت اور موضوع میں تقسیم ہو کر مختلف صورتیں پیدا کرتا ہے۔ مسدس، مخمس، مثمن، قصیدہ، مرثیہ، رُباعی، قطعہ، ترکیب بند، ترجیع بند، نظمِ معریٰ، نظمِ آزاد، سانیٹ وغیرہ نظم کی مختلف قسمیں ہیں۔''(۲۶)

سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کے پاکستانی ادب کے تراجم میں درج بالا نظم کی سبھی اقسام تو شامل اشاعت نہیں ہیں، تاہم ان اقسام میں سے اکثر ان شماروں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ یعنی حمد، نعت، غزل، گیت، رباعی، قطعہ، نظم معری، آزاد نظم وغیرہ اس مجلے میں کثرت سے شائع ہوتی ہیں۔ جاپان سے فروغ پانے والی نظم ہائیکو کے بھی اچھے نمونے مل سکتے ہیں۔ نثری نظم کے حوالے سے ایک پورا شمارہ شائع کیا گیا۔ اس شمارے کی خاص بات ہیں کہ اس میں شائع ہونے والی نظمیں تمام پاکستانی زبانوں یعنی بلتی، شنا، ہندکو، سرائیکی، کھوار، بلوچی، سندھی، پشتو، کشمیری، گوجری، پنجابی وغیرہ سے اُردو میں ترجمہ کر کے شائع کی گئی ہیں۔ اُردو تراجم کے فروغ کے ساتھ ساتھ قومی یکجہتی کے فروغ میں بھی اس میں مجلے کا کردار خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ تمام پاکستانی زبانوں کے تراجم سے پاکستان کے اندر رہنے والے تمام مکینوں کے رسم و رواج، رہن سہن اور تہذیب و ثقافت کا پتہ چلتا ہے۔ اس طرح ادبی خدمت کے ساتھ ساتھ اس مجلے نے پاکستان کے تمام لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس طرح اس مجلے کے قیام کا ایک مقصد یعنی ''قومی یکجہتی کو فروغ دینا'' اچھے طریقے سے پورا ہو رہا ہے۔

شیخ ایاز کا شمار، اُردو ادب کی ایک ہمہ جہت شخصیت کے طور پر ہوتا ہے۔ وہ اکثر پاکستانی زبانوں پر دسترس رکھتے ہیں۔ انھوں نے تقریباً ہر صنف ادب پر طبع آزمائی کی۔ اصنافِ شعری پر ان کا میلان بہت زیادہ تھا۔ ان کی نظمیں خاصے کی چیزیں ہیں۔ اُنھوں نے اپنی ایک نظم میں شعراء کی دور اندیشی کے موضوع کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ اس خوبصورت نظم کا ترجمہ بشیر عنوان نے کیا ہے۔ اس نظم کے اشعار دیکھیے:

''ابد کباڑ خانے کے میں

اصغر گونڈوی کی عینک

اور مولانا آزاد کی
چائے کی کیتلی نظر آرہی ہے
اور مولانا چائے پیتے ہوئے
سوچ رہے ہیں
اصغر گونڈوی کے مجموعہ کلام پر
پیش لفظ کیسے لکھوں
کیا میں وہ عینک لگا کر
اصغر گونڈوی کی طرح
کائنات دیکھ سکتا ہوں''(۲۷)

شعراء کی عظمت بیان کرنا شیخ ایاز کا پسندیدہ موضوع رہا۔ کئی نظموں میں اُنھوں نے شعراء کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ سندھی شاعری میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ان کی سندھی شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالجبار جونیجو یوں لکھتے ہیں:

''شیخ ایاز کے مجموعہ ہائے کلام، سندھی کے تمام شعراء سے زیادہ ہیں۔ زندگی کے آخری برسوں میں اُنھوں نے نہ صرف زیادہ لکھا بلکہ جذبات کے سمندر ان کی تحریروں میں موجزن ہیں۔ اگر کلام کے حسن اور زور بیان کو دیکھنا ہے تو وہ ترجمہ سے ہرگز حاصل نہ ہوگا۔ ایاز زیادہ بلند پایہ شاعر ہیں۔''(۲۸)

تحریک پاکستان کے لیے وہ ہستی جس نے لاکھوں مسلمانوں کے خواب کو تابندہ تعبیر کیا، وہ شخصیت حضرت قائدِ اعظم کی تھی۔ یہ قائدِ اعظم کی دوراندیشی تھیں جنھوں نے مستقبل کی جھلک دیکھتے ہوئے مسلمانوں کے لئے ایک علیحٰدہ مملکت کے قیام کو ممکن بنایا۔ سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' نے حضرت قائدِ اعظم کی خدمات کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لیے مختلف نظمیں لکھیں ہیں۔ ذیل میں الطاف صفدر کی سرائیکی نظم پیش خدمت ہے۔ اس کا ترجمہ خورشید ربانی کے قلم سے ہوا ہے۔ اس نظم میں حضرت قائدِ اعظم کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے:

''تیرا قد پہاڑوں جیسا ہے
تیرے سامنے

دنیا کے لوگ

بونے لگتے ہیں

تو نے ہی کھوٹے سکے

کھرے کئے ہیں

تیری سوچیں

شہداء کی سی پرواز رکھتی ہے

تیری سوچیں دشمن کے منہ پر طمانچہ ہیں

تو نے ہی

قوم کی آزادی کا تاج پہنایا ہے

تیرے دم سے ہی ہم خود مختار ہیں

یہ تیرا صدقہ جاریہ ہے''(۲۹)

قائداعظم کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کا موضوع ایک ایسا موضوع ہے جس پر بہت زیادہ لکھا گیا۔اس مجلے نے بھی حضرت قائداعظم کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لیے اس طرح کی بے شمار نظمیں اپنی شماروں کی زینت بنائی ہیں۔

زندگی میں انسان کی تلاش و جستجو بھی جاری و ساری رہتی ہے۔زندگی کے آغاز سے لے کر اس کے ختم ہونے تک وہ مسلسل تگ و دو میں لگا رہتا ہے۔بلوچی زبان میں ایک نظم زندگی کے موضوع پر لکھی گئی ہے تخلیق کار کا نام عباس علی زیمیؔ ہے جبکہ مترجم واحد بزدار ہیں۔اس نظم کے اشعار دیکھیں:

''زندگی

رستہ!

یہ طویل و بے سمت رستہ

نہ جانے منزل کہاں ہے...........اور

ایک بے جہت زندگی

اس راستے پر گامزن ہے،

نہ جانے کب تک؟

مگر راستے میں اس کاوش کیا ہے
کہ زندگی خود بے جہت ہے''(۳۰)

اکلاپا (تنہائی) ایک ایسے پیچیدہ ناخوشگوار رد عمل کا نام ہے جو سماج میں اکیلے رہنے کے نتیجے میں نمودار ہوتا ہے۔ تنہائی کی وجوہات مختلف ہو سکتی ہیں۔ عموماً انسان دماغی، جسمانی، جذباتی یا سماجی عوامل کی وجہ سے تنہائی کا شکار ہوتے ہیں۔ اکیلا پن اصل میں ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔ شاید اس میں جذبات کا عمل دخل بھی ہوتا ہے۔

اکلاپا (تنہائی) کے موضوع پر مجلہ '' ادبیات'' کے پاکستانی ادب کے تراجم میں نظموں کے نادر نمونے مل سکتے ہیں۔ حسن رضا گردیزی کی سرائیکی نظم حوالے کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔ ترجمہ حسین سحر نے کیا ہے:

''تنہائی
مجھ کو بھی بے یار و مددگار نہ سمجھو
ہر گھڑی ساتھ میرے رہتی ہے محفل میری
تو میری خاک نشینی پہ بہت رحم نہ کھا
تیری سوچوں سے بہت دور ہے محفل میری
مجھ کو انسان کا غم دیتا ہے نغمے غم کے
مجھ کو یہ ایسے مقامات پر لے جاتا ہے
جہاں لاہوت کی منزل کے پیام آتے ہیں
سامنے رومیؒ و اقبالؒ نظر آتے ہیں''(۳۱)

مذہبِ اسلام میں ماں کی بہت زیادہ عظمت بیان کی گئی ہے۔ ماں شفقت، خلوص، محبت اور قربانی کا وہ نام ہے جس پر کچھ لکھنا سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ ماں کے لفظ میں ایسی کشش ہے جس کو سوچتے ہی ٹھنڈک، پیار، خلوص اور سکون کا احساس ہوتا ہے۔ سردی ہو یا گرمی، دھوپ ہو یا چھاؤں، اس کی محبت میں کبھی بھی کمی نہیں آتی۔ اس عظیم ہستی نے نہ تو کبھی کسی پر احسان جتایا ہے اور نہ ہی اپنی محبتوں کا کسی سے حصہ مانگا ہے۔ یہ بغیر کسی لالچ کے اپنا خلوص و محبت اولاد پر قربان کرتی ہے۔ ماں کی محبت کے سمندر کا دائرہ لامحدود ہے۔ وہ صرف اور صرف اپنی اولاد کی بہتری چاہتی ہے۔ اس کی دعائیں سائے کی طرح اولاد کا پیچھا کرتی

ہیں اور بڑی سے بڑی مصیبت کو بھی ٹال دیتی ہیں۔ لیکن اگر وہ اداس اور پریشان ہو تو اس کی دعائیں عرش کو بھی ہلا کر رکھ دیتی ہیں۔ اسلام میں والدین، خصوصاً والدہ سے حسن سلوک کرنے کا زور دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! تیری ماں۔ تین بار آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ماں کا کہا اور چوتھی بار باپ کا کہا۔ گویا اسلام میں ماں کی ہستی ادب واحترام کے لحاظ سے نہایت بلند مقام پر ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال اپنی ماں کے چہرے کو تسبیح کے دانوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ”ادبیات“ میں ماں کے موضوع پر کثیر تعداد میں نظم کا ذخیرہ موجود ہے۔ پاکستانی زبانوں کے تراجم میں بھی ماں کے موضوع پر مواد موجود ہے۔ پروفیسر ارشد علی کی ماں کے موضوع پر لکھی گئی نظم پیش کی جاتی ہے۔ گوجری زبان سے ترجمہ غلام سرور رانا نے کیا ہے:

”ماں
تو تو کہتی تھی
چھت پر کوّا بول رہا ہے
تمہارا باپ شہر سے آئے گا
تمہارے لئے میٹھی چیزیں لائے گا

پر ماں
اب دیکھ لو
ہمارا باپ تو کوئی نہیں آیا
چھت پر بیٹھا کوّا
میرے ہاتھ سے
روٹی لے کر بھاگ گیا۔“(۳۲)

گذشتہ کچھ سالوں سے پاکستان میں دہشت گردی ایک اہم موضوع بنا ہوا ہے۔ دہشت گردی خوف و ہراس کی ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جس میں چند مذموم مقاصد کے لیے قصوروار اور بے قصور کی تمیز کیے بغیر عام شہریوں سمیت ہر ممکنہ ہدف کو ملوث کرتے ہوئے وسیع پیمانے پر تباہی و بربادی کی جاتی ہے۔ ان مذموم مقاصد کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ دہشت گردی کی کئی مختلف صورتیں ہوتی ہیں جیسے اغوا برائے تاوان،

قتل، بھتہ خوری، انسانیت پر ظلم و ستم وغیرہ۔ اسلام پُر امن مذہب ہونے کی وجہ سے دہشت گردی کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ قرآن مجید میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو رحمت اللعالمین یعنی تمام جہانوں کے لیے رحمت قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں دہشتگردی کرنے والے کے لیے سخت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ سورہ مائدہ کی ایک آیت کا ترجمہ ہے۔

''جس نے ایک انسان کو ناحق قتل کیا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا۔''(۳۳)

پاکستان میں پچھلے کچھ سالوں سے دہشت گردی کے بے شمار واقعات ہوئے۔ دہشت گردوں نے نا صرف اس ملک کے بازاروں پر دہشت گردی کے واقعات کیے بلکہ چلتی بسیں اور ٹرینیں بھی ان حادثات کا شکار ہوئیں۔ ان سب پر بس نہ کرتے ہوئے دہشت گردوں نے معصوم بچوں کو ان کے سکولوں میں بھی دہشت گردی کی، جو ناقابل بیان ہے۔ جمشید ناصر کی لکھی ہوئی سرائیکی زبان کی نظم بعنوان ''سانحہ پشاور کے تناظر میں'' پیش کی جاتی ہے۔ ترجمہ طاہر شیرازی نے کیا ہے:

''سانحہ پشاور کے تناظر میں
نہ کر اب تو کوئی ارمان، پگلی
کہ ہے یہ کربلا میدان، پگلی
کتاب خونچکاں اور بوٹ اور بستہ
بھلا یہ کس کا ہے سامان، پگلی
یہ بچوں کا تھا مکتب، ہائے افسوس
بنا جو آج گورستان، پگلی
میرا تو لعل خون میں لال ہے اور
ہوا تیرا بھی کچھ نقصان، پگلی''(۳۴)

سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کافی عرصے سے بگڑی ہوئی روایات کی اصلاح کے لیے کوشاں ہے۔ یہ ہر صنف کو فلاح انسانیت کے لیے استعمال کرتا ہے۔ یہ اس مجلے کا خاصہ ہے کہ یہ منظومات سے قوم، ملک اور ملت اسلامیہ کے مسائل اجاگر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ان مسائل پر مشتمل ادب ان شماروں کی زینت بناتا ہے۔ یہ مسئلہ فلسطین کا ہو یا بوسنیا کا، چیچنیا کا ہو یا پھر ہمسایہ ملک افغانستان کا یا پھر جان سے عزیز کشمیر کا، سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' نے اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں کبھی بھی حیل وحجت سے کام نہیں لیا۔ ملت اسلامیہ کا جو بھی

مسئلہ ہو اس کو اُجاگر کرنے کے لیے اس مجلے کی خدمات پیش پیش ہیں۔ اس وقت جو نمونہ پیش کیا جا رہا ہے وہ ایک شاعر کا ملتِ پاک سے اپنی خواہشات و جذبات کا بھرپور اظہار ہے:

”پیارا　　ہمارا　　پاکستان

پاکستان　　ہے　　پیارا　　ہمارا

پیارا　　ہمارا　　پاکستان

آن　　مان　　ہماری،　　ہمارا

ہمارا　　دین　　ایمان

پیار　　ہمارا　　پاکستان

باغ　　جس　　گلزار　　سارے　　ہیں　　کے

زمیں،　　ہے　　آسمان

پیار　　ہمارا　　پاکستان“(۳۵)

نظم کی تقریباً ہر قسم کو سہ ماہی مجلہ ” ادبیات“ نے شائع کرنے کی جستجو کی ہے۔ آزاد نظم، پابند نظم، نثری نظم اور سانیٹ وغیرہ کے فروغ میں یہ مجلہ اپنی اشاعتوں کو مختص رکھے ہوئے ہے۔ ان اقسام میں جہاں روایتی شاعری کے نمونے ہیں۔ وہاں جدید شاعری کی نمائندگی کا اظہار بھی خوبصورتی سے ہوا ہے۔

سہ ماہی مجلہ ” ادبیات“ قدیم و جدید نظم کے فروغ میں اپنی سعی جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں روایتی موضوعات کے ساتھ ساتھ جدید موضوعات کا اظہار عمدگی سے ہو رہا ہے۔ نظم میں بہت زیادہ وسعت رنگارنگی اور تنوع موجود ہے جیسا کہ خود زندگی یا کائنات وسیع اور متنوع ہے۔ اس وسعت کی بنا پر نظم میں مذہبی، معاشرتی، تہذیبی، سیاسی، اخلاقی، حکیمانہ، فلسفیانہ اور عاشقانہ موضوعات و مسائل پر اظہارِ خیال کیا جاتا ہے۔ یہ سبھی موضوعات سہ ماہی مجلہ ” ادبیات“ کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں بدرجہ اتم موجود نظر آتے ہیں۔ اس مجلے میں ان موضوعات کا اظہار دلنشین اور موثر پیرائے میں بیان ہوا ہے۔

پاکستانی ادب کے نظم کے ان تراجم میں موضوعات کے لحاظ سے اُردو ادب کی نظم سے ہم آہنگی اور اشتراکات کا رجحان ملتا ہے۔ اس مجلے کی نظم کے اُردو تراجم میں وسعت اور ہمہ گیریت موجود ہے اور اُردو ادب کی نظمیہ شاعری میں یہ وسعت دورِ جدید اور دورِ قدیم میں دیکھی جاسکتی ہے۔ پاکستانی ادب کے تراجم کے ضمن میں اس کی نظمیں کافی اہمیت کی حامل ہیں۔ اُردو زبان و ادب کے فروغ میں ان تراجم کا کردار ایک اہم اضافہ

ہے۔ان تراجم کے موضوعات کی اُردو ادب کے موضوعات سے مماثلت اس جریدے کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

.iv غزل کا موضوعاتی جائزہ:

غزل، خالص عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی عورتوں سے گفتگو کے ہیں۔ گفتگو، عورتوں کے متعلق مختلف امور سے بھی ہو سکتی ہے۔پریشانی کے عالم میں ہرن کے بچے کے منہ سے جو غمناک کے آواز نکلتی ہے اس کو بھی غزل کا نام دیا جاتا ہے۔ڈاکٹر سٹن گاس کے نزدیک غزل کے معنی ''سوت کاتنا'' ہیں جبکہ قیس رازی غزل کے لفظ کو ''غزال'' سے مشتق قرار دیتے ہیں۔بلحاظ ہیئت غزل ایک ایسی صنف شاعری ہے جو چند اشعار پر مشتمل ہو۔ہر شعر کا مفہوم دوسرے شعر سے علیٰحدہ ہوتا ہے۔کچھ اشعار کے مفاہیم میں کچھ حد تک ہم آہنگی بھی ہو سکتی ہے۔پوری غزل میں ایک ہی بحر کا استعمال کیا جاتا ہے۔غزل کے ضروری لوازمات میں مطلع، مقطع، ردیف اور قافیہ شامل ہیں۔بغیر ردیف کے غزلیں بھی مروّج ہیں۔پروفیسر انور جمال غزل کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

> ''غزل مقبول ترین صنفِ شاعری ہے۔غزل، شاعری کا وہ پیکرِ حسن ہے جس میں پانچ یا زیادہ اشعار ہوتے ہیں۔ رمز، ایمائیت، سوز و گداز، موسیقیت اور ایجاز اس کے کیفیتی (باطنی) خواص ہیں۔وارداتِ حسن و عشق، کربِ ذات کا بیان، غمِ دوراں کا تذکرہ اس کے موضوعات ہیں۔''(۳۶)

شاعری کی مختلف اقسام میں غزل ایک مقبول صنفِ سخن ہے۔غزل مقبول ترین صنف کے ساتھ ساتھ بہترین صنف شاعری بھی ہے۔غزل کو اُردو شاعری کی آمد قرار دیا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ دنیا کی بہترین شاعری کے مقابلے میں اُردو کی جس صنفِ سخن کو پیش کیا جاتا ہے وہ غزل ہی ہے۔یہ غزل ہی ہے جو ہمارے جذبات واحساسات، تاریخ و تمدن، تہذیب و ثقافت، رہن سہن، مزاج، سیاست، معاشرت اور ذہنی کیفیات کی ترجمانی کرتی ہے:

> ''اصلاً غزل کے موضوعات مقرر تھے۔حسن و عشق، معرفت، عمریات، شیخ و ناصح پر طنز وغیرہ۔متوسطین اوران کے فوراً بعد کے شاعروں کی غزلوں میں شاذ کوئی غیر غزلیہ موضوع

کا بھی آجاتا تھا۔ جدید غزل کے لیے کوئی مضمون غیر غزلیہ نہیں۔ اب ہر قسم کے مطالب کو غزل میں پیش کیا جاتا ہے۔''(۳۷)

سہ ماہی مجلہ '' ادبیات''چونکہ قومی یکجہتی کا خواہاں ہے اس لیے اس نے پاکستانی زبانوں سے تراجم میں ہر صنف ادب کو معاشرتی ضرورت کے مطابق اشاعت میں ایک خاص مقام دیا ہے۔ اس مجلہ کے ہر شمارے میں غزلوں کی اشاعت تسلسل کے ساتھ ہوتی ہے۔ تاہم پاکستانی زبانوں سے تراجم کی گئی غزلیں عموماً ہر شمارے کا حصہ نہیں ہوتی۔ بعض شماروں میں پاکستانی زبانوں سے ترجمہ کی گئی غزلیں شامل اشاعت ہوتی ہیں اور بعض میں شائع کرنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ غزل کی قدر و قیمت جانے کے لیے مختلف مقالات بھی ان شماروں کی زینت بنتے ہیں۔ ان مقالات میں شاعری کی تکنیکی توضیحات پر بحث کی جاتی ہے۔

غزل کے مزاج میں چونکہ بہت زیادہ تنوع ہے اس لیے '' ادبیات'' میں تقریباً ہر موضوع یعنی جذبات و احساسات، تہذیب و ثقافت، تاریخ، مزاج، معاشرت اور ذہنی کیفیات کے مختلف مراحل پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ غزل میں موضوع کی وسعت کے حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر کی رائے میں:

> ''غزل میں آسمان تلے ہر بات، موضوع، مسئلہ کے بارے میں ہر نوع کے خیالات و تصورات کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ عشق (مذکر، مونث، مجازی، حقیقی) جنس، تصوف، افلاس، غم زمانہ، ذاتی احوال، نفسی اور نفسیاتی مسائل، نرگسی رجحانات، فرد، عصر اور معاشرہ سب نے غزل میں جگہ پائی ہے۔''(۳۸)

''اصنافِ ادب اُردو'' میں اس کے موضوعات کی وسعت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

> ''غزل ایک ہمہ گیر صنفِ سخن ہے۔ عام طور پر اس میں عشق و محبت کی واردات اور کیفیات کا بیان ہوتا ہے لیکن اس کا دامن اتنا وسیع ہوتا ہے کہ اس میں مذہب، اخلاق، تصوف اور رندی و سرمستی سے لے کر سیاسی و سماجی خیالات، فلسفیانہ مضامین اور مظاہر فطرت، تعریف و توصیف تک فکر و خیال کا کوئی گوشہ نہیں جو اس میں بیان نہ کیا گیا ہو۔''(۳۹)

غزل میں دراصل زندگی کے تمام معاملات، واقعات، تجربات، حادثات، دکھ درد اور غم والم کی ترجمانی بہتر انداز میں ہو سکتی ہے۔ یہ ایک ایسی صنفِ سخن ہے جس میں دلی جذبات و احساسات کے ساتھ ساتھ. عصری کرب کی عکاسی بھی احسن انداز میں کی جا سکتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ ایک وسیع موضوع ہے۔ امجد اسلام امجد غزل کی وسعت کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''سب سے پہلے ذہن کو ان سطحی تصورات سے آزاد کیا جائے جنھوں نے غزل کی درسی تدریس تنقید اور تعریف کے حوالے سے اس کو چند سکہ بند جملوں تک محدود کر کے رکھ دیا ہے مثلاً یہ کہ اس کا مطلب عورتوں سے یا عشق و عاشقی کی باتیں کرنا ہے۔اس کے سوز و گداز کا تعلق ہرن کی جانکنی کی نمائندہ چیخ سے ہے اور یہ کہ آمد ایک خالص الہامی اور آورد کوئی حسابی کتابی کیفیت ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ کیونکہ یہی وہ رویہ ہے جو میر کے یہاں بہتر نشتر تو دریافت کرتا ہے لیکن اس کی شاعری کا بیشتر زندگی آمیز اور زندگی آموز حصہ نظر انداز کر جاتا ہے۔''(۴۰)

غزل کا سب سے بڑا موضوع عشق و عاشقی ہے۔ غزل کے تقریباً ہر شاعر نے اس موضوع پر اظہار خیال ضرور کیا ہے۔ شاعری کے دیوان محبت واُلفت کے اشعار سے بھرے پڑے ہیں۔اس موضوع کے حوالے سے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

''عشق و عاشقی، غزل کا سب سے بڑا موضوع ہے اور عموماً غزل میں حسن و عشق کی مختلف کیفیات (مثلاً درد و غم، سوز و گداز، ہجر و صال، محبوب کا ظلم و ستم،اس کی بے وفائی اور ناز و ادا وغیرہ) کا بیان ہوتا ہے۔''(۴۱)

محبت والفت کی دنیا ایک ایسی دنیا ہے۔ جس میں مر مر کے جینا اور جی جی کے مرنا پڑتا ہے۔جب انسانی خواہشات کی تکمیل نہیں ہوتی تو وہ غم کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ غم اُسے محبوب کی جانب سے بھی ملتے ہیں اور اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے معاشرے سے بھی، کچھ غم زمانۂ ماضی سے بھی وابستہ ہوتے ہیں۔ گویا انسان کے درد و غم کی داستان طویل اور ناقابل بیان ہوتی ہے۔درد و غم کی یہ کہانی ہمیں شیخ ایاز کی آخری دور کی غزل سے مل سکتی ہے۔ جس کا اُردو ترجمہ آفاق صدیقی نے کیا ہے۔چند اشعار مثال کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں:

''دن رات کاٹے تو کیسے کٹے میں کیا جانوں میں کیا جانوں
اس دل نے کیا کیا دردسہے میں کیا جانوں میں کیا جانوں
ہر موج رواں مضرب بنی اور ساری عمر رباب ہوئی
دریا کی طرح ہے کیوں وقت بہے میں کیا جانوں میں کیا جانوں
بےتاب سرابوں میں کب تک بھٹکے کی روح تشنۂ لبی
کوئی جوئے آپ ملے نہ ملے میں کیا جانوں میں کیا جانوں''(۴۲)

شیخ ایاز سندھی زبان کے ایک منفرد شاعر تھے۔ وہ ایک مشہور دانش ور اور وسیع مطالعہ رکھنے والے انسان تھے۔ ان میں غیر معمولی تخلیقی صلاحیتیں موجود تھیں۔ موجودہ دور میں سندھی زبان کے جو مشہور تین شاعر ہیں۔ ان میں استاد بخاری، نارائن شیام اور شیخ ایاز ہیں۔ اپنی شاعری کی اعلیٰ صلاحیتوں اور تخیل پر رسائی کی وجہ سے ان تینوں شاعروں کو ''تری مورتی'' کہا جاتا ہے۔ شیخ ایاز نا صرف پاکستانی ادب بلکہ امریکی ادب، روسی ادب، چینی ادب، فرانسیسی ادب، فارسی ادب، جرمن ادب، اطالوی ادب، سنٹرل ایشیاء یورپ کی زبانوں کے علاوہ دنیا کی تقریباً تمام ممالک میں بولی جانے والی زبانوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کی غزل کے حوالے سے ڈاکٹر غلام علی الاعلانا یوں گفتگو کرتے ہیں:

''شیخ ایاز کا کمال یہ تھا کہ اُنھوں نے روایت سے ہٹ کر سندھی شاعری کو نئے رجحانات، نئے نظریوں اور جدید خوبیوں اور خصوصیتوں سے بھر دیا۔ انھوں نے سندھی غزل کی کایا پلٹ دی۔''(۴۳)

انسان کو معاشرے میں دوسروں کی فلاح و بہبود کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ انسان ہی ہے جو دوسروں کی پریشانیوں میں شریک ہو کر ان کو کم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دکھ اور تکلیف بانٹنے سے کم اور خوشیاں بانٹنے سے زیادہ ہو جاتی ہیں۔ انسان اپنی تخلیق کا مقصد بھول کر لوٹ کھسوٹ اور ظلم و زیادتی پر اتر آیا ہے۔ ہمارا معاشرہ ظلم و ستم اور جبر و زیادتی کی فضا سے بھرا ہوا ہے۔ اس قدر گھٹن اور ناقدری کا دور دورہ ہے کہ انسان اپنی ذات میں کھو کر گھروں میں مقید ہو گیا ہے۔ خود غرضی کی وجہ سے انسانیت پر ایک کلنگ لگ گیا ہے۔ پیر فضل گجراتی کی ایک غزل میں یہی معاشرتی جبر اور گھٹن کی کی فضا نظر آتی ہے۔ اس غزل کا ترجمہ ارشد چہال نے کیا ہے۔ چند اشعار بطور حوالہ دیکھیے:

''پوشیدہ جس میں ہوتی ہیں اغراض وہ الفت ٹھیک نہیں
جس میں سے نکالے جائیں سب مطلب وہ چاہت ٹھیک نہیں
میں اس بے موسم بارش کے آنے کا مطلب سمجھ گیا
یہ توبہ میری توڑے گی بارش کی نیت ٹھیک نہیں
اس بار حوالے شیشۂ دل ،خود آپ کیا نادانوں نے
آئینہ شکن ان لوگوں سے اب بھرنی قیمت ٹھیک نہیں''(۴۴)

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا اجرا قومی یکجہتی کے فروغ کے لیے کیا گیا۔ اس پرچے میں تمام پاکستانی زبانوں سے ادبی مواد شائع ہوتا ہے۔ پشتو شعراء کا کلام بھی ان شماروں کی زینت بنتا رہا ہے۔ پشتو شاعری میں ایک اہم نام امیر حمزہ شنواری کا ہے۔ پشتو شعر و ادب میں امیر حمزہ شنواری ایک بہت بڑا حوالہ ہے۔ ان کی پیدائش ۱۹۰۷ء میں لواڑگی (لنڈی کوتل) کے مقام پر ہوئی۔ والد کا نام باز میر خان ہے۔ انھوں نے لکھنے کا آغاز اُردو شاعری سے کیا۔ ان کے مرشد کا نام عبدالستار بادشاہ تھا جنھوں نے امیر حمزہ شنواری کو پشتو زبان میں شاعری کہنے کی تلقین کی اور انھوں نے اپنے مرشد کی بات مانتے ہوئے پشتو میں شعر کہنا شروع کیے۔ اپنی محنت اور لگن کی وجہ سے پشتو شاعری میں بہت جلد ایک بلند مقام حاصل کر لیا۔ یہاں تک کہ ان کو بابائے پشتو غزل کہا جاتا ہے۔ ان کی ایک غزل کے چند اشعار حوالے کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اس غزل کا ترجمہ خاطر غزنوی نے کیا ہے:

''کس کے چہرے کی چمک ہے آئینے میں آئینے کے سامنے
ایک کوندے کی لپک ہے آئینے میں آئینے کے سامنے
سر سے پاتا کہ حسن اپنی جلوہ سامانی میں کھو کر رہ گیا
کیا تمنا کی تپک ہے آئینے میں آئینے کے سامنے
مجھ کو کیا دیکھا ہے حیا کی بدلیاں سنگھار پر چھانے لگیں
اضطراری سی جھلک ہے آئینے میں آئینے کے سامنے''(۴۵)

امیر حمزہ خان شنواری کی شاعری میں موضوعات کی بے شمار وسعت ہے۔ اگرچہ ان کی تعلیم میٹرک ہے۔ لیکن ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور اسی وسیع مطالعہ کی وجہ سے وہ اپنی علمی استعداد میں اتنا اضافہ کر چکے ہیں کہ وہ اب ہر موضوع پر قلم فرسائی کر سکتے ہیں۔ موضوعات پر دسترس رکھنے کے حوالے سے داور خان داؤد ان پر یوں گفتگو فرماتے ہیں:

''حمزہ کی شاعری اپنے مخصوص و محسوس لب و لہجے کے ساتھ ساتھ اپنے موضوعات اور تخلیقی عمل میں انیسویں صدی کے ایک گہرے انسانی شعور اور فکری کائنات سے جڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ ان کی ذہانت، شاعرانہ انفرادیت، تکنیکی مہارت اور جدید شعری تجربات ان کی شاعرانہ عظمت کی دلیل ہیں۔ وہ پوری جدید شاعری میں پہلے شاعر ہیں جو تمام جدید موضوعات اور جدید زمانے کے عالمی تقاضوں اور عصر حاضر کی روح کو اپنے اندر جذب کرنے کے باوجود اپنے

اسلوب میں اپنے ہم عصر شعراء سے بالکل مختلف نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ان کے شعری خدوخال واضح ہیں اور ان کا شعری رویہ ہماری تخلیقی اقدار کی سچائی اور بڑائی کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔"(۴۶)

جدید غزل میں موضوع کی کوئی قید نہیں ہے۔ اس میں ہر قسم کا موضوع سمایا جاسکتا ہے۔ زندگی کی بے ثباتی کا موضوع ایسا موضوع ہے جو شاعروں کے نزدیک خصوصی توجہ کا حامل رہا ہے۔ یہ ایک ایسی ٹھوس حقیقت ہے جس سے ہر گز انکار نہیں کیا جاسکتا۔ میر تقی میر جنھیں شہنشاہ غزل کہا جاتا ہے انھوں نے دنیا کی بے ثباتی پر کثیر تعداد میں غزلیں لکھی ہیں۔ ان کی غزل میں بے ثباتی کی حقیقت کو عیاں کیا گیا ہے۔ مطلع حوالے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے:

آج یاروں کو مبارک ہو کہ صبح عید ہے
راگ ہے مے ہے چمن ہے دل ہے دید ہے

میر تقی میر کے علاوہ اُردو ادب کے کثیر تعداد شاعروں نے دنیا کی بے ثباتی کے موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ ان شاعروں میں اکبر حیدری، آبرو شاہ مبارک، آرزو لکھنوی، آصف الدولہ، آغا شاقزلباش، آل احمد سرور، ابوالکلام آزاد، اختر اعظمی، اختر انصاری، اکبر آبادی، اختر رضا سلیمی، ادا جعفری یعنی اُردو ادب سے تعلق رکھنے والے تقریباً ہر شاعر نے اس موضوع کو اپنی غزلوں میں استعمال کیا ہے۔ سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے پاکستانی زبانوں سے اُردو ترجمہ میں شائع ہونے والی غزلوں میں بھی دنیا کی بے ثباتی کے موضوعات موجود ہیں۔ کھوار شاعری سے محمد عرفان کی لکھی ہوئی غزل میں یہ موضوع موجود ہے۔ اس غزل کے مترجم عنایت اللہ فیضی ہیں:

"اے فانی دنیا مجھے فریب دے رہے ہو
تم مجھے دیوانہ سمجھ کر فریب دے رہے ہو
تم نے پت جھڑ میں مجھے رُلایا
پھر دوبارہ بہار لاکر فریب دے رہے ہو
تو مجھ سے دست بہ گریباں ہو
مگر مجھے تم سے پیار بھی ہے
میرا خون کھول اٹھتا ہے تم مجھے فریب دے رہے ہو

اے فلک تیرے آنسو بھی فریب کے ہیں
اے نیلی چھتری تم مجھے فریب دے رہے ہو"(۴۷)

احمد شاہ ابدالی کو لوگ ایک عظیم فاتح کی حیثیت سے تو جانتے ہیں مگر بہت کم لوگوں کو اس بات کا پتہ ہے کہ وہ ایک زبردست جرنیل کے علاوہ ایک باکمال صوفی، عظیم عالم اور عشق و محبت سے سرشار ایک شیریں اللسان شاعر بھی تھے۔ ان کا کلام فارسی اور پشتو دونوں زبانوں میں موجود ہے۔ احمد شاہ ابدالی کی شاعری کا دیوان بھی موجود ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال احمد شاہ ابدالی کی شاعری کے معترف تھے۔ جب ڈاکٹر صاحب حضرت نادر شاہ شہید کی دعوت پر افغانستان پہنچے تو وہ کندھار میں احمد شاہ ابدالی کے مزار پر بھی گئے۔ مزار پر حاضری کے دوران جو ان پر کیفیت گزری اس کا اظہار انھوں نے نظم "قاصر" لکھ کر کیا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ اقبال نے "جاوید نامہ" میں احمد شاہ ابدالی کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف بھی کیا ہے۔

احمد شاہ ابدالی کا پسندیدہ موضوع عشق تھا۔ اس موضوع پر عبدالکافی ادیب احمد شاہ ابدالی کی شاعری پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

"احمد شاہ ابدالی کی شاعری کی روح عشق ہے۔ اللہ تعالیٰ سے عشق، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عشق، اسلام سے عشق، اپنی محبت سے عشق، وطن سے عشق اور انسانیت سے عشق، الغرض عشق کو اپنی ذات کا محور ٹھہرایا۔ وہ کہتا ہے "اے احمد! تو نے جب عشق کو اپنا مقصد ٹھہرایا ہے تو پھر اس فانی دنیا سے وفا نہ کر۔"(۴۸)

گویا احمد شاہ ابدالی کی شاعری عشق کے موضوع سے بھری پڑی ہے۔ یہ عشق ہی تھا جس نے ان کی شاعری کو سیراب کیا۔ ان کو دنیا کی ہر چیز سے عشق تھا اور یہ عشق کوئی رسم یا تصور نہ تھا بلکہ احمد شاہ ابدالی کا عشق، عشقِ حقیقی تھا۔ عشقیہ جذبات سے لبریز ان کی ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔ پشتو ترجمہ عبدالکافی ادیب نے کیا ہے:

"میں جو ہمیشہ اِدھر اُدھر اپنی نظر دوڑاتا ہوں
تو ہر سمت اپنے دل کو زیادہ صیقل کرتا ہوں
جانتا نہیں کہ میرا گھر کس قسم کی چیز تھی
محبوب کی محبت نے اپنے دل سے بیگانہ کیا
اے آشنا! تمہاری محبت نے مجھے اپنے آپ سے جدا کیا

اب خود ہی اپنے آپ کے ساتھ جل کر غیر کو جدا کر دوں گا
احمد شاہ کی ایک جان تھی جو عشق میں جل گئی
چاہوتو خود کو پھر اپنے آپ سے قرض لے لوں''(۴۹)

اس ساری بحث سے یہ بات پایہ ٔثبوت کو پہنچتی ہے کہ سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے تراجم میں شامل غزلوں میں موضوعاتی تنوع ہے۔ان غزلوں میں تاریخی، سماجی، عصری، معاشی، تہذیبی، ثقافتی، عشق و عاشقی، مذہبی، اساطیری، محبت اور اس کی کیفیات، انقلاب، فرد کی معرومیاں اور تنہائی، وطن سے محبت، ہجر و فراق، سقوطِ ڈھاکہ، کشمیر اور فلسطین پر ظلم و ستم، موسم اور فطرت، سیاسی، اخلاقی، فلسفیانہ، حکیمانہ اور عاشقانہ وغیرہ موضوعات و مسائل پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔قدیم اور جدید غزل کے موضوعات سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کے تحت ترجمہ ہونے والی غزلوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔یہ موضوعات اُردو ادب کی غزلیہ شاعری سے ہر لحاظ سے مطابقت و مماثلت رکھتے ہیں۔گویا اس مجلے کی ترجمہ ہونے والی غزلوں اور اُردو ادب کی غزلوں میں موضوعات کے لحاظ سے ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

v. گیت کا موضوعاتی جائزہ:

اُردو شاعری میں بیشتر اصناف فارسی اور عربی سے آئیں۔مگر گیت کی صنف ہندی شاعری کے اثر سے اردو میں مروّج ہوئی۔گیت ہندی زبان سے اُردو زبان میں آیا۔گیت دراصل ہندی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی راگ، نغمہ یا سرور کے ہیں۔اس کی موسیقی اور لے سے گہری وابستگی ہے۔عمدہ لے کی وجہ سے گیت کی دلکشی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور خوب صورت موسیقی اور عمدہ ترنم پر عمدہ بحر کا انحصار ہوتا ہے۔یہ ایک ایسی لوک شاعری ہے جو نہ صرف خواص بلکہ عوام میں بھی مقبول و معروف ہے۔گیت میں کسی خاص موضوع یا ہیئت کی پابندی نہیں کی جاتی۔اس بارے میں ابوالاعجاز حفیظ صدیقی لکھتے ہیں:

''گیت کی کوئی معین ہئیت نہیں۔ترتیب قوافی، تعداد اشعار اور مصرعوں کا طول اور سب کچھ شاعر کی صوابدید پر ہوتا ہے۔مصرعے چھوٹے بڑے بھی ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ موسیقی کے تقاضوں کو پورا کریں۔مترنم قافیے گیت کے مزاج سے بہت مطابقت رکھتے ہیں۔چنانچہ گیت لکھنے والوں نے قافیے اور ردیف سے خوب فائدہ اُٹھایا ہے۔گیت میں کسی بیت، مصرعے یا مصرعے کے کسی جزو کی تکرار سے بھی کام لیا جاتا ہے۔''(۵۰)

گیت میں عشق کا اظہار مرد کی بجائے عورت کرتی ہے یعنی اس میں عاشق عورت اور محبوب مرد ہوتا ہے۔ گیت میں عورت اپنے محبوب سے جذبہ محبت، نسوانیت، غنائیت اور نغمگی کے ساتھ عشق کرتی ہے۔

گیت کے بارے میں ڈاکٹر محمد اشرف کمال یوں لکھتے ہیں:

"گیت کا لفظ ہندی سے اُردو میں آیا ہے۔ گیت کا تعلق لے اور موسیقی سے ہے۔ گیت اُردو شاعری کی سب سے مقبول صنف ہے جسے نہ صرف خواص بلکہ عوام میں بھی قبولیت حاصل ہے۔"(۵۱)

زندگی کی وسعت کی طرح گیت کے موضوعات کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ عشق، بھگتی، عبادت، پیار، محبت، رزم، بزم وغیرہ گیت کے خاص موضوعات ہیں۔ اس کے علاوہ ہر وہ شے جو انسانی احساس کا حصہ ہے، گیت کے موضوعات ہو سکتے ہیں۔ بہر حال گیت کا جو بھی موضوع ہو اس کا اظہار ہمیشہ عورت کی جانب سے ہی ہوتا ہے۔ گیت کے حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا یوں رقمطراز ہیں:

"اگر گیت مرد کی طرف سے کہا جائے تو بھی اس کے مزاج میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ ویسے مرد کے کردار کا ایک نسوانی رخ بھی ہوتا ہے جو اکثر گیت میں اپنا اظہار کرے تو اس میں کوئی مزاج بھی نہیں۔ اس سب کے باوجود گیت بنیادی طور پر عورت کے اظہار محبت کی ایک صورت ہے اور اس کے معتد بہ حصے میں مرد ہی مخاطب اور محبوب ہے۔"(۵۲)

غزل کی طرح گیت میں بھی شخصی جذبات واحساسات کا والہانہ اور بے تکلف اظہار ہوتا ہے۔ گیت میں محبوب سے جدائی کی تڑپ اور وصال کی خواہش واضح طور پر نظر آتی ہے۔

امیر خسرو اُردو کے اولیں گیت نگار ہیں۔ امیر خسرو نے گیت کے ساتھ ساتھ راگوں کو بھی ایجاد کیا۔ امیر خسرو نے آج تک جو گیت لکھے گئے ہیں ان میں خصوصی موضوع عشق و محبت ہے۔ جدائی، غم اور ملن کی خوشی جیسے موضوعات ہمارے گیتوں میں بکثرت مل سکتے ہیں۔

محبوب سے ملن کا موضوع گیتوں کا محبوب موضوع ہے۔ سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے شمارہ اپریل تا ستمبر ۲۰۰۸ء میں یہ موضوع خوبصورت انداز میں بیان ہوا ہے۔ یہ گیت، رانا فضل حسین نے گوجری زبان میں لکھا ہے اور ترجمہ غلام سرور رانا نے کیا ہے۔ یہ گیت حوالے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے:

"ہنستا ہوا بہار کا موسم آئے
پھولوں کی مہکار آج آئے

نہ جانے کس کے آنے کی خبر سے
ہمیشہ سے جس کی چاہت رکھی ہے''(۵۳)

مناظر فطرت اُردو شاعری کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ شاعری کی تقریباً ہر صنف میں مناظر فطرت کا اظہار بھرپور نظر آتا ہے۔ جس طرح نظم، غزل، ہائیکو، ماہیے وغیرہ میں مناظر فطرت بیان کیے جاتے ہیں۔ اس طرح گیت کا بھی یہ مقبول موضوع ہے۔ مناظر فطرت کا یہ اظہار شیخ ایاز کے لکھے ہوئے گیت میں بھرپور نظر آتا ہے۔ ترجمہ کے فرائض فہمیدہ ریاض نے سرانجام دیئے ہیں:

''یہ تھوہڑ کا پیڑ، ارے جیون
کبھی اٹھیں گھنگھور گھٹائیں برس پڑا ساون
ہائے وہ اس کی پھیلی بانہیں، ہائے وہ بے کل من
دور دور تک جیسے جگ مگ ہوا اٹھا جیون
ہائے وہ برہمن کا مسکانا، ہائے وہ مدھر ملن
پل بھر میں سورج کی نیا پہنچی پاس پتن
پھر تو وہی تھی تیز تپش اور پل پل وہی جلن''(۵۴)

اس گیت میں مناظر فطرت کی عکاسی خوبصورتی سے بیان ہوئی ہے۔ شیخ ایاز کی شاعری میں یہ نمونے مختلف اصناف سخن میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ شیخ ایاز کی شاعری مختلف موضوعات کا گلدستہ ہے۔ ''شیخ ایاز: ایک عوامی شاعر'' میں سکندر رحلیو گیت کے حوالے سے شیخ ایاز کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''شیخ ایاز کی شاعری وہ سنگم ہے جس سے ہمیں تین مقتدرہ ادبی روایات کے سوتے پھوٹتے نظر آتے ہیں۔ اس کے لکھے تھر کے صحرائی گیتوں سے جہاں صدیوں پرانی سندھی لوگ شاعری کی مہک آتی ہے۔ وہاں ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ، پابلو نرودا اور لورکا کے مطالعے سے اس کی شاعری میں مغربی ادبی روایات کا پرتو بھی نظر آتا ہے۔ اُردو اور فارسی کلاسیکی ادب سے آشنائی شیخ ایاز کے فن شاعری کو اور بھی جلا بخشتی ہے۔ گویا شیخ ایاز شاعری کا وہ دیوتا ہے جسے بیک وقت زبان، روایات اور لفظوں کی ساخت اور لسانی ہیئت پر یکساں گرفت حاصل ہے۔''(۵۵)

عشق سے زندگی میں حرکت پائی جاتی ہے۔ کچھ اس طرح کی حرارت اور حرکت گیت میں بھی پائی جاتی ہے۔ گیتوں میں زیادہ تر عشق مجازی کا بیان ہوتا ہے۔ عشق کا یہ اظہار پشتو لوگ گیت میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ ترجمہ تاج سعید نے کیا ہے:

”ندی کنارے آؤ ساجن
پانی بھروں گی دھیرے دھیرے
اسی بہانے تم جی بھر کر
دید کی دولت پاؤ گے“(۵۶)

جدائی ایک غم ہے جو عاشق کو دیمک کی طرح چاٹ کر کھا جاتا ہے۔ اس غم میں عشق مارا مارا پھرتا ہے لیکن اسے چین و قرار نصیب نہیں ہوتا۔ جدائی کا یہ موضوع منظور عارف کے لکھے ہوئے گیت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ چھاچھی زبان سے ترجمہ علی یاسر نے کیا ہے:

”کہاں سے آیا کدھر گیا
آنکھوں کو وہ نیچا کر کے
پوچھا اس نے ڈر ڈر کے
میں نے دیکھا جی بھر کے
میں بولی اپنا رستہ
اللہ جانے کون وہ تھا
کہاں سے آیا کدھر گیا“(۵۷)

اس گیت میں منفرد اسلوب بیان کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ سہ ماہی مجلہ ” ادبیات“ کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم کے گیتوں میں فنی لوازمات ہر شعری صنف کی طرح موجود ہیں۔ یہی اس مجلے کے مدیران کی کوشش رہی ہے کہ وہ ان شماروں میں ہر صنف ادب سے متعلقہ مواد شائع کریں اور وہ مواد ایسا ہو جو کہ موضوعاتی اور فنی سطح پر اصول و ضوابط پر پورا اترتا ہو۔ اس مجلے میں شائع گیت موضوعات کی سطح کے ساتھ ساتھ فنی معیار پر پورا اترتے ہیں۔ گیت عوامی اور لوک شاعری میں شامل ہیں۔ یہ انسان کے لطیف جذبات کا اظہار، خوشی، غم، میلوں ٹھیلوں، رنگوں، موسموں، تہواروں، تہذیب و تمدن، رہن سہن اور رسوم و رواج کا پیش منظر کے ساتھ ساتھ نہایت احسن منظر نامہ پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں گیت کے موضوعات اُردو ادب کے موضوعات سے ملتے جلتے ہیں۔اس مجلے کے مدیران کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ دیگر رسائل و جرائد میں شامل گیت جیسے موضوعات ہی اس جریدے کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم کے ضمن میں شامل کریں تاکہ موضوعاتی سطح پر اُردو ادب سے انحراف نہ ہو۔گویا گیتوں کے موضوعات کے حوالے سے یہ گیت اُردو ادب سے مماثلت رکھتے ہیں۔

vi. دوہے کا موضوعاتی مطالعہ:

دوہے کا تعلق ہندی لوک ادب سے ہے۔یہ گیت کی ایک مقبول شکل ہے، جیسے عوامی شاعری ہونے کا شرف حاصل ہے۔یہ نہ تو عربی شاعری میں ملتے ہیں اور نہ فارسی شاعری میں۔ہندی اور بھاشا میں دوہوں کی کثرت ہے۔اُردو کے بہت سے دوہوں کے مصرعے ضرب الامثال کا درجہ پا چکے ہیں۔اس صنف سخن میں لاتعداد دوہے کہے جا چکے ہیں۔اس کے لغوی معنی مختلف لغات نے یوں بیان کیے ہیں۔ہندی اُردو لغت (دوہا ایک ہندی نظم ہے، جس میں چار چرن ہوتے ہیں۔)، علمی اُردو لغت (دوہا/دوہڑا۔ہندی نظم کی ایک قسم)، فرہنگ آصفیہ (دوہا، دوہرا۔اسم مذکر۔جوڑا۔بیت۔فرد۔دو مصرعوں کا ہندی شعر)، فیروز اللغات (دوہے، دوہا،ہ، مذکر، دو مصرعوں کا ہندی شعر)، نور اللغات (دوہا، دوہرا، ہندی نظم کا بیت)۔دوہے کے بارے میں ڈاکٹر محمد اشرف کمال لکھتے ہیں:

> ''دوہا نام ہے ہندی عروض کی ایک بحر کا۔ہئیت کے اعتبار سے دوہا ہندی شاعری کی وہ صنف ہے جس میں صرف دو مصرعے ہوتے ہیں اور وہ ہم قافیہ ہوتے ہیں۔دوہے میں ہر خیال ہر مضمون کو دو مصرعوں میں ادا کرنا پڑتا ہے۔دوہا غزل کے مطلع سے مشابہ ہے۔نہ کہ مثنوی کے شعر سے۔''(۵۸)

دوہے کو غزل کے مطلع جیسا ہم قافیہ قرار دیا جاتا ہے۔ڈاکٹر سلیم اختر اس حوالے سے بیان کرتے ہیں:

> ''غزل کے مطلع کی مانند دوہا بھی صرف دو مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے اور شاعر کو ان دو مصرعوں میں مفہوم ادا کرنا ہوتا ہے۔اس لیے دوہا اپنے وجود میں مکمل اور بلحاظ معنی خود مختار ہوتا ہے۔''(۵۹)

دوہا چار حصوں پر مشتمل ۴۸ ماتراؤں کا بیت خیال کیا جاتا ہے۔اس کی خاص بحر کا نام ''دوہا چھند'' ہے۔تاہم اکثر دوہا نگاروں نے اس بحر کی پابندی نہیں کی۔یہی وجہ ہے کہ دوہا چند دوسری بحروں یعنی ''سرسی

چھند'' (۲۷ ماترائیں)، ''سار دوہک'' (۲۸ ماترائیں) اور ''دیپ تھک چھند'' (۲۶ ماترائیں) میں بھی کہا گیا ہے۔ دوہے کے ارکان کے بارے میں ڈاکٹر اسلم حنیف یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

''''دوہا'' چھند: چار مصرعوں (چرن) پر مبنی ہوتا ہے جس کے دونوں مصارع میں ۴۸ ماترائیں ہوتی ہیں۔ دو، دو، دو مصرعے ایک سطر میں جاتے ہیں۔ ہر سطر کو دل کہا جاتا ہے۔ اس کے پہلے اور تیسرے مصرعے دشم چرن یا طاق کہلاتے ہیں جن میں تیرہ تیرہ ماترائیں آتی ہیں۔ دوسرے اور چوتھے مصارع ہم چرن یا جبضتی کہے جاتے ہیں اور ان میں گیارہ گیارہ ماترائیں ہوتی ہیں۔ دونوں دل باہم مقفّیٰ ہوتے ہیں۔ دوہے کی شرط یہ بھی ہے کہ پہلے اور تیسرے جز میں جگن یا فعول نہیں آنا چاہئے اور دوسرے اور چوتھے مصرعے کے آخر میں لگھو ماترا آنا ضروری ہے۔''(۶۰)

ماہیے اور قطعات کی طرح دوہے بھی پاکستانی ادب کے تراجم میں بہت کم تعداد میں شائع ہوئے ہیں۔ صرف دو شماروں میں دوہے ترجمہ کر کے شامل اشاعت ہوئے ہیں۔ پہلا شمارہ جس میں دوہے ترجمہ کر کے شائع ہوئے، وہ شمارہ نمبر ۸۹ ہے جو کہ اپریل تا ستمبر ۱۹۷۹ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس شمارے میں شامل اشاعت دوہے خوشحال خان خٹک نے لکھے، جن کا اُردو ترجمہ تاج سعید نے کیا ہے۔ ان ترجمہ شدہ دوہوں میں سے تین دوہوں میں تصوف کے اسرار و رموز کے موضوع کو نہایت خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ دوہے پیش کیے جاتے ہیں:

''دنیا ساری موہ مایا ہے یہ خوشحال نے جانا
اسی سوچ میں اُس نے منش کی ذات کو ہے پہچانا
دھن دولت پر منش کی ذات سدا رہی ہے بھاری
منش کی ذات ہی جگ سارے پر کرتی ہے سرداری
بیری پتھر ماریں تو وہ اس سے نا گھبرادے
اپنوں کا اک پھول بھی اُس کے من میں آگ لگادے''(۶۱)

سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کا ایک خصوصی شمارہ ''شیخ ایاز کی یاد میں'' بہار ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ اس شمارہ میں شیخ ایاز کی مختلف نثری اور شعری اصناف سخن ترجمہ کر کے شائع کی گئیں۔ دیگر شعری اصنافِ ادب کے

علاوہ دوہے بھی اس خصوصی شمارے میں ترجمہ کر کے شامل اشاعت ہوئے۔ان دوہوں میں مختلف موضوعات بیان ہوئے ہیں۔ایک دوہا پیش کیا جاتا ہے جس میں محبوب کی جدائی کے موضوع کو بیان کیا گیا ہے:

"سجن نہ آیا، ساون آیا، چھائی گھٹا گھنگھور
کب تک پھرا کرے گا، ہیکل میرے من کا مور"(۶۲)

دوہا، کا تعلق اصل میں زرعی تہذیب و ثقافت سے ہے۔ دیہات اور گاؤں دوہے کا خاص ماحول ہے۔ایسا ماحول جس میں فرد، فطرت، ڈھور ڈنگر اور پنچھی پکھیرو وغیرہ ہوں، دوہے کے فروغ پانے کے لیے ساز گار ہے۔ بڑے بڑے پیپل کے درخت ہوں اور کوئل کی آواز بھی ہو اور اس ماحول میں دوہے کا سننا یقیناً کانوں کو بہت بھلا لگتا ہے۔بے ہنگم ٹریفک، گاڑیوں کا دھواں، پُر ہجوم شہر، لوگوں کے شوز کی آوازیں اور صنعتی آلودگی دوہے کے لیے ساز گار ماحول نہیں ہے۔دوہا ایک ایسی صنف سخن ہے جس کو دماغ کی بجائے اعصاب اور حسیّات سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔دوہا پڑھتے ہوئے اگر آنکھیں بند کی جائیں تو ذہن میں ایک ایسا خاکہ بنے گا جو شہر کی تعفن زدہ فضا سے بالکل آزاد ہوگا، جس میں نہ پٹرول کی بدبو ہوگی اور نہ ڈیزل کا غلیظ دھواں۔

دوہے کے موضوعات بھی گاؤں کے ماحول کی چیزیں ہیں۔فرد، فطرت، ڈھور ڈنگر، آزاد پکھیرو کے الفاظ سے دوہا مل کر بنتا ہے۔گویا دوہا ایک مقامی لوک ادب ہے اور سہ ماہی مجلہ "ادبیات" نے اس کے فروغ میں ایک خاص کردار ادا کیا ہے۔دوہا گیت کی ایک معروف اور مشہور شکل ہے۔اس کو عوامی اور لوک صنفِ شاعری ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔یہ برصغیر کی ایک خالص مقامی رنگ شاعری ہے۔یہ صنفِ سخن ہندی اور بھاشا میں کثیر تعداد میں ملتی ہے۔اُردو کی بہت سی ضرب المثال دوہوں کے مصرعے ہیں جو اب مقبول ضرب المثال کا درجہ پا چکے ہیں۔"اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت" کی طرح کے دوہے اب معروف ضرب المثال سمجھے جاتے ہیں۔اس مجلے کے دوہے کے موضوعات دیگر رسائل و جرائد سے مماثلت رکھتے ہیں۔ہیئت اور شکل کے اعتبار سے بھی ان دوہوں کی دورِ حاضر میں لکھے جانے والے دوہوں سے مماثلت پائی جاتی ہے۔

vii. ماہیے کا موضوعاتی جائزہ:

پنجابی شاعری کی مقبول اصناف میں سے ایک اہم مصنف ماہیا ہے۔ یہ ایک ایسی صنف شاعری ہے جو کہ پنجاب کی سرزمین میں بہت معروف ہے۔ اس خطے کا کوئی بھی باشندہ ایسا نہ ہو گا جس کو دو چار ماہیے یاد نہ ہوں۔ گویا یہ صنف مرغوب خاص و عام ہے۔ پنجابی شاعری کی یہ صنف اب اُردو میں بھی معروف ہوتی جا رہی ہے۔ اب پنجابی شعراء کے علاوہ اُردو شاعر بھی اُردو میں ماہیے لکھ رہے ہیں۔ اُردو ماہیے کے بارے میں ڈاکٹر محمد اشرف کمال لکھتے ہیں:

> ''اُردو ماہیے میں پنجابی ماہیے کی طرح ارضی و ثقافتی حوالوں کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے۔ ماہیے کا تعلق ہماری ثقافت سے ہے۔ ماہیے کی بدولت ہماری ثقافت کو استحکام اور شناخت ملی ہے۔ اس کی جڑیں ہماری اپنی مٹی میں ہیں اور اس کا خمیر ہماری اپنی سرزمین سے اُٹھا ہے۔ اسی لیے ماہیا جب گایا جاتا ہے تو یہ سننے والوں کے لیے کشش رکھتا ہے۔''[۶۳]

پنجاب میں اس کے مقبول ہونے کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ یہ صنفِ شاعری پنجابی کلچر سے ہم آہنگ ہے۔ پنجاب کے علاوہ یہ صنف سرائیکی زبان میں بہت معروف ہے۔ اس کا شمار لوک ادب میں ہوتا ہے۔ لوک ادب میں اس علاقے کے رہن سہن، طرز بود و باش اور تہذیب و ثقافت کی خوبصورت مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

ماہیا، پنجابی زبان کی معروف لوک صنف ادب ہے۔ ''ماہیا'' کا لفظ ماہی سے مشتق ہے۔ لیکن یہ ماہی اُردو والا ماہی نہیں ہے۔ بہر حال ماہیے میں عاشق اپنے معشوق کے فراق میں ماہی کی طرح پریشان اور تڑپتا نظر آتا ہے۔ گیت کی طرح ماہیے میں بھی عشق کا اظہار عورت کی طرف سے ہوتا ہے۔ تاہم آج کل ایسے ماہیے بھی تخلیق ہو رہے ہیں جن میں محبت کا اظہار مرد کی جانب سے بھی ہے۔

ماہیے کے حوالے سے ڈاکٹر مناظر ہرگانوی یوں لکھتے ہیں:

> ''ماہیا پنجابی زبان و ادب اور کلچر میں رچی بسی ہوئی صنفِ سخن ہے اور اس کی جڑیں غیر منقسم ہندوستان میں ہیں۔''[۶۴]

ابتداء میں ماہیا لوک ادب کا حصہ تھا اور ڈیڑھ مصروں پر مشتمل ہوتا تھا۔ فقط ماہیے میں صرف محبوب کے عشق و محبت کی داستان ہوتی تھی۔ ڈیڑھ مصرع کے ماہیے میں پہلے مصرعے کا موضوع سے کوئی خاص تعلق

نہیں ہوتا تھا۔ یہ مصرع دوسرے مصرع کے ساتھ مل کر اپنا مفہوم ادا کرتا تھا۔ بعد میں تین مصرعوں کے ماہیے بھی لکھے جانے لگے۔ اس قسم کے ماہیا میں تینوں مصرعے موضوع سے متعلق ہوتے ہیں۔ ماہیے کے حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر یوں گفتگو کرتے ہیں:

"پنجابی زبان کی مقبول صنف ماہیا اب اُردو میں بھی مروّج ہو چکی ہے۔ ماں اور ماہی (پنجابی محبوب) سے لفظی مناسبت کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ماہیا دراصل محبوب کے لیے ہے۔ ہندی گیت اور دوہے کی مانند ماہیا میں بھی اظہار محبت عورت کی جانب سے ہوتا ہے۔ ماہیا، زرعی معاشرے کا مظہر ہے اس لیے دوہے کی مانند ماہیے کا تخلیقی منظر نامہ بھی کھیت، کھلیان، ڈنگر، پنچھی، پکھیر، بادل، بارش اور کچی مٹی سے تشکیل پاتی ہے اور ان پر مستزاد وہ دکھی عورت جس کا ماہی کمانے کے لئے شہر گیا ہے۔"(٦٥)

عشق و محبت، عاشق و محبوب کے مکالمے، معاملہ بندی، ہجر وصال، گلے شکوے، بھائی کی جدائی اور غم ماہیے کے عام موضوعات ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ماہیے کے موضوعات میں وسعت آتی گئی۔ رشتے داریاں، شادی بیاہ، میلے ٹھیلے اور روزمرہ زندگی کے معاملات بھی ماہیے کے موضوعات میں شامل ہوتے گئے۔ آہستہ آہستہ ماہیے میں زندگی کے تمام مسائل اور ان سے جڑے انسانی احساسات و جذبات بھی موضوع بنتے گئے۔ اب ماہیا ہر نوع کے موضوعات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے پاکستانی زبانوں کے تراجم میں بہت کم تعداد میں ماہیے ترجمہ کیے گئے ہیں۔ اس مجلے کے صرف ایک خصوصی شمارے "سارک ممالک منتخب تخلیقی ادب" میں ترجمہ کیے گئے ماہیے مل سکتے ہیں۔ یہ شمارہ ۲۰۰۴ء میں شائع کیا گیا۔ ماہیا کے تخلیق کار کا نام احمد راہی ہے جب کہ اصغر عابد نے مترجم کے فرائض سرانجام دیئے ہیں۔ محبوب پہ سب کچھ نچھاور کرنا ماہیے کا خاص موضوع ہے۔ یہ موضوع اس ماہیے میں بھی بیان ہوا ہے:

"کاجل کی دھاری ہے
دل سی شے ماہیا، تیرے قدموں پر واری ہے"(٦٦)

محبوب کی ذات سے گفتگو تادیر جاری و ساری رہتی ہے۔ جب محبوب کا قرب نصیب ہو، عاشق چاہتا ہے کہ وہ دل کھول کر محبوب سے کلام کرے۔ یہی وجہ ہے کہ محبوب کے قرب میں وقت تیزی سے گزرتا دکھائی

دیتا ہے۔ قرب کے یہ لمحات گزر جاتے ہیں لیکن باتیں ابھی مکمل نہیں ہوتیں۔ یہی موضوع اس ماہیے میں بھی دیکھا جا سکتا ہے:

”یہ چھوٹی راتیں ہیں
عمر تو ختم
ہوئی، باتیں ابھی باتیں ہیں“(۶۷)

اس مجلے میں ڈیڑھ مصرعے پر مشتمل ماہیے ترجمے کیے گئے ہیں۔ اگرچہ آج کل تین مصرعوں والے ماہیے پنجابی اور اُردو دونوں زبانوں میں لکھے جا رہے ہیں یعنی کہیں ڈیڑھ مصرعے والے ماہیے بھی لکھے جا رہے ہیں اور کہیں تین مصرعوں والے ماہیے بھی۔ تاہم زیادہ تر شعراء تین مصرعوں والے ماہیے ہی تخلیق کر رہے ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ” ادبیات“ نے ہر پاکستانی زبان کی صنف کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ماہیا بھی لوک ادب کی ایسی صنف ہے جس کو ترقی دینے میں ایڈیٹر کی سعی نظر آتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شمارہ پاکستان کی تمام ادبی اصناف کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کیے ہوئے ہے۔ اُردو اور پنجابی ماہیے میں ایک مشتمل خصوصیت یہ ہے کہ دونوں میں ارضی اور ثقافتی حوالوں کو ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے۔ دراصل ماہیے کا تعلق ہماری تہذیب و ثقافت سے ہے۔ ثقافت کو فروغ دینے میں ماہیے کا کردار خاصا اہم ہے۔ اس کی جڑیں ہماری ہی زمین کی مٹی سے نکلی ہیں اور اس کا خمیر بھی ہماری زمین کی پیداوار ہے۔ یہ ہمارے لوگوں کے دلوں میں رقت کی ایک کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ جب بھی یہ ہمارے ہاں گایا جاتا ہے تو سننے والے اس سے بہت زیادہ مسرور ہوتے ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ” ادبیات“ میں ترجمہ ہونے والے ماہیے اور دیگر رسائل و جرائد میں مماثلت یہ ہے کہ دوسرے رسائل و جرائد کی طرح اس کے شماروں میں ڈیڑھ مصرعے والے ماہیے شامل ہیں اور اختلاف یہ ہے کہ دوسرے جرنلز میں تین مصروعوں والے ماہیے بھی شائع ہو رہے ہیں لیکن اس کے شماروں میں ایسا نہیں ہو رہا۔ البتہ موضوعات کے لحاظ سے بھی دوسرے جریدوں سے مماثلت ملتی ہے۔

viii. مُنقبت کا موضوعاتی جائزہ:

منقبت عربی لفظ ہے اور اسمِ مونث ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر منقبت کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

”منقبت کا مطلب ہنر، ستودگی، صفت ،ثناء، بزرگان دین کی تعریف، مدع آئمہ،

کبار واصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم'' ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کے بیان کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ منقبت کو قصیدہ ہی کا ایک انداز سمجھنا چاہیے۔غالب نے جو دو منقبت لکھیں،ان کے تیور قصیدے جیسے ہی ہیں۔''(۶۸)

منقبت کے بارے میں ڈاکٹر محمد اشرف کمال یوں لکھتے ہیں:

''جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں لکھے گئے اشعار نعت کہلاتے ہیں اسی طرح اہلِ بیت، صحابہ کرام رضی االلہ تعالیٰ عنھم اور اولیائے کرام کی شان میں لکھے جانے والے اشعار کو منقبت کا نام دیا گیا ہے۔یہ نظم کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے اور قصیدے کی شکل میں بھی۔''(۶۹)

سہ ماہی مجلہ'' ادبیات''میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے تحت صرف ایک ہی منقبت شائع کی گئی ہے۔اس منقبت میں چاروں خلفاء اکرام کی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے نسبت کے موضوع کو بڑے احسن انداز میں بیان کیا گیا ہے۔یہ منقبت رحمان بابا کی تخلیق کردہ ہے۔جبکہ ترجمہ محمد طٰہٰ خان نے کیا ہے۔اشعار دیکھیے:

''دس بشارت یافتہ بندوں میں ایسے چار ہیں
جو محمد مصطفیٰ صلی علی کے یار ہیں
ہمدم و ہمراز ہیں سچوں کے سچے بو بکر
آپ غار ثور کی نسبت سے یار غار ہیں
عدل کا سورج نکلتا ہے عمر کے نام سے
درمیان حق و باطل مستند معیار ہیں
حضرت عثمان ذوالنورین ہیں دل کے امیر
آپ محتاجوں کے حق میں ابر گو ہر بار ہیں
شیر یزداں شاہ مرداں ہیں علی مرتضیٰ
علم و عرفان و شجاعت کے علم بردار ہیں
ہیں یہی چاروں خلیفہ دین کی چھت کے ستون
سائباں حق کے چاروں اولیں معمار ہیں''(۷۰)

اس مجلے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے صرف ایک منقبت شائع ہوئی ہے لیکن اس منقبت میں اُردو ادب کے دیگر مجلوں اور ماہناموں میں شائع ہونے والی مناقب کی خصوصیات پائی جاتی ہیں یعنی اس منقبت کی خصوصیات دیگر رسائل و جرائد میں چھپنے والی مناقب کے خصائص سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مجلے نے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں تمام اصناف ادب کو فروغ دینے کا تہیہ کیا ہوا ہے تاکہ قومی یکجہتی کو فروغ دیا جاسکے۔اس مجلے کے شماروں میں چونکہ ایک ہی منقبت پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے تحت شائع ہوئی ہے لہذا اس میں موضوعات کی کثرت نہیں ہے۔اس منقبت کی دیگر رسائل و جرائد میں شائع ہو نے والی مناقب سے موضوعاتی سطح پر مماثلتیں ملتی ہیں۔

ix. رباعی کا موضوعاتی جائزہ:

رباعی، عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ ''ر ب ع'' ہے۔ چار مصرعوں کی نظم جس کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہوتا ہے چوبولا، چوپائی، چار حرفوں کا کلمہ۔پروفیسر انور جمال رُباعی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''شعری صنف ''رباعی چار مصرعوں کی ایک ایسی نظم ہے جو مضمون کے اعتبار سے خود کفیل ہوتی ہے۔'' رباعی کی یہ تعریف خارجی ہئیت اور موضوعی خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے لیکن تنظیمی اساس سے علاقہ نہیں رکھتی۔رباعی میں پہلا دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم ردیف ہم قافیہ ہوتا ہے جبکہ تیسرا مصرعہ اس قید سے آزاد ہوتا ہے۔رباعی ''بحر ہزج'' میں لکھی جاتی ہے اور بحر ہزج کا اصل اور سالم رکن ''مفاعیلن'' ہے۔مفاعیلن اور زحافات کو ملا کر رباعی کی دس شکلیں ہیں۔''(۱۷)

گویا رباعی میں چار مصرعوں میں ایک مکمل مضمون بیان کیا جاتا ہے۔ رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ یا ہم ردیف یا ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتا ہے۔رباعی کے تیسرے مصرعے کا ہم قافیہ یا ہم ردیف یا ہم قافیہ و ہم ردیف ہونا لازمی نہیں ہے۔رباعی مردّف اور غیر مردّف دونوں صورتوں میں پائی جاتی ہے۔رباعی مردّف اس وقت ہوگی جب اس میں قافیہ اور ردیف دونوں پائے جائیں اور غیر مردّف اس وقت ہوگی جب اس میں قافیہ پایا جائے گا، ردیف نہیں ہوگا۔

فرمان فتح پوری رباعی کے مصرعوں کے حوالے سے اپنی رائے دیتے ہیں:

> ''رباعی کے چاروں مصرعے زنجیر کی کڑیوں کی طرح باہم مربوط ہوں الفاظ و تراکیب کا انتخاب

موضوع کی مطابقت سے ایسا بر محل ہو کہ اس سے بہتر کا تصور ہی نہ ہو سکے۔ پہلے مصرعے میں مناسب الفاظ کے ساتھ خیال کو روشن کرایا جائے۔ دوسرے اور تیسرے مصرعے میں اس کے خط و خال کچھ اور نمایاں کیے جائیں اور چوتھے مصرعے میں مکمل خیال کو ایسی برجستگی اور شدت کے ساتھ سامنے لایا جائے کہ سننے ولا مسحور و متغیر ہو کر رہ جائے۔"(۷۲)

مفکرین نے فارسی شاعر رودکی کو رباعی کا موجد مانا ہے۔ موضوعات کی اگر بات کی جائے تو رباعی میں موضوعات کی کوئی قید نہیں ہے۔ رباعی ہر موضوع پر لکھی جا سکتی ہے۔ رباعی میں موضوعات کے بارے میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

"رباعی کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں ہے۔ حمد، نعت، منقبت، دنیا کی بے ثباتی، تصوف، فلسفہ، عشق، سیاست، اخلاقیات، مناجات، منظر نگاری، غرض دنیا کے ہر موضوع پر رباعی کہی جاسکتی ہے بااعتبار موضوع اس کا دامن بے حد وسیع ہے۔"(۷۳)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے مطابق رباعی دنیا کے ہر موضوع پر لکھی جا سکتی ہے۔ تاہم اکثر شعراء نے اس میں اخلاقی، فلسفیانہ، تصوف اور عشق و محبت کے مضامین کو برتا ہے:

"رُباعی میں عشقیہ، خمریہ، بہاریہ، فلسفیانہ، اخلاقی اور مذہبی مضامین ہوتے ہیں۔ دراصل اس میں مضامین کی کوئی قید نہیں، اِسے محض ہیتی صنف کہا جائے گا۔"(۷۴)

ڈاکٹر محمد اشرف کمال رُباعی کے موضوعات کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"رُباعی ایک اہم صنفِ شاعری ہے جو عام طور پر فلسفیانہ، اخلاقی، فکیری اور کبھی کبھی عشقیہ مضامین پر مبنی ہوتی ہے لیکن اس کا عام رنگ وہ ہے جسے انگریزی میں Lyrical کہتے ہیں۔ یعنی یہ خطابیہ اور اصلاحی سے عموماً گریز کرتی ہے۔"(۷۵)

سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم کے صرف دو شماروں میں رباعیات کو ترجمہ کر کے شائع کیا گیا ہے۔ ادبیات کا شمارہ نمبر ۱۰۶، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۵ء منظر عام پر آیا۔ اس شمارے میں پروفیسر عبدالرشید کی تخلیق کردہ ہندکو رباعیات کو امتیاز الحق امتیاز نے ترجمہ کیا اور پھر یہ رباعیات اس شمارے کا حصہ بنیں۔ ان رباعیات میں سے ایک رباعی پیش کی جاتی ہے۔ جس میں حضور پاک ﷺ کے مقدس شہر مدینہ کا موضوع بڑی خوب صورتی سے بیان ہوا ہے:

"مکہ کے رسول ﷺ کا مدینہ دیکھوں
میں نور ہی نور زینہ زینہ دیکھوں
کھل جائے اگر باب عنایت رشید
اللہ کی رحمت کا خزینہ دیکھوں"(۷۶)

سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کا شمارہ نمبر ۱۰۳، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۴ء میں شائع ہوا۔ اس مجلے میں پشتو زبان کی تین رباعیات کو اُردو زبان میں ترجمہ کر کے شائع کیا گیا۔ ان رباعیات کے پشتو میں تخلیق کار کا نام شیرین یار یوسفزئی ہیں۔ جبکہ اُردو میں اسد اللہ اسد نے ترجمہ کیا ہے۔

ان رباعیات میں سے ایک رباعی پیش کی جاتی ہے۔ جس میں پشتونوں کی کاہلی اور سستی کے موضوع کو بیان کیا گیا ہے:

"صدا جیسے کوئی بانگ درا ہے
کسی لمبے سفر کی ابتدا ہے
موذن مرغ نے اذان دی ہے
مگر پشتون ابھی سویا پڑا ہے"(۷۷)

اکثر جریدوں، مجلوں اور ماہناموں کا یہ طرہ امتیاز رہا ہے کہ وہ تقریباً ہر قسم کی شعری اور نثری اصناف ادب کو شامل اشاعت کی سعی کرتے ہیں۔ سہ ماہی مجلہ " ادبیات" بھی اسی کوشش میں کوشاں ہے۔ پاکستانی ادب کے اُردو تراجم کے ضمن میں سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے مدیران کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ ہر شعری اور نثری اصناف ادب کو اپنے شماروں کی زینت بنائیں۔ رباعی کے اُردو تراجم بھی انھی کوششوں کی پاسداری ہے۔ یہ مجلہ چونکہ قومی یکجہتی کا ترجمان ہے۔ اس لیے اس کے مدیران ہر پاکستانی حصے کی اصناف ادب کو ترجمہ کر کے شماروں میں شائع کرتے ہیں اور فروغ ادب میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ رُباعی، نظم اور غزل کی طرح کبھی بھی معروف صنفِ شاعری نہیں رہی۔ اس کی بڑی وجہ عروض کا علم ہے۔ جو شاعر عروض میں پوری مہارت رکھتا ہے، وہی رُباعی کی صنف میں طبع آزمائی کر سکتا ہے۔

اس پرچے کی پاکستانی ادب کے اُردو تراجم کی رُباعی، موضوعاتی سطح پر اُردو ادب سے ہم آہنگ نظر آتی ہے۔ اُردو ادب میں رُباعی کے خاص موضوعات حمد، نعت، منقبت، اخلاقیات، سیاست، عشق، دنیا کی بے ثباتی، تصوف، فلسفہ، منظر نگاری اور مناجات ہیں۔ یہ سارے موضوعات اس مجلے کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں

آسانی سے مل سکتے ہیں۔رُباعی کے موضوعات کے لحاظ سے اس مجلے کے اُردو تراجم میں دیگر رسائل و جرائد سے کوئی انحراف نہیں پایا گیا۔

.x قطعہ کا موضوعاتی جائزہ:

قطعہ عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی ٹکڑا، پرزہ، خطۂ زمین، کم از کم دو شعر کی نظم۔ قطعات جمع (۷۸) ڈاکٹر سلیم اختر قطعہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

''بعض اوقات ایک موضوع، کیفیت، موڈ کی بنا پر غزل میں واحد معنی کے حامل مفرد شعر کی بجائے اشعار مسلسل ہو جاتے ہیں۔ایسے اشعار کو قطعہ/قطعہ بند کہا جاتا ہے۔ان کی تعداد معین نہیں لیکن کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ پانچ سے زائد ہو سکتی ہے لیکن پانچ سے زائد اشعار بھی ہو سکتے ہیں۔ قطعہ قصیدہ میں بھی ہو سکتا ہے۔''(۷۹)

اُردو ادب کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اس میں طویل قطعات بھی مل سکتے ہیں، تاہم آج کل اکثر شعراء دو مصرعوں پر مشتمل قطعہ بھی کہہ رہے ہیں۔ قطعہ کے لیے کوئی مخصوص وزن نہیں ہے۔رُباعی میں مطلع ضروری عنصر ہے جب کہ قطعہ میں عموماً مطلع نہیں ہوتا:

''روایتاً قطعے میں مطلع نہیں ہوتا لیکن دورِ حاضر میں اس کی پابندی نہیں رہی۔ متعدد نظم گو شعراء نے مطلع دار قطعے کہے ہیں۔چونکہ ان میں معنوی ربط ہے اس لیے انہیں غزل نہیں کہہ سکتے۔ موضوعی اعتبار سے وہ قصیدے کی ذیل میں نہیں آسکتے اس لیے انہیں قطعہ کہے بغیر کوئی چارہ نہیں۔''(۸۰)

موضوعات کے حوالے قطعہ میں کوئی قید نہیں ہے۔ہر طرح کے موضوع کو قطعہ میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ قطعہ کے موضوعات کے حوالے سے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی یوں گفتگو فرماتے ہیں:

''قطعہ کے لیے کوئی موضوع مقرر نہیں۔ قطعہ نگار ہر طرح کے واقعات و بیانات، نظریات و خیالات اور احساسات و جذبات کو نظم کر سکتا ہے، بشرطیکہ پورا قطعہ معنوی اعتبار سے مکمل اکائی ہو۔''(۸۱)

سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں صرف ایک شمارہ ایسا ہے جس میں سرائیکی قطعات کا اُردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ ادبیات کا ایک سوتینواں شمارہ ہے۔اس شمارے میں شاکر شجاع

آبادی کے دو قطعات کو سرائیکی زبان سے اُردو زبان میں ترجمہ کیا گیا۔مترجم کے فرائض خورشید ربانی نے ادا کیے۔اِن ترجمہ شدہ قطعات میں سے پہلے قطعہ میں ڈر یاخوف کا موضوع بیان کیا گیا ہے۔قطعہ پیش خدمت ہے:

"کوئی اپنی وفا پر ناز کرے
کوئی عاشق اپنی ادا کا ہے
ہم پیلے پات درختوں کے
ہمیں رہتا خوف ہوا کا ہے"(۸۲)

اکثر شعراء قطعات میں زندگی کے مختلف مسائل کو بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ایسا کرتے ہوئے وہ طنز کی شدید کاٹ کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔دو شعروں میں ایسے ایسے مسائل بیان کر دیئے جاتے ہیں جن کو نثر میں لکھنے کے لیے کئی کئی صفحات درکار ہوتے ہیں۔زیر نظر قطعہ میں شاکر شجاع آبادی نے جدید دور کے مسائل کو قطعہ میں خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔یہ قطعہ پیش کیا جاتا ہے:

"زخم دکھوں کے سینے دو
پانی سکھ کا پینے دو
ہم بھی ہیں مخلوقِ خدا
ظالم لوگو! جینے دو"(۸۳)

درج بالا قطعات کی روشنی میں یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے کہ سہ ماہی مجلہ " ادبیات" جس مقصد کے لیے تخلیق کیا گیا تھا،وہ اس مقصد کی تکمیل میں نبرد آزما نظر آرہا ہے۔وہ مقصد قومی یکجہتی کو فروغ دینا تھا اور سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے مدیران اس مقصد کو کامیاب و کامران کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔انھوں نے ایک طرف تو اس ملک کے کونے کونے سے ہر صنفِ ادب کو اکھٹا کیا اور دوسری طرف مختلف زبانوں سے شعری اور نثری اصناف سخن کو ترجمہ کر کے ان شماروں میں شائع کیا جس سے قومی یکجہتی کی فضا پروان چڑھتی نظر آتی ہے۔مختلف پاکستانی زبانوں سے قطعات کا ترجمہ ہونا اُسی سلسلے کی کڑی ہے۔ادبیات کو ایک معیاری مجلہ بنانے میں قطعہ نگاروں اور مترجموں نے نہ صرف اپنے ذوق کی تسکین کی ہے بلکہ یہ ایک ادبی ذمہ داری نبھانے میں بھی کامیاب ہوئے ہیں۔

قطعہ دورِ جدید کی ایک مقبول شعری صنف ہے۔اُردو ادب کی قدیم شاعری میں اگر ایک مضمون یا

خیال کو تسلسل کے ساتھ بیان کیا جاتا تھا تو اُس کو قطعہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ دورِ جدید میں چار مصرعوں یا دو اشعار پر مشتمل صنفِ شاعری کو قطعہ کا نام دیتے ہوئے اس کو ایک علیٰحدہ اور آزاد صنف خیال کیا جاتا ہے۔ سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں قطعہ کو ایک باقاعدہ صنفِ شاعری گردانتے ہوئے شائع کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس مجلے کے اُردو تراجم میں قطعات کی کثرت نہیں تاہم اُردو ادب سے مطابقت اور ہم آہنگی ضرور ہے۔

ب۔ شعری تراجم کا فنی جائزہ

i. حمد کا فنی جائزہ:

سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کا اجراء ۸۰ کی دہائی میں ہوا۔ اس پرچے نے نہ صرف ملکی زبانوں کے فروغ میں اپنا کردار ادا کیا بلکہ غیر ملکی ادب کے پھیلانے میں بھی اس کا کردار خاصا اہم ہے۔ خصوصاً پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے ذریعے قومی یکجہتی کے فروغ دینے میں اس کی خدمات گراں قدر ہیں۔

اُردو تراجم میں جہاں اس مجلے نے تقریباً تمام نثری اصناف کے ترجمے کیے۔ وہاں شعری اصناف کے تراجم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ دیگر اصنافِ شعری کی طرح حمد کے تراجم بھی اس مجلے کا خاصہ ہیں۔ ڈاکٹر محمد اشرف کمال حمدیہ شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "حمدیہ شاعری مختلف اصنافِ شعری میں کی جاتی ہے۔ نظم ہو یا غزل، مرثیہ ہو یا مثنوی، قصیدہ ہو یا رُباعی، ہائیکو ہو یا سانیٹ سب میں حمدیہ شعر لکھے جاتے رہے ہیں۔ شعری مجموعوں، دیوانوں یا کلیات کا آغاز بھی عموماً حمدیہ اشعار سے کیا جاتا ہے کیونکہ اسلامی معاشرے میں تصورِ توحید اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔" (۸۴)

اس پرچے کی اکثر اشاعتوں میں مختلف پاکستانی زبانوں کے تراجم شائع ہوتے رہے۔ فنی لحاظ سے ترجمہ کی گئی حمدیں اعلیٰ اوصاف کی حامل ہیں۔ پاکستانی رسالوں میں جتنی بھی حمدیں لکھی گئی ہیں اور جتنی لکھی جارہی ہیں، "ادبیات" کی حمد فنی لحاظ سے ان سے کم تر نہیں ہیں۔ فنی لوازم پر یہ حمدیں بالکل پورا اترتی ہیں۔

اس پرچے میں شامل ''حمد'' نہایت اعلیٰ پائے کی ہے۔ یہ خوبصورت استعارات، جدید تمثال کاری، اچھوتے تلازموں اور نئی نئی تراکیب سے مزّین ہے۔ اس حوالے سے رحمان بابا کی لکھی گئی حمد سے اشعار پیش کیے جاتے ہیں جس کا ترجمہ طہٰ خان نے کیا ہے:

''آپ ہی عطر آپ ہی عطار
حسن بے مثل خوش ادا میرا
حسن تعمیر کائنات میں ہے
وہی معمار دوسرا میرا
ہر صحیفے کے لفظ و معنی کو
جانتا ہے خرد نما میرا''(۸۵)

رحمان بابا کی شاعری میں فنی لوازمات پوری طرح عیاں ہیں۔ سادگی، سلاست، روانی اور خوش آہنگی کلام رحمان بابا کی شاعری کے خاص اوصاف ہیں۔ تغزل میں آپ پر حافظ شیرازی کا رنگ غالب ہے۔ لیکن اس نغمہ سرائی میں جب وہ اخلاقیات کا درس دینے لگتے ہیں تو پھر سعدی، شیرازی پر بھی سبقت لے جاتے ہیں۔ م۔ر۔ شفیق رحمان بابا کی فنی خصوصیات کے متعلق یوں رائے دیتے ہیں:

''رحمان بابا کی شاعری کی ایک اور نمایاں خصوصیت اس کی آفاقیت ہے۔ یہ خاک نشین قلندر اسلامی تصوف اور نظام اخلاق کا علمبردار ہے۔ ظاہر ہے وہ پختونخوا کے مہمند قبیلے کے چشم وچراغ تھے لیکن آپ کا طائر خیال، رنگ ونسل اور قومیت کی حدود سے بالاتر ایک لاہوتی فضا میں محوِپرواز ہے۔''(۸۶)

معنویت، اظہار کی موزونیت، خوش آہنگی اور صنعتوں کا استعمال اہم فنی لوازمات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان لوازم کا بھرپور اظہار صوفی عبدالرشید کی ہندکو زبان میں لکھی ہوئی حمد میں ہوتا ہے۔ جس کا ترجمہ سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کے مدیر اختر رضا سلیمی نے کیا ہے:

''گرمی ہو یا سردی ہو
پت جھڑ ہو یا کھلی بہار
اللہ تو ہر اک کا یار
تیرے حکم سے چلتا ہے

جگ   سارا   کا   کاروبار
اعلیٰ   تیرا   عرش
اونچا   تیرا   تاج"(۸۷)

اسلوب بیان سے مراد لکھنے کا ایسا ڈھنگ یا طریقہ ہے کہ بات کا بیان بھی احسن انداز میں ہو اور طرز ادا بھی دوسروں سے الگ ہو۔ اس طرز ادا کی اپنی پہچان اور علیحدہ شناخت بھی ہو۔ پروفیسر انور جمال اسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "اسلوب فنی تجربے کے ناگہانی یا اخلاقی حسن کے بجائے اس کے طویل، ارادی اور مسلسل ارتباط کو ظاہر کرتا ہے اسے اندازِ تشکیل یا وضعیت بھی کہہ سکتے ہیں۔ روایت کا گہرا شعور ہی ایسی حقیقت ہے جو اُسلوب کے تاثر کو اُبھارتی ہے۔ اسلوب فوری طور پر اپنے "میڈیا" (فنی ذرائع) سے متاثر ہوتا ہے یعنی اسلوب کی رونمائی میں تخلیقی مواد کی مختلف نوعیتوں کا دخل ہوتا ہے۔"(۸۸)

سہ ماہی " ادبیات" کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں اسلوب کی اچھی اچھی مثالیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ ایوب صابر کی لکھی ہوئی حمد پیش کی جاتی ہے جس کا ترجمہ انجم یوسفزئی نے کیا ہے:

"نہ   ہے   منہ   نہ   دانت
نہ   پاؤں   نہ   ہاتھ
نہ   ہی   ناک   اور   نہ   کان
زبان   نہیں   لیکن   بولتا   ہے
آنکھیں   نہیں،   دیکھتا   ہے
نظر   نہیں   آتا،   عنقا   ہے"(۸۹)

شاعری میں صنعتوں کا استعمال بات کو دلآویز بنا دیتا ہے۔ صنعتِ تضاد ایسی صنعت ہے جس میں متضاد الفاظ کا استعمال کر کے کسی بھی چیز کی وضاحت مؤثر پیرائے میں ہو جاتی ہے۔ ہندکو کے شاعر صوفی عبدالرشید نے اپنی حمد میں اس صنعت کا موثر استعمال کیا ہے۔ مترجم کے فرائض "ادبیات" کے مدیر اختر رضا سلیمی نے سرانجام دیئے ہیں:

"تو ہی اول تو ہی آخر
تو ہی باطن، تو ہی ظاہر
جتنے ہیں سنسار
گرمی ہو یا سردی ہو
پت جھڑ ہو یا کھلی بہار
اللہ تو ہر اک کا یار"(۹۰)

سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں حمدیہ شاعری کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے۔تاہم اگراس مجلے میں شائع ہونے والی حمدیہ شاعری کا جائزہ لیا جائے تو یہ شاعری دیگر رسائل و جرائد کی طرح فنی لوازمات پر پورا اترتی ہے۔فنی خوبیاں جیسا کہ تشبیہات و استعارات، سادہ اور سلیس اسلوب بیان، ترکیب، عروضی آہنگ، معنویت اور اظہار کی موزونیت وغیرہ اس کے شماروں کی حمدیہ شاعری میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ سہ ماہی مجلہ " ادبیات"کی حمدیہ شاعری میں فنی خصائص کا اظہار احسن طریقے سے کیا گیا ہے۔

اُردو ادب کے اکثر رسائل و جرائد حمدیہ شاعری سے آغاز کرتے ہیں۔اگرچہ کچھ جریدوں کی ابتدا میں حمد نہیں ملتی۔یعنی دونوں طرح کے رجحان ملتے ہیں۔سہ ماہی مجلہ " ادبیات"کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم کے کچھ شماروں کے ابتدا میں حمد ہے اور کچھ میں نہیں ہے۔فنی لحاظ سے اس مجلے کے حمدیہ اشعار میں بحور، تراکیب، تشبیہات واستعارات، اظہار کی موزونیت اور عروضی آہنگ وغیرہ کے لحاظ سے مماثلت پائی جاتی ہے۔اس مجلے کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم کی حمدیہ شاعری فنی خصائص کی حامل ہے۔

ii. نعت کا فنی جائزہ:

نعتیہ شاعری اُردو صنفِ شاعری کی ایسی قسم ہے جس پر اکثر شاعر قلم فرسائی کرتے رہے ہیں۔ مسلم شاعروں کو اس میدان میں اولیت حاصل ہے۔اس صنفِ شاعری میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس کے اصافِ حمیدہ بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔نعت کے بارے میں شمیم احمد یوں لکھتے ہیں:

"ایسے اشعار جن میں حضور سرورِ کائنات پیغمبرِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصافِ بابرکت کا ذکر بہ توصیف و عقیدت ہو، شعری اصطلاح میں نعت یا نعتیہ اشعار کہلاتے

ہیں۔ نعتیہ اشعار بالعموم کسی نظم یا مثنوی کے شروع میں لائے جاتے ہیں۔ ویسے نعتیہ نظمیں علیٰحدہ سے بھی لکھی گئی ہیں اور یوں ہمارے ہاں نعتیہ شاعری کی خاصی معقول روایت رہی ہے۔ نعتیہ قصیدے بھی بہ کثرت لکھے گئے۔"(۹۱)

سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں ترجمہ کی گئی نعتیں اپنے فنی محاسن سے لبریز نظر آتی ہیں۔ جس طرح اس نعتیہ شاعری میں متنوع موضوعات موجود ہیں۔ بالکل اسی طرح یہ شاعری فنی لوازم سے بھی بھرپور ہے۔ اگر ان تراجم کا مطالعہ کرتے ہوئے فنی لوازمات کو دیکھا جائے تو ان میں زبان و بیان، منفرد اسلوب، ندرت خیال، طرز احساس اور انفرادیت کے خصائص پائے جاتے ہیں۔ علم بیان کے اوصاف جیسا کہ تشبیہات واستعارات، کنایہ، مجاز مرسل، تلمیح اور علم بدیع، صنائع وبدائع اور مرکبات وتر کیب کی خوبیاں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔

سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کی نعتیہ شاعری منفرد اسلوب کی حامل ہے۔ اسلوب کے لغوی معنی طرز، طریقہ یا ڈھنگ کے ہیں۔ انگریزی میں اسے "سٹائل" کہا جاتا ہے۔ جو لاطینی لفظ "STILUS" سے ماخوذ ہے۔ بعض مفکرین کی رائے ہے کہ یہ یونانی لفظ "STYLOS" سے مشتق ہے۔ بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

"اسلوب کے بارے میں اگرسے بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن اس کی سادہ اور مختصر ترین تاریخ کی شاعری یا نثر نگار کا مخصوص انداز نگارش کی جاسکتی ہے۔ اس لیے اسلوب اگر ایک طرف اچھے شاعر یا اچھے انشاءپرداز کی شناخت کا باعث بنتا ہے تو دوسری جانب بعض اوقات قلم کار کی شخصیت کا مظہر بھی ثابت ہو سکتا ہے۔"(۹۲)

میر امن، مرزا غالب، محمد حسین آزاد اور مولانا عبدالکلام آزاد، اُردو نثر میں منفرد اسلوب کے حامل ہیں۔ اسی طرح اُردو شاعری میں میر تقی میر، مرزا غالب، مولانا الطاف حسین حالیؔ اور علامہ اقبال کا اسلوب بھی خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ شاعری میں چونکہ کم از کم الفاظ میں کسی خیال کا ابلاغ مقصود ہوتا ہے۔ اس لیے ہر شاعر صاحب اسلوب بھی ہوتا ہے۔

سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کی نعتیہ شاعری کے اُردو تراجم بھی منفرد اسلوب کے حامل ہیں۔ ان تراجم میں اسلوب رواں، سلیس اور شگفتہ ہے۔

پیر محمد زبیرانی کی بلوچی کی نعت پیش کی جاتی ہے جس کا ترجمہ واحد بخش بزدار نے کیا ہے:

"راحت قلب و جاں نام محمد ﷺ
زندگی کی تاب تواں ہے محمد ﷺ
میرا دین وایماں عشق نبی ﷺ ہے
دوائے جسم جاں ہے نام محمد ﷺ
ہر سو خوشبو مہک رہی ہے
مشک و عنبر فشاں ہے نام محمد ﷺ
طٰہٰ و یٰسین نام محمد ﷺ
لاریب زیب قرآن ہے نام محمد ﷺ"(۹۳)

تشبیہ، شاعری کا حسن اور زیور خیال کی جاتی ہے۔ تشبیہ کے لغوی معنی "مانند قرار دینا" جبکہ اصلاحی معنوں میں کسی ایک چیز کی مشترکہ خوبی یا خامی کی بنا پر دوسری چیز کے مانند قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر تشبیہ کے حوالے سے یوں بیان فرماتے ہیں:

"کسی فرد یا چیز کی منفی یا مثبت خصوصیات واضح کرنے کے لیے اسے زیادہ اچھی یا زیادہ بُری، زیادہ خوبصورت یا زیادہ بدصورت، ارفع یا ادنیٰ جیسا قرار دینا۔ جیسے آنکھوں کی خوبصورتی کے لیے آہو چشم کہیں گے لیکن بدنما آنکھوں کو "گاؤ چشم" قرار دیا جا سکتا ہے۔"(۹۴)

سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے تراجم میں شامل نعتیہ شاعری میں تشبیہ کے کثرت نمونے پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر دادن فقیر کی نعت سے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ اُردو ترجمہ مرید سندھی کے قلم سے ہوا:

"میری ہو جائے مدد رہبر مصطفی ﷺ
اے حبیب خدا خاتم الانبیا
آپ ﷺ جیسا نہ رہبر نہ پیغمبر کوئی
آپ ﷺ جیسا نہ عالم نہ سرور کوئی
آپ ﷺ جیسا نہ دیکھا بندہ پرور کوئی
جو تمہاری رضا وہ رب کی رضا"(۹۵)

تلمیح، اہل معانی کے نزدیک کلام میں کسی قصے مسئلے یا اصطلاح کی طرف اشارہ کرنا۔تاریخی واقعات،تاریخی شخصیات،تاریخی عمارات اور لیجنڈز وغیرہ کاابلاغ اور حسن بیان کے لیے کلام میں استعمال کرنا۔ تنقیدی اصطلاحات میں تلمیح کی تعریف یوں کی گئی ہے:

> ''علم بدیع کی اصطلاح میں تلمیح اس شاعرانہ حربے کو کہتے ہیں جس کے تحت کہنے والا یا لکھنے والا اپنے کلام یا تحریر میں کم سے کم الفاظ میں کسی قصے،آیت،حدیث،شخصیت یا مشہور واقعے کی طرف اشارہ کرے۔کسی قصہ طلب واقعہ سے مضمون پیدا کرے۔کسی ایسی چیز کا ذکر کرے جو خطبے مستعملہ میں مذکور ہو۔مشہور شعر یا ضرب المثل یا کسی مسئلے کو کلام میں لائے جیسے مقررین اہم واقعات کی طرف بسااوقات جملوں اور لفظوں میں اشارہ کرتے ہیں۔بعض علوم کی علمی و فنی اصطلاحات کو طرز بیان کا حصہ بنائے۔ مثلاً نجوم، ریاضی، موسیقی، طبیعی علوم وغیرہ کی اصطلاحیں اپنی کلام میں لائے۔کسی تعبیر کی طرف اشارہ کرے یا فرہنگ عامہ، عقائد آداب، رسوم وعلوم قدیم کا تذکرہ ایسے انداز میں کرے، جس سے اس کے کلام کی معنویت میں اضافہ ہو پائے۔''(۹۶)

سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں تلمیحات کے نہایت عمدہ نمونے بکثرت موجود ہیں۔ان تلمیحات کا استعمال اس طرح ہے جس طرح دیگر رسالوں اور مجلوں میں بیان ہوا ہے۔ منظور بلوچ کی تحریر کردہ بلوچی زبان سے ترجمہ کی گئی نعت کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے جس کا ترجمہ واحد بخش بزدار نے کیا ہے:

> ''رنج والم کی تم ہی ہو دعا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
> خطاکاروں کا تمہیں ہو آسرا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
> حضرت آدم سے لے کر نوح کے طوفان تک
> سبھی کے تمہی ہو مشکل کشا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم''(۹۷)

فنی محاسن کے اظہار کے لیے استعارہ بھی کافی اہمیت کا حامل ہے۔استعارہ کی استعمال سے کسی شخصیت یا چیز کی اہمیت بڑھانے کی سعی کی جاتی ہے۔فرہنگ آصفیہ کے مطابق لغوی معنی مانگ لینا۔علم بیان کی اصطلاح میں مجاز کی ایک قسم ہے یعنی جب مضاف الیہ سے کچھ تشبیہ کا لگاؤ ہو تو اس مضاف کو استعارہ کہتے ہیں۔

استعارہ سازی کا شمار ذہن کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں پر مبنی ہے۔استعارہ کے استعمال سے اسلوب پُر اثر ہو جاتا ہے۔الجھے، مبہم اور پیچیدہ خیالات و افکار میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے تحت ترجمہ ہونے والے نعتوں کے ترجمے میں استعارہ کی مثالیں دستیاب ہیں۔

شاعری میں صنعتوں کا استعمال بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ان صنعتوں میں صنعت تضاد کی ایک اپنی خصوصیت ہے۔تقریباً ہر قسم کی شعری صنعت میں شعراء نے اس کا استعمال بڑی چابکدستی سے کیا ہے۔اسے طباق اور تقابل بھی کہا جاتا ہے۔پروفیسر انور جمال صنعتِ تضاد پر یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

"جب کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں جو معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہوں، صنعت تضاد کہلاتی ہے۔یہ ایک شعری صنعت ہے ادبی اعتبار سے تضاد کلام کا ایسا حسن ہے۔جو متضاد الفاظ کے کلام سے پیدا ہوتا ہے۔"(۹۸)

سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں صنعت کا استعمال فنی ہنر مندی کی ایک اہم مثال ہے۔رحمان بابا کی نعت سے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں جن میں اس صنعت کا استعمال نہایت ہنر مندی سے ہوا ہے:

"اول و آخر کہو یا ظاہر و باطن کہو
جو سمجھتا ہے تجھے ٹھوکر کھاتا نہیں
وہ نبی ہیں یا ولی ہے یا گنہ گار حقیر
تیرا فیض پیشوائی ہو تو گھبراتا نہیں
فاسق و فاجر ہے کوئی یا ہے کوئی پارسا
دین میں تیرے جو آئے اس کو ٹھکراتا نہیں۔"(۹۹)

ان فنی لوازمات کا استعمال یہ بات باور کرواتا ہے کہ اس مجلے میں پاکستانی زبانوں سے تراجم کے ذریعے شائع ہونے والی نعتوں کی اپنی ایک الگ شناخت اور پہچان ہے۔اور ان نعتوں کے جائزے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ ان میں فنی لوازم کا استعمال احسن طریقے سے ہوا ہے۔پاکستانی زبانوں سے اُردو زبان میں شائع ہونے والی نعتوں میں اسلوب بیان، ندرت خیال، طرز احساس، انفرادیت، تشبیہات و استعارات، مجاز مرسل، کنایہ، مرکبات و تراکیب، زبان و بیان اور صنعتوں کے استعمال کا فن عمدگی سے برتا گیا ہے۔

نعتیہ شاعری اُردو ادب کی ایک اہم صنفِ شاعری ہے۔ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دور سے ہی لکھی اور پڑھی جارہی ہے۔ رسائل و جرائد بھی اس صنفِ شاعری کو اُجاگر کرنے میں کوشاں رہے ہیں۔ سہ ماہی مجلہ "ادبیات" بھی اُن جرنلز کی فہرست میں ہے جس نے نعتیہ شاعری کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم بھی نعتیہ ذخیروں سے لبریز ہیں۔ فنی لحاظ سے اس مجلے کے شمارے اس صنفِ سخن کے نادر نمونے رکھتے ہیں۔ دورِ جدید کا اُردو ادب فنی لحاظ سے جن خواص کا حامل ہے وہ سب اس کی نعتیہ شاعری میں موجود ہیں۔

iii. نظم کا فنی جائزہ:

اُردو ادب میں نظم ایک مقبول صنفِ شاعری ہے۔ پروفیسر انور جمال نظم کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "نظم ایک شعری اصطلاح ہے جس سے مراد پرونا، ترتیب، تشکیل، صنعت یا انتظام ہے۔ کسی بے ترتیب اور بکھرے ہوئے مواد کو موزوں اور مرتب شکل میں پیش کرنا نظم کہلاتا ہے لیکن نظم کی یہ تعریف ایک اعتبار سے گمراہ کن رہے گی جب تک اس میں تخلیقیت، تخئیل اور غنائیت کے عناصر کو شامل نہ کیا جائے۔ مشاہدے، یاد، جذبات، لفظی مصوری، تفکر اور صنعت کے عمل سے گزر کر ایک نیا اور خوب صورت پیکرِ الفاظ وجود پاتا ہے، شعری اصطلاح میں اس کا نام نظم ہے۔"(۱۰۰)

سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کا اجراء ۸۰ کی دہائی میں ہوا۔ اس سے قبل ۶۰ اور ۷۰ کی دہائیاں گزر چکی تھیں جو کہ پاکستان کی تاریخ میں سیاسی و سماجی توڑ پھوڑ اور تبدیلی کا عرصہ ہے۔ اس دور میں ایسے واقعات رونما ہوئے جنھوں نے پاکستان کی معاشرتی سیاسی اور سماجی زندگی پر دوررس اثرات مرتب کیے۔ سقوط ڈھاکہ کا سانحہ، ضیاء الحق کا مارشل لاء جس کے نتیجے میں عوام کی طرف سے منتخب کردا وزیر اعظم کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ جو بھی شخص سیاسی جدوجہد میں حصہ لیتا، اس کی آواز کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا جاتا۔ عوام کو کوئی کام اپنی مرضی سے کرنے کا حق نہ تھا۔ ان حالات نے پاکستانی عوام کے ہر شعبے کو متاثر کیا۔ ان حالات کا اثر پاکستانی ادب پر بھی پڑا۔ ان کے اثرات کی وجہ سے پاکستانی ادبی رویوں میں بھی نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ یہ تبدیلیاں پاکستان میں نظم و نثر ہر دو سطح پر ظاہر ہوئیں۔

شاعری میں فن اور موضوع دو اہم چیزیں ہیں۔ فنی جائزہ سے مراد اس سارے مواد کا مطالعہ ہے جو شاعر اپنی شاعری میں استعمال کرتا ہے یعنی شاعر نے کن علامات کا استعمال کیا ہے؟ اس کی ترکیب نے ادب پر

کیسا اثر ڈالا ہے؟ اس کا اسلوب بیان کیسا ہے؟ اس کی شاعری میں عروضی آہنگ، معنویت، اظہار کی موزونیت اور خوش آہنگی کیسی ہے؟ ان سب فنی اجزاء کا تجزیاتی جائزہ لیا جاتا ہے۔ شاعر نے نظم کی کونسی سے ہیئت یا صنف شاعری میں استعمال کی ہے؟ کسی بھی فن پارے کی تشریح و توضیح دو بنیادوں پر کی جاتی ہے۔ ایک جمالیاتی بنیاد اور دوسری تجزیاتی بنیاد۔

فنی مطالعہ میں شاعر کے فن پاروں کا مطالعہ تنقیدی اور تجزیاتی حوالے سے جائزہ لینا ہوتا ہے۔ جب ہم کسی شاعر یا ادیب کی زندگی کا فنی جائزہ لیتے ہیں تو اس میں ہم اس کی زندگی میں آنے والے واقعات کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان واقعات کا اثر ادب میں تلاش کرتے ہیں۔ کسی فنکار یا مصنف کے مکمل کام کے فنی جائزہ میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس نے کون کون سے اصناف ادب اپنے اظہارِ خیال کے لیے منتخب کی ہیں اور کس صنف کو اپنے اظہار کے لیے موزوں جانا ہے؟ کسی ایک صنف کے فنی جائزے سے مراد ہے کہ اس صنف کی ہیئت کیسی ہے؟ اور کن شعراء نے اس میں نئے نئے تجربات کیے ہیں۔ تنقید میں تجزیاتی یا فنی مطالعہ انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور یہ سائنسی تنقید کا ایک اہم حصہ ہوتا ہے۔ سائنسی تنقید کے حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر یوں رقمطراز ہیں:

> ''اس اندازِ نقد میں سائنس جیسی قطعیت پیدا کرتے ہوئے نقاد سے سائنس دان جیسی غیر جانبداری کی توقع کی جاسکتی ہے۔ دراصل سائنسی تنقید تجزیاتی تنقید اور استقرائی تنقید سے وابستہ تصورات کا مجموعہ ہے۔ ناقدین کی اکثریت کا اس امر پر اتفاق ملے گا کہ تنقید کا بنیادی فرئضہ تخلیق کا حسن و قبیح اجاگر کرتے ہوئے اس کے معیار کا تعین کرنا اور دیگر تخلیقات سے تقابل کے بعد اس کی قدر و قیمت طے کرنا۔ یہ طریقہ اساسی ہے البتہ حصول نتائج کے لیے کون سا طریقہ اختیار کیا گیا اس سے فرق نہیں پڑتا۔''(۱۰۱)

سائنسی تنقید کی دو واضح بنیادیں ہیں۔

۱۔ تجزیاتی بنیاد ۲۔ استقرائی بنیاد

تجزیاتی سائنسی تنقید کی بنیاد زبان ہے جو کہ ابلاغ کا بہترین ذریعہ ہے۔ ابلاغ کا انحصار زبان کے الفاظ پر ہے یعنی تجزیاتی بنیاد صرف الفاظ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس ضمن میں ناقد کی الفاظ سے گہری وابستگی ضروری ہے۔ بہترین الفاظ کا چناؤ ہی بات کو مؤثر بنائے گا۔ اس طریقے سے پیدا ہونے والا ادب زبان کی ایک صورت پذیری کا نام ہے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ تجزیاتی زندگی تو لفظوں کی گورکھ دھندوں میں پھنس کر رہ جاتی

ہے۔ جس میں نقاد علم البیان اور صرف و نحو کے حوالے سے ادب کی خصوصیات کا جائزہ لیتا ہے۔ ایک شاعر کی کامیابی کا دار و مدار بھی اس کے الفاظ کے چناؤ سے کیا جاتا ہے۔ نقاد کا یہ کام ہوتا ہے کہ جو بات شاعر/ادیب کہنا چاہتا ہے اس کا صحیح مفہوم قاری تک پہنچائے۔ اس طرح فن کا تجزیاتی مطالعہ دراصل فن برائے فن ہے۔ اس نظریے کے مطابق فن میں مقصدیت آجائے تو فن ہی نہیں رہتا۔

لہذا کسی بھی تخلیق کا مطالعہ تجزیاتی اور جمالیاتی بنیادوں پر کرنا چاہیے نہ کہ موضوعاتی بنیادوں پر۔

استقرائی بنیاد، سائنسی طرز فکر ہے اس میں تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر درست نتائج تک پہنچا جاتا ہے۔ جو نتائج آجائے اس کو حتمی یا دائمی تصور نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ نتائج نئے شواہد اور مواد کی روشنی میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ اس طرح طریقہ کار کو اپنائے ہوئے جو تنقید جنم لیتی ہے، اسے استقرائی تنقید کا نام دیا جاتا ہے۔ گویا تجزیاتی تنقید اور استقرائی تنقید سے گزر کر بھی اصناف ادب کے فنی محاسن ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔

سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں نظم فنی سطح پر ایک ادبی پہچان رکھتی ہے۔ اس مجلے میں شائع ہونے والی نظم، فنی لوازمات کو پورا کرتی ہے۔

فنی لوازمات میں سے ایک اہم علامت نگاری ہے۔ ظاہری طور پر علامت استعارہ سے قریب تر نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں اس کی وسعت استعارہ سے زیادہ ہے۔ علامت کا مطلب جذبہ، کیفیت، حادثہ، فطرت یا تصور کی وضاحت یا توضیح کے لیے ایسے الفاظ کا استعمال ہے جو اس کی جملہ خصوصیات کی نمائندگی کا صحیح حق ادا کر سکیں۔ پروفیسر انور جمال علامت کا احوال یوں بیان کرتے ہیں:

> ''علامت جملہ فنون کی اصطلاح ہے۔ کوئی لفظ لغوی معنوں کے بجائے کسی اور معنی میں استعمال کرنا علامتیت کہلاتا ہے۔ لغات میں ہر لفظ کے ایک مخصوص معانی ہوتے ہیں یعنی ہر لفظ کسی خاص معنی کے لیے وضع ہوا ہے۔ اگر ہم لفظ کو اس کے مخصوص معنی کے بجائے اس سے کوئی دوسرے معانی مراد لیں تو یہ ''علامت'' ہو جائے گی گویا لفظ دو صورتوں میں استعمال ہو سکتا ہے ایک حقیقی معانی کے ساتھ اور دوسرا غیر حقیقی (مجازی) معنوں کے کے ساتھ۔ لفظ کا مجازی استعمال علامت ہے۔''(۱۰۲)

علامت نگاری کی مثال کے طور پر سندھی نظم پیش کی جاتی ہے جو آسی زمینی کی تخلیق کردہ ہے۔ سندھی سے اُردو میں ترجمہ مصطفیٰ ارباب نے کیا ہے:

"کوئل کے بچے
کوؤں کے گھونسلے میں
پرورش پاتے ہیں
لیکن
بولی
پالنے والے کی نہیں
اپنی ماں کی بولتے ہیں"(۱۰۳)

تشبیہ، بھی فنی خصائص میں سے ایک ہے۔ یہ لفظ "شبہ" سے نکلا ہے جس کے معنی "مماثل ہونا" کے ہیں۔ مشابہت، تمثیل اور کسی چیز کو دوسری چیز کی مانند قرار دینا بھی اس کے لغوی معنی ہیں۔ علم بیان کی رو سے کسی ایک چیز کو مشترکہ خصائص کی بناپر دوسری چیز جیسا قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔ دراصل شبیہ کے معنی مثال دینا کے ہیں۔ تشبیہ میں ہم کسی چیز یا شخص کو اس کی کسی خاصیت یا وصف کی بناپر کسی ایسی شخص یا چیز سے مشابہت پیدا کرتے ہیں جس کی وہ خوبی سب کے ہاں معروف اور مانی جاتی ہو۔ تشبیہ کے استعمال سے کلام میں فصاحت وبلاغت پیدا ہو جاتی ہے۔ سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے پاکستانی ادب کے تراجم سے نظم پیش کی جاتی ہے جس میں تشبیہ کا احسن طریقہ سے استعمال ہوا ہے۔ پشتو کی یہ نظم محمود ایاز نے لکھی ہے:

"اے زندگی
میں بھی تمہاری مصیبتوں میں
اس طرح محصور ہوں
جس طرح ایک پھول
ایک تازہ گلاب کا پھول
بے بس کانٹوں کے بدرقے میں
محصور ہوتا ہے"(۱۰۴)

فنی محاسن میں صنعتوں کے استعمال کی افادیت ہے۔ صنعت تضاد کو طباق، تطبیق یا تکافو کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ایک صنعت ہے جس میں دو ایسے کلمے لائے جاتے ہیں جو معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں جیسے زمین وآسمان، بحر وبر، شب وروز وغیرہ۔

سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے اپریل تا ستمبر ۲۰۰۸ء کے خصوصی شمارے میں فرزانہ یاسمین کی لکھی ہوئی سندھی نظم پیش کی جاتی ہے۔ مترجم ارشاد شیخ ہیں۔ نظم میں صنعتِ تضاد کا خوبصورتی سے استعمال ہوا ہے:

"مجھے ماضی پسند نہیں
اور نہ ہی مستقبل
تم بھلے سارا دن پرندوں کی طرح گزارو
لیکن میرے لیے صرف رات لے آؤ
تم میرے لیے وقت کی طرح ہو
پھر بھی میں تمہاری طرف دوڑ رہی ہوں
بے حد تک تھکاوٹ لے کر
میں نے مسلسل چھاؤں کو ڈھونڈا ہے
اس لیے الفاظ کی دھوپ
تمہیں مجھ تک نہیں لے آسکتی
لیکن
تم بہت دور نہ جانا
کیونکہ اس وادی میں
چاندنی بہت دیر نہیں رہتی۔"(۱۰۵)

ایجاز واختصار، فنی لوازمات میں سے ہیں۔ اختصار کا مطلب تھوڑے الفاظ میں مطلب کی ادائیگی ہے۔ اختصار طویل کی ضد ہے۔ یہ فصاحت اور ظرافت کی جان ہے۔ پروفیسر انور جمال ایجاز کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "کسی موضوع (Content) کو کم سے کم ممکنہ حرفوں میں ادا کرنا ایجاز کہلاتا ہے۔۔۔۔ شاعر کسی مشاہدے کی تخلیقی عمل پذیری میں (غیر ارادی طور پر) ایجاز سے کام لیتا ہے۔ نتیجتاً ایسے اشعار ظہور میں آتے ہیں جن کی توضیح و تشریح میں نثر سینکڑوں صفحے کالے کرتی ہے خصوصاً غزل کی شاعری میں ایجاز کا حسن اپنی معراج پر نظر آتا ہے۔ گویا کم سے کم لفظوں میں بڑی سے بڑی بات بیان کرنا "ایجاز" ہے۔ یہی حسنِ کلام ہے۔"(۱۰۶)

سہ ماہی مجلہ '' ادبیات''کی پاکستانی ادب کی نظموں میں ایجاز واختصار کے اوصاف بھی پائے جاتے ہیں۔ علی اظہار کی تخلیق کردہ نظم بطور مثال پیش کی جاتی ہے۔ سندھی زبان سے اُردو زبان میں ترجمہ فہیم شہناز کاظمی نے کیا ہے:

''طوفان ہمارے دوست ہیں
جو ہمیں یاد دلاتے ہیں
کہ ہمیں
اپنے گھروں کو
پھر مضبوط کرنا ہے۔''(۱۰۷)

علم بیان کی ایک اہم قسم مجاز مرسل ہے۔ مجاز مرسل میں لفظ اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہوتا ہے کہ حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق نہیں پایا جاتا۔ اگر تشبیہ کا تعلق پایا جائے تو یہ مجاز مرسل نہ رہے گا بلکہ استعارہ بن جائے گا۔ مجاز مرسل کے استعمال سے زبان میں یک گونہ لطف کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ نثری اصناف میں اس کو شاعرانہ اسلوب کا پرتو بھی کہا جاتا ہے۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں مجاز مرسل کے ضمن میں مواد مل سکتا ہے۔ اجمل وجیہہ کی پنجابی نظم پیش کی جاتی ہے۔ اس کا ترجمہ رفیق سندیلوی کے قلم سے ہوا ہے:

''بستی کے
ہر پیڑ پر
کالے کوّے آبیٹھے ہیں
جو پرندہ
گھونسلے سے
سر باہر نکالتا ہے
اس کو یہ کوّے
اکھٹے ہو کر
لہولہان کر دیتے ہیں
گھونسلوں میں

دبکاہوا

ہر ایک پرندہ

سوچ رہا ہے

کہاں جائے

کوّوں سے

کس طرح اپنی جان بچائے‘‘(۱۰۸)

محاکات، عربی زبان کا لفظ ہے اور فنی محاسن میں سے ہے۔اس کے لغوی معنی کسی منظر، حالت، کیفیت یا عالم کی درست تصویر کشی کا نام ہے، تنقیدی اصطلاح کے طور پر محاکات صحیح نقل کے معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے ارسطو کے تصور نقل کو بھی محاکات کا نام دیا جاتا ہے۔جدید اصطلاحات میں اب یہ زیادہ ترمروّج نہیں ہے۔پروفیسر انور جمال محاکات کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ’’محاکات ایک شعری اصطلاح ہے۔’’تصویر‘‘ رنگ و نقش کی دنیا میں اور’’محاکات‘‘ صوت و حرف کے جہان میں ایک ہی نوع کی چیزیں ہیں۔کسی چیز، حالت یا کیفیت کا اس طرح بیان کہ اس کی تصویر سننے والے کی آنکھوں میں پھر جائے’’محاکات‘‘ ہے۔مصور بھی بعض اوقات ایسی تصویر بنادیتا ہے کہ اس کے جذبات و کیفیات جھلکتے ہیں۔‘‘(۱۰۹)

سہ ماہی مجلہ ’’ ادبیات‘‘کے پاکستان ادب کے اُردو تراجم میں محاکات کے لاثانی نمونے موجود ہیں۔ سرائیکی نظم ’’ جل پریاں‘‘پیش کی جاتی ہے۔تخلیق کار سعید اختر اور مترجم شہاب صفدر ہیں:

’’جولائی کی تپتی دھوپ میں

ننگے پاؤں چلتی جائیں

سر، کولہے پر مٹکے رکھ کر

چولستانی اور دامانی

جل پریاں ہیں پانی پانی‘‘(۱۱۰)

صحرائی حسن کی منظر کشی کتنے دلکش انداز میں بیان کی گئی ہے۔یہی منظر کشی کی دلکشی ہوتی ہے کہ وہ مناظر فطرت کو اور زیادہ خوبصورت اور دلنشیں بنادیتے ہیں۔سہ ماہی مجلہ ’’ ادبیات‘‘کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں نظم فنی لحاظ سے پختہ نظر آتی ہے۔اس نظم میں عام اظہار کی بجائے حسن اظہار کی بھرپور شعوری

کوشش کارفرما نظر آتی ہے۔زندگی یا حقیقت کی عکاسی یا ترجمانی مسرت بخش انداز سے کی گئی ہے۔ان نظموں میں سماجی شعور کے ساتھ شعراء کی اپنی ذات کے عکس بھی ابھر کر سامنے آئے ہیں۔اسلوب بیان، ایجاز و اختصار، محاکات، ہئیتی تنوع ،علامت نگاری ،پیکر سازی ،ترکیب سازی ،فنی سطر کاری، عروضی آہنگ، معنویت ،اظہار کی موزونیت، خوش آہنگی یعنی علم بیان اور علم بدیع کے خوبصورت نمونے اس نظم کے اندر سموئے ہوئے ہیں۔فنی لحاظ سے اس مجلے کی نظم اس دور کے دیگر رسائل و جرائد سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

iv. غزل کا فنی جائزہ:

شاعری انسان کی اعلیٰ ترین تخلیقی صلاحیت سے معرض وجود میں آئی۔ہر دور میں انسانوں نے اپنی جذبات و احساسات، تہذیب و ثقافت ،رہن سہن ، تخیل، تصور ،رشدوہدایت حتیٰ کہ مزاح کے لیے بھی شاعری سے کام لیا۔اس لیے شاعری کو کلامِ موضوع خیال کیا جاتا ہے۔اظہار کی مختلف صورتیں ہونے کی وجہ سے مختلف شعری اصناف نے جنم لیا۔اُردو میں غزل، نظم، گیت، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، رباعی، دوہا، ماہیا وغیرہ معروف اصنافِ شعری ہیں۔ہر صنعت کی اپنی جداگانہ ہیئت اور منفرد اسلوب ہے۔

شاعری، خصوصاً غزل میں بات کو اور زیادہ واضح اور مؤثر پیرائے میں بیان کرنے اور لکھنے کے کچھ طریقے ہیں۔جن کا استعمال کلام میں زور اور تاثیر پیدا کرتا ہے کیونکہ شاعری میں شاعر چند الفاظ سے بہت بڑے بڑے واقعات مفاہیم اور تفاصیل بیان کرتا ہے۔پروفیسر انور جمال غزل کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ”قیس رازی نے المعجم میں غزل کے سلسلے میں کلب و غزال (کتے اور ہرن) کی تمثیل بیان کی ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لفظ غزل، غزال سے ہی نکلا ہوگا۔عربی قصیدے کا اولین حصہ تشبیب فارسی قصیدے سے الگ ہو کر غزل کے روپ میں جلوہ نما ہوا اور اُردو ادب کے دامنِ بہار میں گلریزی کرنے لگا۔اُردو غزل واحد صنفِ سخن ہے جو غمِ جاناں و غمِ دوراں کو تخلیقی اظہار دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔“(۱۱۱)

شاعری، خصوصاً غزل کے اشعار میں حسن اور دلکشی اور بات کو مؤثر بنانے کے لیے جو لوازمات استعمال کرتا ہے۔ان کو فنی لوازمات کا نام دیا جاتا ہے۔ان لوازمات کے استعمال کی وجہ سے ہی شاعری کی قدر و قیمت بڑھتی ہے۔اور ان میں خوش آہنگی اور لطف و سرور میں اضافہ ہوتا ہے۔یہ فنی لوازمات علم بیان، علم بدیع، صنائع بدیع، صنعتوں اور تراکیب پر مشتمل ہیں۔سہ ماہی مجلہ ” ادبیات“ کی پاکستانی زبانوں سے ترجمہ ہونے

والی غزل میں فنی لوازم کی بھرپور عکاسی نظر آتی ہے۔غزل کے فنی خصائص میں سے ایک تلمیح ہے۔ تلمیح کے لغوی معنی اشارہ کرنے کے ہیں لیکن اصطلاح میں اس سے مراد وہ لفظ ،الفاظ یا ترکیب ہے جو کسی قرآنی آیت، حدیث نبوی ،تاریخی واقعے، روایتی کہانی یا علمی و فنی یا ثقافتی اصطلاح کی طرف اشارہ کرے۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کی پاکستانی زبانوں سے ترجمہ ہونے والی غزلوں میں تلمیحات کا استعمال احسن طریقے سے ہوا ہے۔سعید گوہر کی غزل سے شعر پیش کیا جاتا ہے۔اس غزل کا ترجمہ علی دیپک قزلباش نے کیا:

''مزاحمت میرا حق تھا حسین کی مانند
یزیدیت کے لیے تھا میں کربلائے وقت''(۱۱۲)

شاعری میں تشبیہ بھی حسن و دلکشی پیدا کرنے کا باعث ہے۔ تشبیہ کے لغوی معنی مانند قرار دینا ہے جبکہ علم بیان کی رو سے کسی ایک چیز کو کسی خاص خوبی، خامی یا خصوصیت کی یکسانیت کی بناپر کسی دوسری چیز کے مشابہ یا مانند قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کے شمارے تشبیہات سے بھی مزّین ہیں۔ مثال کے طور پر پیر فضل گجراتی کی غزل سے اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔اس غزل کا ترجمہ ارشد چہال نے کیا ہے:

''اے واعظ! ذوق اس تیرے کو، کیا ٹور تمہاری بولیں گے
ہر روز کہانی حوروں کی لے بیٹھتا حضرت ٹھیک نہیں
کہتے ہیں، اس کی پلکیں اور رخسار جنھوں نے دیکھے، وہ
خاروں نوک درست نہیں ،پھولوں کی رنگت ٹھیک نہیں''(۱۱۳)

رحمان بابا پشتو کے ایک اہم شاعر ہیں۔ان کی شاعری ہمہ جہت خصوصیات کی حامل ہے۔ان کا کلام آئینے کی طرح صاف و شفاف ہے جس میں ہر شخص کو اپنا خط و خال واضح دکھائی دیتا ہے۔اس کے کلام کو صاف و شفاف چشمے سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔جو ہر قسم کی غلاظتوں اور آلودگیوں کے بغیر ہے۔ہر ناظر اس پاک و شفاف پانی میں اپنے عکس کا نظارہ کر سکتا ہے۔ جیسا کسی کا چہرہ ہے اس کو اس پانی میں ویسا ہی نظر آئے گا۔ ڈاکٹر اقبال نسیم خٹک رحمان بابا کی شاعری کی خصوصیات کے حوالے سے یوں محوِ گفتگو ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی نعمتیں عطا کی ہیں جو ہر چیز سے قیمتی اور لاثانی ہیں ایک تو یہ کہ مجھے صورتِ آدم بخشی ہے۔دوسری یہ کہ محمد ﷺ میرے رہنما ہیں۔ دست و پا، چشم و دہن اور گوش میں ایک صورت میں کئی اسموں سے مسمّٰی ہوں۔''(۱۱۴)

رحمان بابا کی غزل کے ان اشعار میں تراکیب کا استعمال نہایت چابکدستی سے ہوا ہے۔ گویا رحمان بابا کی شاعری فنی لوازمات کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ غزل ایسی شعری صنف ہے جس میں طوالت سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ الفاظ تھوڑے ہوتے ہیں جو زیادہ مفاہیم اور مطالب بیان کرتے ہیں۔ اصطلاح میں اسے ایجاز واختصار کہتے ہیں۔ یہ فنی محاسن کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ ''اصنافِ ادب اردو'' میں غزل کے ایجاز و اختصار کے بارے میں یوں لکھا ہے:

''دراصل غزل کے فن کا جوہر اس کا ایجاز واختصار اور اس کی ایمائیت و رمزیت ہے۔ اس کی وجہ سے بہت بڑے بڑے سماجی اور فلسفیانہ حقائق غزل کے صرف ایک شعر میں ادا کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی لیے غزل کے مفرد اشعار ہر ایک کو آسانی سے یاد ہو جاتے ہیں۔ اس وصف نے غزل کو روزمرہ زندگی اور تہذیب کا حصہ بنا دیا ہے۔''(۱۱۵)

اس مجلہ کے پاکستانی زبانوں سے اُردو ترجمہ میں شامل اشاعت غزلوں میں یہ خوبی بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ سرائیکی زبان میں لکھی گئی غزل کے اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ غزل جانباز جتوئی کی لکھی ہوئی اور ترجمہ حسین سحر نے کیا ہے:

''بہت ہی دل کا امیر ہوں میں
کہ ان کے در کا فقیر ہوں میں
ان کے در کو دئے ہیں بوسے
تو کتنا روشن ضمیر ہوں میں
غبار کے ساتھ ہوں میں رقصاں
جنوں کے صحرا کا میر ہوں میں
لیا ہے جان اپنی آپ کو یوں
کے رازِ رب قدیر ہوں میں''(۱۱۶)

استعارہ بھی شاعری میں حسن ودلکشی کا باعث بنتا ہے اور بات مؤثر اور دل افروز پیرائے میں بیان ہوتی ہے۔ فرہنگ آصفیہ کے مطابق استعارہ کے لغوی معنی مانگ لینا۔ علم بیان کی اصطلاح میں مجاز کی ایک قسم ہے یعنی جب مضاف الیہ کو مضاف سے کچھ تشبیہ کا لگاؤ ہو تو اس مضاف کو استعارہ کہتے ہیں۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں استعارہ کے بہترین نمونے موجود ہیں۔ محسن نقوی جو کہ

سرائیکی زبان کے شاعر ہیں ان کی غزل سے شعر حوالے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ترجمہ حسین سحر نے کیا ہے:

"چاند اس گلی میں جا کے دیکھیں
اس بہانے سلام ہو جائے"(۱۱۷)

شیخ ایاز کا شمار ایک اہم ادبی شخصیت کے حوالے سے ہوتا ہے۔ آپ نے تقریباً تمام اصنافِ ادب میں طبع آزمائی کی۔ غزل، نظم، گیت، دوہے، بیت، ہائیکو، مضامین، تراجم وغیرہ ہر صنف ادب میں اپنا حصہ ڈالنے کی کوشش کی۔ وہ غیر معمولی تخلیقی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ انھوں نے ہر صنف ادب میں طبع آزمائی کے ساتھ ساتھ اس میں جدت لانے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر غلام علی الانا "اصناف ادب" میں تبدیلیوں کے حوالے سے شیخ ایاز کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

"شیخ ایاز صاحب نے غزل، وائی، دوہے، بیت، گیت، نظم اور کافی کی ہئیت اور روایت بدل ڈالی۔ انھوں نے کلاسیکی شاعری کی صنعتوں کو جدید نظریوں اور رجحانوں سے بھر دیا۔ انھوں نے روایتی شاعری کو نئے روپ اور نئی صورت میں پیش کیا۔ اسی سلسلے میں انھوں نے نئے تجربات کیے، جدّت کو استعمال کیا۔ انھوں نے بیت کے اندر دو دو ردیف استعمال کیے۔ اسی لفظ کو قافیہ کی صورت میں دہرایا۔ نئے نئے اور اچھوتے اور غیر روایتی الفاظ کو قافیوں کے لیے چنا۔ انھوں نے بیتوں، وائیوں، نظموں اور غزلوں کے مصروں کو مفہوم کے لحاظ سے چھوٹا بڑا کر کے نئے اور کامیاب تجربے کیے۔"(۱۱۸)

شیخ ایاز کی شاعری خصوصاً غزل، علامت نگاری کا عمدہ نمونہ ہے۔ ان کا اسلوب، سادہ، رواں اور سلیس ہے اور اس میں ترنم، روانی اور شگفتگی نا قابل بیان ہے۔ ان کی تخلیق کی ہوئی غزل حوالے کے طور پر پیش کی جاتی ہے، ترجمہ فہمیدہ ریاض نے کیا ہے:

"شہر شہر نے پتھر مارے جن سے ہو گیا چکنا چور
پھر بھی اس نے نعرہ مارا مرد کوئی نکلا منصور
بستی بستی نگری نگری گیت ہمارے گونج رہے
پورنما میں چنگ بجا تھا رات سجن تھے کتنی دور
کل جو وفا کے ویرانے میں پیاسی مری کوئی ہرنی

لگا تھا سورج آنکھ ازل کی ، بھرا تھا اس میں اتنا نور
اس تپتے دن میں آئے ہو پہلے آئے یوں نہ ایاز
چھپر چھپر تھی جب چھاؤں نیم میں جب آیا تھا نور"(۱۱۹)

شیخ ایاز، غزل میں انوکھی لفظیات کے حسن کارانہ استعمال کی وجہ سے منفرد مقام رکھتے ہیں۔ان کے ہاں مرد، بستی بستی، پور نما، سورج، آنکھ، مسافر، دریا، صحرا اور نیم نئی علامتی معنویت رکھتے ہیں۔ شیخ ایاز کی غزل فنی اور تکنیکی اعتبار سے مکمل ہے۔ الفاظ کی دروبست اور مصرعے کی بُنت میں قدرت کلام کا مظاہرہ دیکھا جا سکتا ہے۔

خاطر غزنوی، ہندکو کے ایک قابل قدر شاعر ہیں۔ تکنیک اور فن کے حوالے سے ان کی غزل فنی پختگی کی عکاسی کرتی ہے۔الفاظ کی جدّتیں، تراکیب کا حسن استعمال، بندشوں کی جاذبیت اور زبان و بیان کی مہارتیں ان کو معاصر شاعروں میں منفرد مقام دلاتی ہیں۔ان کے اسلوب میں انفرادیت کا وہ ذائقہ ہے جس پر کسی اور غزل گو شاعر کے رنگِ سخن کی چھاپ نظر نہیں آتی۔ان کی تخلیق کردہ غزل شامل کی جاتی ہے۔ ترجمہ نیاز سواتی نے کیا ہے:

"میرے پاس بھی آیا کر
اپنے سنگ اڑایا کر
یاد کیا کر مجھ کو بھی
اس جانب بھی آیا کر
کچھ خوشیاں دے مجھ کو بھی
میرا غم بھی کھایا کر
پھولوں کا سوداگر بن
خوشبوؤں میں نہایا کر
ہم بھی تیرے بندے ہیں
ہم کو بھی اپنایا کر"(۱۲۰)

درج بالا مثالوں کی روشنی میں یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے کہ سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے پاکستانی ادب کے تراجم میں غزل سے متعلقہ فنی لوازمات سے بھرپور مواد موجود ہے۔اس غزل میں رمز، ایماء، تمثیل و

استعارہ، پیکر آفرینی، محاکات، تشبیہات، تلمیحات، علامت نگاری، پیکر سازی، عروضی آہنگ، معنویت سادہ اور سلیس اسلوب بیان، عورت ذات کی بھلائی اور بہتری کی کوشش، صنعتوں کا استعمال ،صنائع لفظی، صنائع معنوی، خوش آہنگی، اظہار کی موزونیت اور ہئیتی تنوع کا بھرپور اظہار موجود ہے۔ان فنی لوازمات کی وجہ سے مجلہ " ادبیات" کی پاکستانی ادب میں شائع ہونی والی غزل دیگر پاکستان رسائل و جرائد میں شائع ہونے والی غزل سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

غزل کا فن دراصل افریت اور ایمائیت جیسی خصوصیات سے مزین ہے۔دیگر اصناف شعری کے مقابلے میں غزل اپنے فن کی اسی جاذبیت کی وجہ سے ادب میں ایک ممتاز مقام بنائے ہوئے ہے۔روایتی غزل میں عموماً تشبیہات،استعارات، علامات،اشارات وکنایات کا بھرپور استعمال نظر آتا ہے اور ان میں مے خانے، محفل ،دربار وغیرہ کے تلازمات نظر آتے ہیں یا یہ غزل فطرت کی طرف دیکھتی ہے اور چمن، دریا، پہاڑ، صحرا وغیرہ اور ان کے متعلقات سے استفادہ کرتی ہے۔جدید غزل بنیادی طور پر دل کی باتیں بیان کرنے کا فن ہے۔جس میں احساس کی صداقت، جذبہ کی گرمی، انداز بیان کی لطافت اور شعر کی نغمگی جیسی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کی پاکستانی ادب کی غزل میں روایتی اور جدید غزل دونوں طرح کے نمونے موجود ہیں۔

اصل میں غزل میں زندگی اور اُس سے متعلقہ مسائل، کرب اور معاملات کا احوال کھل کر بیان کیا جاتا ہے۔اس میں وارداتِ قلبی کے علاوہ عصری کرب کا اظہار بھی احسن طریقے سے کیا جاسکتا ہے۔اس مجلے کی غزل ہر لحاظ سے اُردو ادب سے ہم آہنگ ہے۔فنی خصائص کے حوالے سے اس رسالے کی غزل کے اُردو تراجم انھی خصوصیات کے حامل ہیں جو اُردو ادب کا خاصا ہیں۔فنی لحاظ سے اس مجلے کی غزل کے اُردو تراجم اُردو ادب سے مکمل یکسانیت رکھتے ہیں۔

v. گیت کا فنی جائزہ:

گیت کا لفظ سنسکرت زبان کے لفظ "گیتا" سے اخذ کیا گیا ہے۔جس کے معنی نغمہ ،تذکرہ یا راگ کے ہیں۔ گیت گا یہ لفظ دوہرہ، سرور، راگنی، رام کہانی سننا اور سروں میں گائے جانے والے کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔لفظ بیت گانے یا گائے جانے والے کی طرف اشارہ کرتا ہے اُردو ادب کی تقریباً تمام شعری اصناف جیسا کہ نظم، غزل، قصیدہ، رباعی، مخمس، مسدس، مثنوی، مرثیہ، آزاد نظم، نظم معرّی، ہائیکو، سانیٹ لمرک اور

نظم کی دیگر تمام اصناف غیر ملکی زبانوں سے اُردو زبان میں داخل ہوئی ہیں۔ گیت، ایسی واحد شعری صنف ہے جو مقامی صنفِ شاعری کہی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گیت میں مقامی تہذیب و ثقافت، رہن سہن اور رسم و رواج کی جھلک واضح دکھائی دیتی ہے۔ گیت میں سادگی، مٹھاس، شیرینی اور دیہاتی پن اس کی مقامی رنگ کی نشانیاں ہیں۔ تاہم مقامی رنگ کے ساتھ ساتھ گیت میں ہمہ گیریت، عالم گیریت اور آفاقیت بھی پائی جاتی ہے۔ گیت میں فنی لوازمات کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ وزیر آغا عورت کو ''علامت'' کے طور پر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''گیت عورت کی جذبہ محبت کا اظہار ہے۔ عورت سماج کے لیے ایک علامت کا درجہ رکھتی ہے۔ گیت نہ صرف اس معاشرے میں جنم لیتا ہے جس کی اساس مادری نظام پر قائم ہوتی ہے بلکہ سماجی زندگی کے اس دور میں جنم لیتا ہے جب سوسائٹی اپنے بوجھل جسم میں روح کی پہلی کروٹ محسوس کرتی ہے۔''(۱۲۱)

گیت ایک تہذیبی ورثہ رکھتا ہے۔ اس تہذیبی حصے میں محبت اور نغمے کی آمیزش کی دلکشی شامل ہوتی ہے۔ گیت کا موسیقی سے گہرا واسطہ ہے جس کی وجہ سے گیت میں ترنم، جھنکار اور تھاپ وغیرہ، اس کے لوازمات ہیں۔ ترنم، روانی، شگفتگی اور منفرد اسلوب بیان فنی لوازمات ہیں۔ ان فنی لوازمات کے حوالے سے شمیم احمد یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

''گیت شاعری کا وہ اسلوب ہے جہاں محبت اور نغمے کا سنگم پوری لطافت کے ساتھ ہوتا ہے۔''(۱۲۲)

سہ ماہی مجلہ'' ادبیات'' کے مدیران کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ اصناف شعری میں فنی لوازمات سے بھرپور مواد شامل اشاعت کیا جائے۔ اس مجلے کے شماروں کو دیکھنے سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ مجلہ ''ادبیات'' کے مدیران اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوئے ہیں کیونکہ اصناف شعری میں فنی لوازمات کا اظہار احسن طریقے سے ہوا ہے۔ فنی لوازم میں سے ایک اہم تشبیہ ہے۔ دیگر اصناف شعری کی طرح گیت میں تشبیہ کا اظہار بھی پایا جاتا ہے۔ گیت میں تشبیہ کے استعمال سے اس میں دلکشی وجاذبیت زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ حوالے کے طور پر تاج سعید کا ترجمہ کیا ہوا گیت دیکھیے:

''میں تھی ایک کلی بگیا میں
لیکن تیری پریت نے مجھ کو ا

زرد کیا ہے جیسے پتا''(۱۲۳)

گیت میں منظر نگاری، استعارہ اور تکرار لفظی، ضروری لوازمات ہیں۔ ان کے استعمال سے ایک طرف گیت کی شان میں اضافہ ہوتا ہے تو دوسری جانب شاعر کی عظمت کا بھی علم ہوتا ہے کہ اس کو فنی لوازمات کے استعمال میں کس قدر دسترس حاصل ہے۔ منظر نگاری، استعارہ، تکرار لفظی کی یہ خوبصورت مثالیں شیخ ایاز کے لکھے ہوئے گیت میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ترجمہ فہمیدہ ریاض نے کیا ہے:

''یہ تھوہڑ کا پیڑ رے جیون
کبھی انھیں گھنگھور گھٹائیں برس پڑا ساون
ہائے وہ اس کی پھیلی بانہیں، ہائے وہ بے کل من
وہ پھوہار ہلکی ہلکی، وہ بوندوں کی چھن چھن
نین میں جھانکے نشے کے ڈورے، گانے لگی پون
دور دور تک جیسے جگ مگ ہو اٹھا جیون
ہائے وہ ہرہن کا مسکانا، ہائے وہ مدھر ملن''(۱۲۴)

گیت کا تعلق انسانی جذبات واحساسات سے ہے۔ نہ صرف اندرونی بلکہ بیرونی جذبات سے بھی یہ سرو کار رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر محمد اشرف کمال یوں لکھتے ہیں:

''گیت کا تعلق داخلی اور خارجی جذبات دونوں سے ہے۔ گیت دراصل خارج سے داخل کی طرف کا سفر ہے۔ گیت عام جذبات سے لے کر انتہائی جذبات تک کی ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ گیت معاشرے کے جذباتی بطن سے جنم لیتا ہے۔''(۱۲۵)

سادہ، سلیس اور رواں اسلوبِ بیان بھی گیت کا خاصا ہے۔ منفرد اسلوب بیان ایک ایسا گر ہے جو شاعر کی ایک علیٰحدہ شناخت اور پہچان کرواتا ہے۔ گیت چونکہ ایک مقامی صنف شاعری ہے اس لیے اس میں مٹھاس، شیرینی اور ملاوٹ ہونی چاہیے۔ درج ذیل گیت میں یہ باتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ گیت دیکھیے جس کا ترجمہ علی یاسر نے کیا ہے:

''اللہ جانے کون وہ تھا
کہاں سے آیا کدھر گیا
انیس برس ہے عمر کمال

شہزادوں جیسا اس کا حال
پکے پکے اس کے خیال
مجھ سے بڑا ہے وہ ایک سال
اللہ جانے کون تھا
کہاں سے آیا کدھر گیا۔''(۱۲۶)

گیتوں کے حوالے سے یہ مثالیں ظاہر کرتی ہیں کہ سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' دوسری اصناف ادب کی طرح گیت کے فروغ میں بھی اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔قدیم اور جدید دور کے گیتوں کے موضوعات جیسے حبِ وطن کے گیت، کسانوں اور مزدوروں کے تہواروں کے گیت، معاشرتی گیت، مناظر فطرت کے گیت، جدائی، غم اور ملن کی خوشی کے گیت وغیرہ اس مجلے کے پاکستانی ادب کے اردو تراجم میں شائع ہو رہے ہیں۔ان موضوعات کے علاوہ بھگتی، عبارت، محبت، رزم بزم اور عشق کے موضوعات کے حوالے سے بھی مواد مل سکتا ہے۔فنی سطح پر سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کے پاکستانی ادب کے اردو تراجم کے گیت اپنی ایک شناخت اور پہچان رکھتے ہیں۔ان گیتوں کی بحور، لے، رمز و ایمائیت، ترنم اور شگفتگی پاکستانی جرنلز سے مماثلت و مطابقت رکھتی ہے۔

vi. دوہے کا فنی جائزہ:

اُردو ادب میں اکثر شعری اصناف غیر ملکی ادب سے آئیں ہیں۔یہ اصناف پہلے غیر ملکی ادب کا حصہ بنیں اور پھر آہستہ آہستہ اُردو ادب میں فروغ پانے لگیں۔لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ تمام شعری اصناف سخن دوسرے ملکوں سے آکر یہاں ترقی پانے لگیں۔کچھ شعری اصناف ایسی بھی ہیں جن کو خالص مقامی کہا جا سکتا ہے۔ان میں گیت اور ماہیے کے علاوہ دوہا بھی شامل ہے۔دوہا، خالص مقامی لوک ادب ہے۔اس کو دو مصرعوں پر مشتمل خالص ہندی شعر بھی کہا جاتا ہے۔ڈاکٹر سلیم اختر دوہے کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

> ''''دوہا'' دوہہ (مصرعوں) اور چار حصوں پر مبنی ۴۸ ماترا کا بیت ہے۔یہ صنف سخن ہندی سے اُردو میں آئی۔دوہے کی مخصوص بحر کا نام ''دوہا چھند'' ہے۔جس کے ارکان یہ ہیں: فعلن فعلن فعلن فاع (۲۴ ماترائیں)۔تمام دوہا نگاروں نے اس بحر کی پابندی نہیں کی۔''(۱۲۷)

دوہے کی خصوصیات کے حوالے سے ڈاکٹر محمد اشرف کمال یوں لکھتے ہیں:

''دوہے کی بنیادی خصوصیات دو ہیں ۔ایک تو اس کا مخصوص بحر پر مبنی ہونا جو زحافات کے باوجود ہر حال میں چھ ارکان پر مشتمل ہوتی ہے۔دوسرا ہر دوہے کا مستقل بالذات ہونا۔''(۱۲۸)

دیگر صنف شاعری کی طرح دوہے میں بہت زیادہ فنی لوازمات کا اظہار نہیں ملتا۔اس کا اسلوب بہت سادہ ہوتا ہے۔ تشبیہات و استعارات کا استعمال بھی بہت کم دیکھا جا سکتا ہے۔تراکیب بھی خال خال ملتی ہیں۔دوہے میں سیدھے سادھے الفاظ میں مفہوم کی ادائیگی کی جاتی ہے۔دوہے میں استعاروں کے نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دوہا، زرعی ماحول کا خواہاں ہے۔دیہات میں فطرت آزاد ہوتی ہے۔یہاں کے لوگوں کا اندازِ گفتگو براہ راست ہوتا ہے اس لیے اس گفتگو میں استعاروں کا استعمال ناپید ہے۔غزل کی طرح دوہے میں مروّج شعری صنعتوں کا اظہار بھی نہیں ملتا۔دراصل دوہا جس سندرتا اور کو ملتا کا حامل ہے۔ اس میں تشبیہات،استعارات اور صنعتوں کی کوئی جگہ نہیں ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوہے میں ان سب کا استعمال کیا ہی نہیں جاتا۔کچھ شاعروں نے تشبیہات کا باقاعدہ اظہار دوہوں میں کیاہے۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات''میں ترجمہ کیے گئے دوہوں میں تشبیہ کا اظہار دیکھا جا سکتا ہے۔ایک دوہا مثال کے طور پر پیش کیا جاتاہے:

''نظر نظر منڈلاتی آئی، کھلنے لگی بہار
ہونٹ سجن کے ایسے جیسے ہو کچی کچنار''(۱۲۹)

دوہے کا اسلوب گیت کی طرح سادہ ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دوہا، گاؤں کی کھلی فضا اور روشن ماحول کا عکاس ہوتا ہے۔ گویا دوہا ایک مخصوص اسلوب پر مشتمل ہوتا ہے۔ڈاکٹر محمد اشرف کمال اسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اسلوب طرزِ تحریر،انداز،اسٹائل،اظہارِ بیان کا طریقہ ورنگ سخن کو کہتے ہیں۔۔۔۔اسلوب انفرادی یا اجتماعی بھی ہو سکتا ہے۔جیسے دبستان دہلی اور دبستان لکھنو کا اسلوب اجتماعی خصوصیات کا حامل ہے۔اسلوب کا مطالعہ انفرادی سطح پر کیا جاتا ہے،علم الانسان یا گروپ سائیکالوجی کے تحت بھی کیا جاتا ہے۔جب اسلوب کا مطالعہ زبان اور لسانیات کے حوالے سے کیا جائے گا تو یہ اسلوبیات کہلائے گا۔''(۱۳۰)

اس طرح کا اسلوب خوشحال خان خٹک کے دوہوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ان دوہوں کا ترجمہ تاج سعید نے کیا ہے:

"سورما بیٹے بیری ہو گئے قسمت کی ہے بات!
بالوں کی کالک نے بھی آخر کو کھائی مات
گھاٹی گھاٹی دشمن اس کے ،قدم قدم بھونچال
کھاکہ تیر سدا اپنوں کے مسکایا خوشحال
اس مسکان میں چھپے ہوئے تھے طنز کے زہری تیر
اُس کی کوتا اس کے ساگر سوچ کی ہے تصویر"(۱۳۱)

سہ ماہی مجلہ " ادبیات" میں پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں دوہے کا ذخیرہ کمیاب ہے۔اُردو تراجم کے ضمن میں مجلہ "ادبیات" کے مدیران نے دوہے کی جانب کم توجہ دی ہے۔شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک بین الاقوامی مقبول صنفِ سخن نہیں ہے۔اور دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ دوہا لکھنا اتنا آسان کام نہیں ہے۔اس کے لیے محنت شاقہ کی ضرورت ہوتی ہے۔تاہم اب سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے مدیر کی کوشش ہے کہ دوہے کے اردو تراجم بھی شماروں کی زینت بنائے جائیں تاکہ شعری اور نثری اصنافِ سخن کی ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ قومی یک جہتی کو بھی فروغ حاصل ہو۔دوہے کے یہ تراجم فنی سطح پرآہنگ، موسیقیت، بحور اور ترنم کے لحاظ سے دیگر رسائل و جرائد سے ہم آہنگی اور اشتراکات رکھتے ہیں۔

vii. ماہیے کا فنی جائزہ:

سر زمین پنجاب سے جنم لینے والی صنف شاعری "ماہیا" جو کہ سرائیکی اور اُردو شاعری میں بھی مستعمل ہے۔ فنی سطح پر ماہیے میں فنی لوازمات کا بھرپور اظہار دیکھا جا سکتا ہے۔ فنی خصائص جیسا کہ منفرد اسلوب بیان،،ہیئتی تنوع، علامت نگاری، پیکر سازی، تراکیب سازی، فنی سطر کاری، عروضی آہنگ، معنویت،اظہار کی موزونیت اور خوش آہنگی ماہیے میں پائے جاتے ہیں۔ علم بیان اور علم بدیع کی اقسام بھی ماہیا میں پائی جاتی ہیں۔

ماہیا کا لفظ اصل میں "ماہی" سے نکلا ہے۔ ماہی کو اُردو میں محبوب کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض مفکرین نے ماہی کو بھینس چروانے والے چرواہے کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ماہی کا یہ لفظ بعد میں محبوب اور پیارے کے لیے استعمال ہونے لگا۔ڈاکٹر سلیم اختر ماہی کو محبوب سے نسبت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اظہارِ محبت (ماہی: محبوب) کے لیے تین مصرعوں پر مشتمل پنجابی اور سرائیکی کی مقبول صنفِ سخن اُردو میں بھی مستعمل ہے۔کسی زمانہ میں ماہیا لوک ادب کا حصہ اور ڈیڑھ مصرعوں پر مشتمل ہوتا تھا۔اپنی اصل صورت میں ماہیا صرف محبوب کے لیے وقف تھا اور محبوب کے حوالہ سے ہی دل کے معاملات کا بیان ہوتا تھا مگر اب ماہیا ہر نوع کے موضوعات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔"(۱۳۲)

ماہیے کا چونکہ پنجاب کے کلچر سے گہرا تعلق ہے اس لیے اکثر پنجابی شعراء نے پنجاب کی خوبصورتی، پیار و محبت کی داستانوں اور انسانی جذبات و احساسات کو اس صنف شاعری میں نہایت دلکشی سے اظہار کیا ہے۔ آہستہ آہستہ ماہیے کی اہمیت اس قدر بڑھتی گئی کہ یہ اُردو میں بھی لکھا جانے لگا۔

ڈاکٹر محمد اشرف کمال "ماہیے" کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

"ماہیا پنجابی زبان کی شعری صنف ہے۔اُردو میں یہ نوارد ہے۔ماہیا عوامی شاعری کی ایک مثال ہے۔یہ سوال و جواب کا ایک انداز رکھتا ہے۔اس میں چھیڑ چھاڑ، پیار محبت کا اظہار اور محبوب سے گلے شکوے سب شامل ہوتا ہے۔ماہیا کے لیے "بگرو" اور "ٹپہ" کا نام بھی استعمال کیا جاتا ہے مگر ماہیا زیادہ مقبول ہے۔"(۱۳۳)

ماہیا پنجاب کی معروف صنف سخن ہے۔پنجاب کے لوگ ہر ادبی محفل اور شادی و بیاہ کی رسوم میں ماہیے اکثر پڑھتے ہیں۔ خصوصاً شادی بیاہ کی محفلوں میں تو بچے، بوڑھے، جوان، مرد، عورت، لڑکے، لڑکیاں سب رات کو اکٹھے بیٹھ کر ماہیے ضرور گاتے ہیں۔ گویا پنجابی ثقافت میں ماہیا ایک خاص صنف سخن ہے۔

اوائل میں ماہیا ڈیڑھ مصرعوں میں لکھا جاتا تھا لیکن اب تین مصروں والی ماہیے لکھنے کا رواج فروغ پا رہا ہے۔سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں ڈیڑھ مصروں والے ماہیے صرف ایک شمارے میں ترجمہ کر کے شائع کیے گئے ہیں۔ فنی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت صنعت تضاد ہے۔احمد راہی کے تخلیق کردہ ماہیے میں اس صنعت کا اظہار دیکھا جا سکتا ہے۔ مترجم اصغر عابد ہیں۔ یہ ماہیا دیکھیے:

"آکاش کے تارے ہیں
بازی دل والی، ہم جیت کے ہارے ہیں"(۱۳۴)

کسی چیز کی خوبصورتی و دلکشی دل آویزی خصوصیت یا بد صورتی کے لیے تشبیہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ تشبیہ کے استعمال سے کسی چیز کی خوبیوں اور خامیوں کا علم ہو جاتا ہے۔ تفصیلات کی بجائے شارٹ کٹ کے لیے اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ زبان و بیان کے حسن اور طرز ادا کو مؤثر اور دلکش بنانے کے لیے تشبیہ بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے شمارے سے ایک ترجمہ شدہ ماہیا پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں تشبیہ کا اظہار خوبصورتی سے ہوا ہے:

"مہندی جو لگائی ہے

سجری چاہت کی، اک سیج سجائی ہے"(۱۳۵)

سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں صرف چھے ماہیے ترجمہ کر کے شائع کیے گئے ہیں۔ فنی نقطہ نظر سے ان میں فنی خصائص کا اظہار دیکھا جا سکتا ہے۔ اگرچہ یہ ماہیے ڈیڑھ مصروں پر مشتمل ہیں۔ تاہم یہ ماہیے کے اصول و ضوابط اور قوانین کی عکاسی کرتے ہیں۔ ادبی لحاظ سے یہ ماہیے ایک ادبی شان رکھتے ہیں اور دیگر جریدوں اور مجلوں میں شائع ہونے والے ماہیے سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ ماہیا دیہی اور پنجابی زبان و ادب کی پیداوار اور ثقافت کی صنفِ سخن ہے۔ پنجابی زبان کے ہر لفظ کے پہلے اور آخری حرف بلند آہنگ اور مشدد کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ تلفظ کے اس امتیاز کی وجہ سے اُردو مصنفین اور مترجمین کو پنجابی نغمے اور گیت کو بحر اور وزن میں تبدیل کرنا خاصا مشکل ہوتا ہے لیکن اس مجلے کے مترجمین نے اس فن کو کمال چابکدستی سے بھرتا ہے۔ سہ ماہی مجلہ " ادبیات" میں ترجمہ کیے گئے ماہیے بحور، تراکیب، موسیقیت، اظہار کی معنویت، تضاد، تشبیہ اور وزن کے لحاظ سے دیگر پاکستانی رسائل و جرائد اور اُردو سے مماثلت رکھتے ہیں۔

viii. مُنقبت کا فنی جائزہ:

منقبت کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے۔ یہ کسی اسلامی ہیرو کی تعریف و توضیح کا بیان ہے۔ پروفیسر انور جمال اس کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

> "یہ مذہبی شاعری کی (موضوع کے لحاظ سے) اصطلاح ہے جس کا مطلب تعریف، تعریف کرنا، مناجات وغیرہ ہے۔ منقبت اس نظم کو کہتے ہیں جس میں مذہبی عقیدے کی بنا پر کسی اسلامی ہیرو کی تعریف و توصیف بیان کی جائے۔ عام طور پر اصحاب رسول ﷺ اور آلِ رسول ﷺ کی مدح میں منقبتیں لکھی گئیں۔ منقبت کے لیے کوئی خاص

ترکیبی سانچا یعنی ہئیت مخصوص نہیں۔ مسدس، غزل، مثنوی کسی بھی شکل میں منقبت لکھی جاسکتی ہے۔''(۱۳۶)

سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں جو منقبت اس مجلے کا حصہ بنی ہے وہ فنی لوازمات سے لبریز ہے۔ گویا یہ منقبت موضوعاتی تنوع کے ساتھ ساتھ فنی خصوصیات میں بھی اپنی مثال آپ ہے۔ فنی لوزم میں سے ایک اہم صنعت تضاد ہے۔ اس مجلے کے شماروں میں اس صنعت کا واضح اظہار دیکھا جاسکتا ہے۔ رحمان بابا کی اس منقبت میں صنعت تضاد کا نمونہ دیکھا جاسکتا ہے:

''عدل کا سورج نکلتا ہے عمر کے نام سے
درمیان حق و باطل مستند معیار ہیں''(۱۳۷)

حق و باطل کی وجہ سے ایک جانب صنعت تضاد کا عمدہ استعمال ہوا ہے اور دوسری طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیات کی بھی احسن انداز میں پزیرائی ہوئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے شمار صفات حاصل تھی۔ جس میں سے ایک اہم خصوصیت ان کا عدل وانصاف تھا۔ عدل کے معاملے میں آپ بہت سخت تھے۔ اپنا ہو یا بیگانہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عدل وانصاف کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔

تشبیہ، حسن کلام کا زیور اور شاعری کی جان خیال کی جاتی ہے۔ اس کے استعمال سے بیان کی جانے والی بات دلنشین اور طرز ادا جاندار ہو جاتی ہے۔ گویا اگر بات کو کو مؤثر پیرایہ میں بیان کرنا ہو تو تشبیہ کا استعمال ایک کارگر ہتھیار ہے۔ سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے شائع ہونے والی منقبت سے ایک شعر پیش کیا جاتا ہے۔ اس منقبت میں تشبیہ کی مثال موجود ہے۔ یہ شعر دیکھیے:

''کہکشاں کے طور گھیرا ہے رسول پاک کو
رہرو حق کے لیے یہ نور کا مینار ہیں''(۱۳۸)

سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم نے قومی یکجہتی کی فضا قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کی اشاعتیں فنی لوازمات سے بھرپور نظر آتی ہیں۔ دیگر رسائل و جرائد کی طرح اس مجلے کی خدمات لاثانی ہیں۔ کیونکہ اس میں اُردو کی ہر صنف ادب کو جگہ دی جاتی ہے۔ منقبت کی اشاعت اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ مناقب جہاں پر موضوعاتی سطح پر تنوع کی حامل ہیں وہیں ان میں فنی لوازمات کا اظہار بھی عمدگی سے ہوا ہے۔

منقبت صنفِ شاعری کی ایک ایسی قسم ہے جس پر دیگر اصناف سخن کے لحاظ سے بہت کم لکھا گیا ہے۔اس مجلے کے اُردو تراجم میں بھی منقبت کی اشاعت بہت ہی کم ہے۔اُردو ادب میں اس کے نادر نمونے بھی ملتے ہیں لیکن رسائل و جرائد میں یہ صنفِ شاعری عنقا ہے۔سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں منقبت کے جو چند نمونے ملتے ہیں، وہ فنی لحاظ سے اُردو ادب سے مطابقت و ہم آہنگی رکھتے ہیں۔

ix. رباعی کا فنی جائزہ:

رباعی عربی لفظ ''ربع'' سے بنا ہے۔رباعی میں'' ی'' نسبتی ہے۔ رباعی کے لغوی معنی ہیں ''چار والے''۔ اصطلاح میں اس صنف نظم کو کہتے ہیں جس کے چار مصرعوں میں ایک مکمل مضمون ادا کیا جاتا ہے۔

رُباعی کی ابتدا کے بارے میں ''اصنافِ ادب اُردو'' میں یوں لکھا ہے:

> ''بعض لوگ کہتے ہیں کہ رُباعی اہلِ عرب کی جدت ہے لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایران میں ایجاد ہوئی۔عرب والوں نے اہلِ ایران سے مستعار لی۔ہمارے خیال سے ایجاد کا سہرا ایران والوں کے سر ہے۔اُردو میں یہ فارسی ہی سے مستعار لی گئی ہے۔''(۱۳۹)

رباعی کو چو مصرع، چو بولا، چوپائی، دوبیتی یا ترانہ بھی کہا جاتا ہے۔یہ صرف ایک ہی بحر میں لکھی جاتی ہے جسے بحر ہزج مثمن کہتے ہیں۔خواجہ امام حسن قطان نے اس کے چوبیس اوزان مقرر کیے ہیں جو ابھی تک مروج ہیں۔رباعی کا صرف ایک وزن مخصوص ہے۔اس کا پہلا دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہوتے ہیں۔جب کہ تیسرا مصرعہ غیر مقفیٰ ہوتا ہے۔رباعی کی دلکشی اور خوب صورتی کا انحصار اس کے چوتھے مصرعے پر ہوتا ہے۔اس لیے یہ مصرعہ زبردست انداز میں تحریر ہونا چاہیے۔رباعی کی فنی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت ایجاز و اختصار ہے۔یہ کوئی آسان صنف سخن نہیں۔رباعی کے فن کے بارے میں جوش ملیح آبادی یوں محو گفتگو ہیں:

> ''قلیل الفاظ کی وساطت سے کثیر معانی کا احاطہ کر کے صرف مصرعوں میں ربع مسکوں کے تمام تجربات، مشاہدات، تاثرات، نظریات اور افکار کا سمیٹ لینا ایک ننھے سے قطرے میں قلزم کو مقید کر لینا، ہر شاعر کے بس کا روگ نہیں جب تک کسی شاعر کو بے پناہ مشاقی اور نہایت دیدہ روی کی بدولت دریا کو کوزے میں بھر لینے کا کام نہیں آتا اس وقت تک رباعی اس کے قابو میں نہیں آتی۔'' (۱۴۰)

سہ مجلہ "ادبیات" کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں رباعیات کی کثیر تعداد قابل شاعت نہیں ہوئی۔ صرف دو شماروں میں رباعیات ترجمہ کر کے ان شماروں کی زینت بنی ہیں۔ اس لیے ان رباعیات میں بہت زیادہ فنی لوازمات کا اظہار نہیں ملتا۔ تاہم جو رباعیات شائع ہوئیں ان میں فنی محاسن دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس مجلے کے شماروں سے ایک رباعی پیش کی جاتی ہے، جس میں صنعت تضاد کا استعمال نہایت خوب صورتی سے ہوا ہے:

"دلوں سے آج نفرت کو مٹائیں
تو ہم ساری حقیقت جان جائیں
یہ تاریکی دلوں میں ہے ہمارے
لہو روشن کریں تو خود کو پائیں"(۱۴۱)

سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کا شمارہ نمبر ۱۰۶، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۵ء میں شائع ہوا۔ اس شمارے کے آخر میں ہندکو رباعیات کو ترجمہ کر کے اُردو زبان میں شائع کیا گیا ہے۔ یہ ہندکو میں رباعیات پروفیسر صوفی عبدالرشید نے تخلیق کی، جبکہ ان کا اُردو زبان میں ترجمہ امتیاز الحق امتیاز نے کیا ہے۔ ان رباعیات میں سے پہلی رباعی میں صنعت تضاد کا اظہار دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ رباعی دیکھیے:

"رحمان و رحیم ذات تیری مولا
سب کچھ ہے فنا حیات تیری مولا
تیرے ہیں ثنا خواں زمین اور زمان
ہر ذرے کے لب پہ بات تیری مولا"(۱۴۲)

فنا اور حیات کے استعمال نے رباعی میں صنعت تضاد کی واضح جھلک پیدا کر دی ہے اور بات مؤثر طریقے سے بیان ہو گئی ہے۔ تشبیہات و استعارات کے استعمال سے بات موئثر اور دل پزیر ہو جاتی ہے۔ تشبیہ کو اسلوب کا زیور کہا جاتا ہے۔ سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے شمارہ نمبر ۱۰۳ کی ایک رباعی میں تشبیہ کا استعمال خوب صورتی سے ہوا ہے۔ یہ رباعی پیش کی جاتی ہے:

"شب تاریک میں جو روشنی ہے
تیرے ماتھے کے جھومر سے اٹھی ہے
تیرے گالوں پہ ہلکا سا پسینہ
تو لالہ پر بھی شبنم آ گری ہے"(۱۴۳)

رباعی ایک مشکل صنفِ شاعری ہے اور اس کے اوزان بہت زیادہ ہیں۔اس لیے بہت کم شاعر اس پر طبع آزمائی کرتے ہیں۔اس بارے میں پروفیسر انور جمال لکھتے ہیں:

"دوسری اصنافِ سخن کی نسبت رباعی کے اوزان زیادہ پیچیدہ ہیں چنانچہ بڑے بڑے اساتذہ "رباعی گوئی" میں غلطی کرگئے ہیں حتیٰ کہ مرزاغالب بھی۔"(۱۴۴)

سہ ماہی مجلہ " ادبیات" نے پرانی تحریکوں کے ساتھ ساتھ نئی تحریکوں کو پروان چڑھانے میں خاص کردار ادا کیا ہے۔پرانی اصنافِ ادب کو بہتر انداز میں پیش کرنے کے علاوہ اس نے نئی اصناف ادب کو متعارف کروانے اور ان کے فروغ میں خاص کردار ادا کیا ہے۔دیگر ادبی اصناف کو بہتر انداز میں پیش کرنے کے بعد رباعی کی صنف کو فروغ دینے میں یہ مجلہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔اگرچہ یہ صنفِ ادب اب پرانی ہوتی جارہی ہے تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کی اشاعت کے ضروری اقدامات کیے جائیں اور رسائل و جرائد میں اس کو خاص جگہ دی جائے۔سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے مدیران رباعی کی اشاعت کے لیے اس کو اپنے شماروں میں کبھی کبھار شائع کررہے ہیں۔اس معاملے میں مزید بہتری کی گنجائش موجود ہے تاکہ صنف ادب کی اس قسم کو زندہ رکھا جاسکے۔

رُباعی،لوک اور پنجابی ادب کی مشہور صنفِ شاعری ہے لیکن اُردو ادب میں اس کو اُس طرح کبھی بھی پذیرائی نہیں ملی جس طرح پنجابی ادب میں فوقیت حاصل ہے۔مترجمین نے اس صنفِ شاعری کو پنجابی سے اُردو میں منتقل کرنے کی خاص مساعی کی ہے۔اُردو ادب کے رسائل و جرائد بھی اس حوالے سے اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں۔سہ ماہی مجلہ " ادبیات" اس ضمن میں اپنی مساعی جاری رکھے ہوئے ہے۔اگرچہ منقبت کے حوالے سے یہ مجلہ کوئی خاطر خواہ پیش رفت نہیں کرسکا اور اس کے ذخیرے میں صرف چند مناقب ترجمہ کی گئیں۔یہ مناقب فنی لحاظ سے اُردو ادب سے انحراف نہیں کرتی بلکہ یکسانیت رکھتی ہیں۔

x. قطعہ کا فنی جائزہ:

دورِ حاضر میں قطعہ کا شمار ایک اہم شعری صنف میں ہوتا ہے۔طویل قطعات کے ساتھ ساتھ دو شعروں پر مشتمل قطعہ لکھنے کا بھی رواج ہے۔قطعہ میں ایک مکمل مضمون کو بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔قطعہ کے بارے میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی یوں بیان کرتے ہیں:

"قطعہ (ق ط ع ہ) کے لغوی معنی ٹکڑا یا جزو کے ہیں۔اصطلاح میں اس نظم کو کہتے ہیں جس

میں کوئی خیال یا واقعہ مسلسل بیان کیا گیا ہو۔ قطعہ میں مطلع کی موجودگی ضروری نہیں۔ قطعے میں ہر شعر کے دوسرے مصرعے میں قافیہ کی پابندی لازمی ہے۔ گویا قطعے کی ہئیت قصیدے کی ہوتی ہے۔ مگر قطعے میں مطلع نہیں ہوتا۔ قطعہ ہر بحر میں کہا جا سکتا ہے۔ قطعہ کم از کم دو شعروں کا ہوتا ہے، زیادہ سے زیادہ کوئی قید نہیں۔"(۱۴۵)

قطعہ میں عام طور پر ایک مکمل مضمون بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس بارے میں پروفیسر انور جمال لکھتے ہیں:

"یہ ایک شعری صنعت ہے جسے ٹکڑا بھی کہا جا سکتا ہے۔ قطعہ دو یا دو سے زیادہ اشعار کے ایک ایسے شعری یونٹ کو کہتے ہیں جس کا مضمون واحد ہو، اس کی ہئیت غزل کی ہوتی ہے۔ موضوعی اعتبار سے غزل کا ہر شعر انفرادی شان کا حامل ہوتا ہے تاہم کہیں کہیں دو یا زیادہ اشعار ایسے بھی آجاتے ہیں جن کا مضمون ایک شعر میں بیان کرنے کے بجائے زیادہ شعروں کا تقاضا کرتا ہے۔"(۱۴۶)

قطعہ اور غزل میں بہت زیادہ فرق ہے۔ خاص کر قطعہ اور مسلسل غزل میں کافی فرق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر (۱) مسلسل غزل میں مطلع ہوتا ہے (۲) مسلسل غزل میں اگرچہ اشعار کا تسلسل ہوتا ہے تاہم کسی درجے میں شعر کا مفہوم مکمل ہو جاتا ہے جبکہ قطعہ میں مفہوم ایک شعر سے دوسرے شعر کی جانب پیوست ہوتا نظر آتا ہے۔ اُردو ادب میں قطعہ ایک مقبول صنفِ شاعری ہے۔ اکثر شعراء نے کامیاب قطعے قلمبند کیے ہیں۔

قطعہ کے بارے میں ڈاکٹر محمد اشرف کمال یوں لکھتے ہیں:

"اُردو ادب میں قطعہ نگاری کی صنف بھی فارسی سے آئی ہے۔ شروع میں قطعہ نگاری الگ سے صنف نہیں تھی بلکہ غزل کا جو مضمون ایک شعر میں ادا نہ ہو سکتا تھا تو اُسے مجموعہ اشعار میں پیش کرتے تھے۔ اس مجموعہ اشعار کو جو ایک ہی جیسے مضمون پر مشتمل ہوتا تھا، قطعہ بند یا قطعہ کہا جاتا تھا۔ اُردو میں کم و بیش اکثر شعراء نے قطعات کہے ہیں۔"(۱۴۷)

فنی لوازمات کا استعمال ہر شعری صنف میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ شعری اصناف میں لمبی لمبی تفاصیل ایک شعر میں بیان کر دی جاتی ہیں۔ بعض فنی اصطلاحات بھی ایسی ہیں کہ شعر میں ایک دو لفظوں سے بڑے بڑے واقعات اور معاملات کے بیان میں کارگر ثابت ہوتی ہیں۔ گویا فنی اصطلاحات کا استعمال اپنے اندر

کافی گہرائی وگیرائی رکھتا ہے۔تاہم ان کا برتنا کوئی معمولی بات نہیں۔ محنتِ شاقہ سے یہ ہنر آتا ہے۔یعنی قطعہ تخلیق کرتے ہوئے ان میں فنی لوازمات کا استعمال کرنا شعراء کی تخلیقی صلاحیتوں کے مرہونِ منت ہے۔

سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں قطعات کا سرمایہ زیادہ نہیں ہے۔اس کم ذخیرے میں بھی فنی لوازمات کا اظہار دیکھا جا سکتا ہے۔ شاعری میں ترنم، شگفتگی اور روانی کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔شاکر شجاع آبادی کا لکھا ہوا سرائیکی زبان میں قطعہ جس کا اُردو ترجمہ خورشید ربانی نے کیا ہے، مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔اس قطعہ میں ترنم، شگفتگی اور روانی کا اظہار دیکھا جا سکتا ہے:

"زخم دکھوں کے سینے دو
پانی سکھ کا پینے دو
ہم بھی ہیں مخلوق خدا
ظالم لوگو! جینے دو"(۱۴۸)

تشبیہات و استعارات کو حسنِ کلام کا زیور خیال کیا جاتا ہے۔اِن کے استعمال سے زبان و بیان کی خوبیاں نمایاں ہو جاتی ہیں اور جس چیز کو تشبیہ دی جائے یا جس چیز کا استعارہ لیا جائے، اس کا ادراک بہتر انداز میں ہو جاتا ہے۔ ذیل میں ایک ترجمہ شدہ قطعہ پیش کیا جاتا ہے، جس میں استعارہ کا استعمال خوب صورتی سے ہوا ہے:

"کوئی اپنے وفا پر ناز کرے
کوئی عاشق اپنی ادا کا ہے
ہم پیلے پات درختوں کے
ہمیں رہتا خوف ہوا کا ہے"(۱۴۹)

شاعری کے دامن میں ادبیات میں قطعات کے نمونے کافی محدود تعداد میں دکھائی دیتے ہیں لیکن اگر معیار کی بات کی جائے تو یہ قطعات فنی اُصولوں اور ضابطوں پر پورا اُترتے ہیں۔ ماہیے کی طرح قطعات بھی پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں کمیاب ہیں اس کی کیا وجوہ ہیں؟ اس خاصے اہم پہلو پر ادبیات کے مدیران نے اپنی ابتدائی اشاعتوں میں کیوں اہمیت نہ دی؟ بہر حال" دیر آید درست آید" کے مصداق اس حوالے سے اب ہر صنفِ سخن کو متعارف کروانے کا بیڑا اس مجلے نے اُٹھایا ہے۔ ان میں اچھے اور معتبر مصنفین اور ادباء کی

خدمات سے استفادہ کیا گیا ہے جو ''ادبیات'' کو ایک معیاری مجلہ بنانے کی ذمہ داری لیے ہوئے ہیں۔ وہ وقت دور نہیں جب یہ مجلہ ہر صنفِ ادب کو تسلسل کے ساتھ اپنے شماروں میں جگہ دے کر اپنے معیار کو اور بہتر بنائے گا اور یوں قومی یکجہتی کے فروغ کے ساتھ ساتھ ایک اہم ادبی ذمہ داری بھی پایہ تکمیل کو پہنچے گی۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' نے ہر صنفِ سخن کو پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں شائع کرنے کی کوشش کی ہے۔ قطعہ کے اُردو تراجم بھی انھی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ اس مجلے کے مدیران کی یہ بھی کوشش رہی ہے کہ ان تراجم کے اُصول وضوابط وہی ہوں جو اُردو کی اصنافِ ادب میں ملحوظِ خاطر رکھے جاتے ہیں یعنی ان تراجم کے تحت شائع ہونے والی ہر صنفِ سخن اُردو ادب سے ہم آہنگ ہو۔ اگرچہ کچھ اصنافِ سخن میں اختلافی پہلو بھی سامنے آتے ہیں لیکن اکثر اصنافِ ادب میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اس مجلے کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم کے قطعات فنی لحاظ سے اُردو ادب سے روانی، شگفتگی، ترنم، تشبیہات واستعارات، صنعتوں، بحور، اوزان اور دیگر کئی لحاظ سے مماثلت رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔انور جمال، پروفیسر،ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۱۹۴

۲۔صباحت مشتاق، حمد کا اوّلین تصور، مشمولہ مفیض، حمد نمبر، ص ۹۸

۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات،سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۱۱۵

۴۔طاہر سلطانی،اُردو حمد کا ارتقاء، کراچی، ۲۰۰۴ء، ص ۵۸۔۵۹

۵۔انجم یوسفزئی، مترجم، حمد، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ ۲۶، جلد ۷، بہار ۱۹۹۴ء، ص ۹۰۰

۶۔شیراز طاہر، مترجم، حمد، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمار نمبر ۱۰۹، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۶ء، ص ۳۳۶

۷۔اکبر علی غازی، کھوار زبان میں حمد نگاری کی روایت، مشمولہ اخبار اُردو، اسلام آباد، مارچ ۲۰۱۰ء، ص ۲۳

۸۔سورۃ ق، آیت نمبر ۱۶

۹۔اختر رضا سلیمی، مترجم، حمد، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۱۰۷، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۵ء، ص ۳۳۴

۱۰۔اکبر علی غازی، کھوار زبان میں حمد نگاری کی روایت، مشمولہ اخبار اُردو، اسلام آباد، مارچ ۲۰۱۰ء، ص ۲۱

۱۱۔محمد طٰہٰ خان، مترجم، حمد، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۵۴، ۲۰۰۱ء، ص ۲۰۷

۱۲۔م۔ر۔شفیق، مبصر، کلام رحمان بابا پر ایک طائرانہ نظر، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، جلد نمبر ا، جنوری تا مارچ ۱۹۸۸ء، ص ۳۰۳

۱۳۔محمد امین بھٹی، محمد ثقلین بھٹی، اظہر اللغات، اظہر پبلشر، لاہور، س۔ن، ص ۸۶۷

۱۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۱ء، ص ۲۵۹

۱۵۔محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، بک ٹائم کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۴۲۱

۱۶۔ علیم صبا نویدی، نعتیہ شاعری میں ہیئتی تجربے، تمل ناڈو، اُردو پبلی کیشنز، چنئی ۲۰۰۶ء

۱۷۔المائدہ، ۳

۱۸۔محمد طٰہٰ خان، مترجم، نعت، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۵۴، ۲۰۰۱ء، ص ۳۰۸

۱۹۔م۔ر۔شفیق، مبصر، کلام رحمان بابا پر ایک طائرانہ نظر، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، جنوری تا مارچ ۱۹۸۸ء، ص ۳۰۳

۲۰۔ضیاء الدین نعیم، سید، مترجم، نعت، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، اکتوبر تا ستمبر ۲۰۱۵ء، ص ۳۲۳

۲۱۔العجلونی کشف الخفاد، جلد نمبر ۲، ص ۱۹۲

۲۲۔طٰہٰ خان، مترجم، نعت، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، ۲۰۱۱ء، ص ۲۰۸

۲۳۔ عبداللہ جان، درخانی، مولانا، مترجم، نعت، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، جنوری تا جون ۲۰۱۴ء، ص ۶۹۹
۲۴۔ انور جمال، پروفیسر ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۱۷۴
۲۵۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، بک ٹائم کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۴۱۶
۲۶۔ انور جمال، پروفیسر ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۱۷۲
۲۷۔ بشیر عنوان، مترجم، نظم، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۹ء، ص ۲۵۳
۲۸۔ عبدالجبار جونیجو، ڈاکٹر، مبصر، شیخ ایاز: فن و شخصیت، بہار ۱۹۹۹ء، ص ۲۰۴
۲۹۔ خورشید ربانی، مترجم، نظم، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۹ء، ص ۱۹۰
۳۰۔ واحد بخش بزدار، مترجم، نظم، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، اکتوبر ۲۰۰۷ مارچ ۲۰۰۸ء، ص ۴۷۰
۳۱۔ حسین سحر، مترجم، نظم، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ ۵۷، ۲۰۰۲ء، ص ۱۸۴۔۱۸۵
۳۲۔ غلام سرور رانا، مترجم، نظم، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۱۰۵، اپریل تا جون ۲۰۱۵ء، ص ۲۹۷
۳۳۔ سورۃ المائدہ، آیت نمبر ۳۲
۳۴۔ طاہر شیرازی، مترجم، نظم، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۱۰۶، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۵، صفحہ ۳۲۹
۳۵۔ زاہد حسن، مترجم، نظم، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۹۴۔۹۵، جنوری تا جون ۲۰۱۲ء، ص
۳۶۔ انور جمال، پروفیسر ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۱۳۵
۳۷۔ گیان چند ڈاکٹر، ادبی اصناف، گجرات اُردو اکادمی، حکومت گجرات، ستمبر ۱۹۸۹ء
۳۸۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۱۹۲۔۱۹۳
۳۹۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، خلیق انجم ڈاکٹر، اصناف اُردو، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص ۱۰
۴۰۔ امجد اسلام امجد، اُردو غزل کی روایت، ماضی اور حال، مشمولہ، ماہ نور، لاہور، مارچ ۲۰۰۷ء، ص ۲
۴۱۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصناف ادب، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۳۲
۴۲۔ آفاق صدیقی، مترجم، غزل، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ ۵۵، ۲۰۰۱ء، ص ۲۰۸
۴۳۔ غلام علی الانہ، ڈاکٹر، مبصر، شیخ ایاز کی ایک قومی اور عوامی شاعر، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۹ء، ص ۱۶۴
۴۴۔ ارشد چہال، مترجم، غزل، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ، ۲۰۰۴ء، ص ۳۲۶
۴۵۔ خاطر غزنوی، مترجم، غزل، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ ۶۳۔۶۴، ۲۰۰۴ء، ص ۳۲۴
۴۶۔ داور خان داؤد، مبصر، حمزہ شنواری: ایک مطالعہ، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۲۴، ۱۹۹۴ء، ص ۲۵۵

۴۷۔عنایت اللہ فیضی،مترجم،غزل،مشمولہ مجلہ ''ادبیات''،بہار۱۹۹۹ء،ص۱۹۵

۴۸۔عبدالکافی،ادیب،مبصر،احمد شاہ ابدالی،صاحب سیف و قلم،مشمولہ مجلہ ''ادبیات''،بہار۱۹۹۹ء،ص۲۳۱

۴۹۔عبدالقافی،ادیب،مترجم،غزل،مشمولہ مجلہ ''ادبیات''،بہار۱۹۹۹ء،ص۱۴۴

۵۰۔صدیقی،ابوالاعجاز حفیظ،کشافِ تنقیدی اصطلاحات،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،۱۹۸۵ء،ص۱۵۴

۵۱۔محمد اشرف کمال،ڈاکٹر،اصطلاحات(ادبی،تنقیدی،تحقیقی،لسانی)،بک ٹائم کراچی،۲۰۱۷ء،ص۳۵۲

۵۲۔وزیر آغا،ڈاکٹر،مبصر،اُردو شاعری کا مزاج،ص۱۹

۵۳۔غلام سرور رانا،مترجم،گیت،مشمولہ مجلہ ''ادبیات''،اپریل تا ستمبر۲۰۰۸ء،ص۲۹۱

۵۴۔فہمیدہ ریاض،مترجم،گیت،مشمولہ مجلہ ''ادبیات''،بہار۱۹۹۹ء،ص۲۳۷

۵۵۔امجد قیصرانی،مترجم،گیت،مشمولہ مجلہ ''ادبیات''،بہار۱۹۹۹ء،ص۲۱۰

۵۶۔تاج سعید،مترجم،لوک گیت،مشمولہ مجلہ ''ادبیات''،اپریل تا جون۱۹۸۸ء،ص۲۸۹

۵۷۔علی یاسر،مترجم،گیت،مشمولہ مجلہ ''ادبیات''،اکتوبر تا دسمبر۲۰۱۶ء،ص۳۶۶

۵۸۔محمد اشرف کمال،ڈاکٹر،اصطلاحات(ادبی،تنقیدی،تحقیقی،لسانی)،بک ٹائم کراچی،۲۰۱۷ء،ص۲۱۰

۵۹۔ سلیم اختر،ڈاکٹر،تنقیدی اصطلاحات،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۱ء،ص۱۲۷

۶۰۔اسلم حنیف،ڈاکٹر،مقالہ،دوہے کے ارکان،مطبوعہ،ماہنامہ ''صریر''،کراچی،نومبر۲۰۰۲ء

۶۱۔تاج سعید،مترجم،دوہے،مشمولہ مجلہ ''ادبیات''،اپریل تا ستمبر۱۹۸۹ء،ص۱۸۹

۶۲۔فہمیدہ ریاض،مترجم،دوہا،مشمولہ مجلہ ''ادبیات''،بہار۱۹۹۹ء،ص۲۳۸

۶۳۔محمد اشرف کمال،ڈاکٹر،اصطلاحات(ادبی،تنقیدی،تحقیقی،لسانی)،بک ٹائم کراچی،۲۰۱۷ء،ص۳۷۹

۶۴۔مناظر عاشق ہرگانوی،ڈاکٹر،اُردو میں ترقی پسند تنقید،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،دہلی،۲۰۰۸ء،ص۱۹۹

۶۵۔ سلیم اختر،ڈاکٹر،تنقیدی اصطلاحات،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۱ء،ص۲۳۱

۶۶۔اصغر عابد،مترجم،ماہیا،مشمولہ مجلہ ''ادبیات''،۲۰۰۴ء،ص۳۲۱

۶۷۔ایضاً

۶۸۔ سلیم اختر،ڈاکٹر،تنقیدی اصطلاحات،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۱ء،ص۲۵۰

۶۹۔محمد اشرف کمال،ڈاکٹر،اصطلاحات(ادبی،تنقیدی،تحقیقی،لسانی)،بک ٹائم کراچی،۲۰۱۷ء،ص۴۰۶

۷۰۔طہٰ خان،مترجم،نعت،مشمولہ مجلہ ''ادبیات''،۲۰۰۱ء،ص۲۰۹

۷۱۔انور جمال، پروفیسر ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، جنوری۲۰۱۶ء، ص ۱۰۵
۷۲۔اُردو رباعی، فنی وتاریخی ارتقاء، س۔ن، ص ۲۰
۷۳۔رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر،اصناف ادب،سنگ میل پبلی کیشنزلاہور،۲۰۰۸ء، ص ۸۲
۷۴۔گیان چند، ڈاکٹر،ادبی اصناف، گجرات اُردو اکادمی، گجرات، ستمبر ۱۹۸۹، ص ۳۸
۷۵۔محمد اشرف کمال، ڈاکٹر،اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، بک ٹائم کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۲۲۱
۷۶۔امتیاز الحق امتیاز، مترجم،رباعی، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۵ء، ص ۳۴۴
۷۷۔اسد اللہ اسد، مترجم،رُباعی، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''،اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۴ء، ص۲۳۹
۷۸۔محمد امین بھٹی/محمد ثقلین بھٹی،اظہر الغات،اظہر پبلشر اُردو بازار لاہور، س۔ن۔ص ۵۲۲
۷۹۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز۔لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۲۱۰
۸۰۔گیان چند، ڈاکٹر،ادبی اصناف، گجرات اُردو اکادمی، گجرات، ستمبر ۱۹۸۹، ص ۴۵
۸۱۔رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر،اصناف ادب،سنگ میل پبلی کیشنزلاہور،۲۰۰۸ء، ص ۸۵
۸۲۔خورشید ربانی، مترجم، قطعہ، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''،اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۴ء، ص ۲۴۸
۸۳۔ایضاً
۸۴۔محمد اشرف کمال، ڈاکٹر،اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، بک ٹائم کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۱۹۵
۸۵۔طٰہٰ خاں، مترجم، حمد، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، جلد ۱۳، ۲۰۰۱ء، ص ۲۰۷
۸۶۔م۔ر۔شفیق، کلام رحمان بابا پر ایک طائرانہ نظر، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، جنوری تا مارچ ۱۹۸۸ء، ص ۳۰۴
۸۷۔اختر رضا سلیمی، مترجم، حمد، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''،اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۵ء، ص ۳۳۴۔۳۳۵
۸۸۔انور جمال، پروفیسر ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۳۸۔۳۹
۸۹۔انجم یوسفزئی، مترجم، حمد، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، جلد ۷، بہار ۱۹۹۶ء، ص ۹
۹۰۔اختر رضا سلیمی، مترجم، حمد، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''،اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۵ء، ص ۳۳۴
۹۱۔ شمیم احمد،اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں، مکتبہ عالیہ، لاہور، س۔ن، ص ۲۰۷۔۲۰۸
۹۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص ۳۲
۹۳۔واحد بخش بزدار، مترجم، نعت، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، نعت نمبر، ۲۰۰۱ء، ص ۵۰۸
۹۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۸۸

۹۵۔ مرید سندھی، مترجم، نعت، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، نعت نمبر، ۲۰۰۱ء، ص ۵۴۰

۹۶۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز، ص ۹۵

۹۷۔ واحد بخش بزدار، مترجم، نعت، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، نعت نمبر، ۲۰۰۱ء، ص ۵۰۸

۹۸۔ انوار جمال، پروفیسر ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص ۷۵

۹۹۔ طٰہٰ خان، مترجم، نعت، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، ۲۰۰۱ء، ص ۲۰۸

۱۰۰۔ انور جمال، پروفیسر ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۱۷۲

۱۰۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۱۶۳۔ ۱۶۴

۱۰۲۔ انور جمال، پروفیسر ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۱۲۹۔ ۱۳۰

۱۰۳۔ مصطفی ارباب، مترجم، نظم، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، اکتوبر ۲۰۰۷ء تا مارچ ۲۰۰۸ء، ص ۴۸۳

۱۰۴۔ محمود ایاز، مترجم، نظم، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، جلد ۷، بہار ۱۹۹۴ء، ص ۱۷۵

۱۰۵۔ ارشاد شیخ، مترجم، نظم، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، اپریل تا ستمبر ۲۰۰۸ء، ص ۳۲۹

۱۰۶۔ انور جمال، پروفیسر ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۴۹۔ ۵۰

۱۰۷۔ فہیم شناس کاظمی، مترجم، نظم، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۲ء، ص ۳۱۳

۱۰۸۔ اجمل وجیہہ، ترجمہ، رفیق سندیلوی، نظم، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ ۵۳، خزاں ۲۰۰۰ء، ص ۲۸۱

۱۰۹۔ انور جمال، پروفیسر ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۱۵۸

۱۱۰۔ شہاب صفدر، مترجم، نظم، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ ۲۶، بہار ۱۹۹۴ء، ص ۱۹۱

۱۱۱۔ انور جمال، پروفیسر ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۱۳۵

۱۱۲۔ علی دیپک قزلباش، مترجم، غزل، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۴ء، ص ۱۷۲

۱۱۳۔ ارشد چہال، مترجم، غزل، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ ۶۳۔ ۶۴، ۲۰۰۴ء، ص ۳۲۶

۱۱۴۔ داور خان داؤد، مترجم، غزل، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۵۵، ۲۰۰۱ء، ص ۲۱۶

۱۱۵۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، خلیق انجم ڈاکٹر، اصناف اُردو، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص ۱۰۔ ۱۱

۱۱۶۔ حسین سحر، مترجم، غزل، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ ۵۵، ۲۰۰۱ء، ص ۲۱۰

۱۱۷۔ حسین سحر، مترجم، غزل، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ ۵۵، ۲۰۰۱ء، ص ۲۱۰

۱۱۸۔ غلام علی الانا، ڈاکٹر، مبصر، شیخ ایاز: ایک قومی اور عوامی شاعر، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۹ء، ص ۱۶۵

۱۱۹۔ فہمیدہ ریاض، مترجم، غزل، شیخ ایاز کی یاد میں، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۹ء، ص ۲۳۶

۱۲۰۔ نیاز سواتی، مترجم، غزل، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۴ء، ص ۱۸۰

۱۲۱۔ خاطر غزنوی، اُردو میں گیت نگاری، مشمولہ خیابان اصناف سخن نمبر، شعبہ اُردو پشاور یونیورسٹی، ۲۰۰۱ء، ص ۲۲۹

۱۲۲۔ شمیم احمد، اصناف سخن اور شعری ہیئتیں، ص ۱، ۲

۱۲۳۔ تاج سعید، مترجم، گیت، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، اپریل تا جون ۱۹۸۸ء، ص ۲۹۰

۱۲۴۔ فہمیدہ ریاض، مترجم، گیت، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۹ء، ص ۲۳۷

۱۲۵۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، بک ٹائم کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۳۵۴

۱۲۶۔ علی یاسر، مترجم، گیت، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۶ء، ص ۳۶۶

۱۲۷۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۱۲۵

۱۲۸۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، بک ٹائم کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۲۱۱

۱۲۹۔ فہمیدہ ریاض، مترجم، دوہا، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۹ء، ص ۲۳۸

۱۳۰۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، بک ٹائم کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۵۶

۱۳۱۔ تاج سعید، مترجم، دوہے، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، اپریل تا ستمبر ۱۹۸۹ء، ص ۱۸۹

۱۳۲۔

۱۳۳۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، بک ٹائم کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۳۷۷

۱۳۴۔ اصغر عابد، مترجم، ماہیا، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، ۲۰۰۴ء، ص ۳۲۱

۱۳۵۔ ایضاً، ص ۳۲۱

۱۳۶۔ انور جمال، پروفیسر ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۱۶۸

۱۳۷۔ طٰہٰ خان، حمد، مترجم، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، ۲۰۰۱ء، ص ۲۰۹

۱۳۸۔ ایضاً

۱۳۹۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، خلیق انجم ڈاکٹر، اصناف اُردو، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص ۵۹

۱۴۰۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصناف ادب، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۸۲

۱۴۱۔ ''جوش شناسی''، شمارہ نمبر ۳، کراچی، ص ۸۶

۱۴۲۔ اسد اللہ اسد، مترجم، رُباعی، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۴ء، ص ۲۳۹

۱۴۳۔امتیاز الحق امتیاز، مترجم، رباعی، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۵ء، ص ۳۴۴
۱۴۴۔انور جمال، پروفیسر ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۱۰۶
۱۴۵۔اسد اللہ اسد، مترجم، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۴ء، ص ۲۳۹
۱۴۶۔انور جمال، پروفیسر ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۱۴۲۔۱۴۳
۱۴۷۔محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، بک ٹائم کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۳۴۰
۱۴۸۔شاکر شجاع آبادی، خورشید ربانی، قطعہ، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۴ء، ص ۲۴۸
۱۴۹۔ایضاً

باب سوم

افسانوی تراجم کا جائزہ

الف۔افسانوی تراجم کا موضوعاتی جائزہ

i. داستان کا موضوعاتی جائزہ:

داستان، فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی کہانی، قصہ، طول طویل حکایت، روایت یا لمبی کہانی کے ہیں۔رفیع الدین ہاشمی داستان کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

> ''کہنے کی چیز کو کہانی کہتے ہیں۔قصہ کے معنی بھی کہنا اور بیان کرنا کے ہیں۔داستان کہانی کی سب سے اوّلین اور قدیم قسم ہے۔اصطلاح میں داستان وہ قصّہ کہانی ہے جس کی بنیاد تخیل، رومان اور فوق الفطرت عناصر پر ہو۔کہانی کی قسم ہونے کے ناطے سے داستان، لکھنے اور پڑھنے سے زیادہ کہنے اور سننے کی چیز ہے۔مافی الضمیر کا فوری اور جلد اظہار لکھنے سے زیادہ کہنے میں ہوتا ہے۔ شاید اسی لیے شرر نے داستان کو فی البدیہہ تصنیف کہا ہے۔''(۱)

ماضی میں داستانوں کا عام رواج تھا۔داستانیں سرایوں، محفلوں، قہوہ خانوں اور نخلستانوں میں سنائی جاتی تھیں۔ایک ماہر داستان گو اپنے زور بیان سے سامعین کو کئی کئی گھنٹے مسحور رکھ سکتا تھا۔بعض اوقات داستان گو ایک معمولی سی بات پر کئی گھنٹے صرف کر دیتا تھا۔اسے اصطلاح میں داستان روکنا کہتے تھے۔اس حوالے سے میر باقی علی کافی شہرت رکھتے تھے۔داستانیں قدیم شعراء کی پسندیدہ صنف رہی ہے۔مرزا غالب بھی داستان سننے کے بہت شوقین تھے۔ان کی دل پسند داستان ''بوستان خیال'' تھی۔داستان کے لوازمات کے حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر یوں لکھتے ہیں:

> ''داستانیں دل کو خوش رکھنے اور خوش وقتی کا ذریعہ تھیں۔اس لیے ان میں بے لگام تخّیل، طلسمی ماحول، مافوق الفطرت عناصر، عشق، جنس، مہمات، جانبازی، شجاع شہزادے، پری پیکر شہزادیاں، دانا وزیر، وفادار دوست اور جانثار ساتھی سب کچھ ملتا ہے۔الغرض داستان دلچسپی کے لحاظ سے بارہ مصالحہ کی چاٹ ثابت ہوتی تھی۔''(۲)

آج کا دور داستانوں کا نہیں ہے۔ سائنس، ٹیکنالوجی اور انٹرنیٹ کی آمد سے یہ صنف ادب ختم ہوتی جارہی ہے۔ لوگ، داستانوں کی بجائے ناول، افسانہ، غزل یا نظمیں پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات''میں بھی بہت کم داستانیں ترجمہ ہوئیں۔

سہ ماہی ''ادبیات'' کا اجرا ۱۹۸۷ء میں ہوا۔ اس شمارے میں بلتستان کی مشہور داستان ''کیسر داستان'' کو شامل کیا گیا۔ عشق و محبت داستانوں کا ایک خاص موضوع رہا ہے۔ یہی موضوع اس داستان میں بھی بیان ہوا ہے ۔اگرچہ کچھ دیگر موضوعات جیسے نفرت ،جنگ و جدل کے درد انگیز واقعات، تعریف و توصیف، ہجو گوئی اور تاریخی حقائق بھی بیان ہوئے ہیں۔ اس داستان کے مطالعے سے ہم قدیمی دور کی ثقافت، طرز معاشرت، انداز فکر، شعر و شاعری اور موسیقی کے آلات سے بھی کماحقہٗ آگاہ ہوتے ہیں۔

کیسر، اس داستان کا ہیر و ہے اور ''لہانو بلمو نگمو'' اس کی ہیروئن ہے۔ اگرچہ اس داستان کے شروع میں یہ دونوں بہن بھائی ہوتے ہیں۔ یہ آسمانی دیوتا ''لہاپو کپون'' کی اولاد تھی۔ دنیا میں ظلم و بربریت کے بڑھ جانے کی وجہ سے اس دیوتا کا خیال ہے کہ کسیر دنیا میں جائے اور دنیا سے ظلم و زیادتیوں کو ختم کر دے۔ کیسر دیوتا کے سامنے کچھ شرائط رکھتا ہے کہ جس میں سے ایک شرط ''لہانو بلمو نگمو'' سے شادی کی ہوتی ہے۔ مہاپو کپون نے اس کی تمام شرطیں مان لیں اور کیسر اور بلمو نگمو دیوی کو آگ میں پھینک دیا۔ دونوں جل کر راکھ بن جاتے ہیں اور اس طرح اس جنم میں بہن بھائی کا رشتہ ان کے مابین ختم ہو جاتا ہے۔ دیوتا دونوں کی راکھ کو زمین میں پھینک دیتا ہے۔ ممی گوق بزانگ جو کہ فہ سنکھارادامیکس کی بیوی ہے جوہڑ سے پانی پیتی ہے تو پانی کے ساتھ راکھ بھی اس کے پیٹ میں جاتی ہے۔ جس سے وہ حاملہ ہو جاتی ہے اور یہ عورت کیسر کو جنم دیتی ہے۔ اس طرح بلمو نگمو دیوی کی راکھ بادشاہ ''ہیاق سن پہ ابا'' کی ملکہ کے پیٹ میں داخل ہوتی ہے اور کچھ عرصے بعد وہ لہانو بلمو نگمو کو جنم دیتی ہے۔ اس داستان میں بلمو نگمو دیوی کی شادی ایک گونگے سے کر دی جاتی ہے جو دراصل کیسر ہی ہوتا ہے لیکن یہ راز کچھ عرصے بعد ایک ویران جگہ پر کھلتا ہے۔ جب بلمو نگمو دیوی کو کیسر کی اصلیت کا پتہ چلتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتی ہے۔ اور خوشی خوشی میں یہ گیت گاتی ہے جو کہ عشق و محبت کی عکاسی کرتا ہے:

''ہلو (پھول) کے درمیان میں کوئی حسین ہے تو بھلا کون ہے
(ہاں) ہیلیا گھوڑے پر سوار میرا دیوتا کیسر حسین ہے
ہلو کے میدان میں کوئی حسین ہے تو بھلا کون ہے

(ہاں) سنہری پگڑی باندھے میرا دیوتا کیسر حسین ہے،،(۳)

عشق ومحبت کی اس داستان میں کیسر دوسری خواتین سے بھی شادی کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے بلونگمو دیوی اس سے نفرت کرتی ہے اور سخت بیمار ہو جاتی ہے تو کیسر اس کے لیے سخت پریشان ہوتا ہے اور اس سے وعدہ کرتا ہے کہ آئندہ وہ اس سے کبھی بے وفائی نہیں کرے گا۔ وہ دونوں یہ قسم بھی کھاتے ہیں کہ وہ اور کسی مرد یا عورت کا منہ نہ دیکھیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ وہ آج بھی کوہستان کی اونچی چوٹیوں اور برفانی وادیوں میں ایک دوسرے کی محبت میں مصروف ہیں۔

زمانہ ماضی میں اہل مشرق داستان کے شوقین رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ قدیم میں دیگر نثری اصناف ادب کی بجائے داستان کو ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ ڈاکٹر سلطانہ بخش اس حوالے سے یوں محو گفتگو ہیں:

''مشرق ہمیشہ داستان سراؤں کا گھر اور داستان سرائی کا مقام رہا ہے اور داستان سرائی مشرق کا خاص فن ہے۔ یہ داستانیں اپنے عہد کا ثقافتی اور ادبی سرمایہ ہیں۔ داستان پڑھنے والوں کے لیے ایسی تفریح اور ذہنی انبساط کا سرمایہ مہیا کرتی ہیں جس پر منطق و استدلال کی کوئی جگہ نہیں۔،،(۴)

داستانوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے موضوع بھی بیان ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ سے محبت والفت کے موضوعات بھی داستانوں کا حصہ بنتے رہے ہیں۔ انھی موضوعات پر مبنی ایک داستان ''سر کلیان داستان اوّل،، بھی لکھی گئی ہے۔

شاہ لطیف بھٹائی کی لکھی گئی اس داستان کا ترجمہ امیر بخاری نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اس داستان میں یوں بیان کی گئی ہے:

''اس سر میں شاہ نے وحدت سے کثرت کا صوفیانہ اسرار سمجھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ کثرت اسی وحدت سے پھوٹ کر نکلی ہے۔ یہ کائنات وحدہٗ کی پیدا کردہ ہے اور اُسے بہت ہی پیاری ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وحدہٗ کے عبدہٗ ہیں۔ سب سے اعلیٰ، سب سے مکرم۔ ان کی کوششوں سے وحدت کا پیغام پھیلا۔ وحدت پر چلنے کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بے انتہا محبت کی ضرورت ہے۔،،(۵)

قدیم ادبی صنف ہونے کی وجہ سے سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کی شماروں میں داستان کو بہت کم جگہ دی گئی ہے۔دورِ قدیم کی ایک مقبول صنف دور حاضر میں ختم ہونے کے قریب ہے۔ محبانِ ادب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس نثری صنف کو زندہ رکھنے کے لیے اس کو لکھنے کے ساتھ ساتھ شائع کروانے کا بھی خصوصی اہتمام کروائیں۔اس مجلے میں شامل کی گئی داستانیں پاکستانی زبانوں کے مخصوص ادبی رجحان کی عکاسی کرتی ہیں۔

داستانوں کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان میں ایک زمانے کی تہذیب و تمدن، رہن سہن، زبان، محاورہ، رسم و رواج، دیومالائی اور اساطیری تصورات، مذہبی، ثقافتی اور معاشرتی رجحانات، رومان، تمثیل اور علمیت جیسے عناصر دیکھے جاسکتے ہیں۔اِن کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اِن میں واقعات کا ایسا تسلسل ہوتا ہے کہ جس میں پڑھنے والا بہتا چلا جاتا ہے۔انسان کی سب خواہشات کی تکمیل ناممکن ہے۔داستان چونکہ ایک تخیلاتی صنفِ ادب ہے اس لیے اس کے ذریعے سے انسان اپنی خواہشات کی تکمیل کرلیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ انسان اور داستانوں کا ایک دوسرے سے گہرا ساتھ رہا ہے۔اس بارے میں ڈاکٹر محمد اشرف کمال لکھتے ہیں:

> ''انسان اور داستان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔انسان داستان کے ذریعے بہت سے ایسے قصے ترتیب دے لیتا ہے جو فرضی اور تخیلاتی ہوتے ہیں اور انسان کی خواہشات کی عکاسی کرتے ہیں۔انسان ان قصوں کے ذریعے اپنے تشنہ جذبات کی تکمیل تخیلاتی سطح پر کرلیتا ہے۔داستانوں میں ایسی دنیا تخلیق کی جاتی ہے جہاں مجبور و بے کس اور محروم طبقے سے تعلق رکھنے والے انسانوں کی تمام تمنائیں پوری ہوتی نظر آتی ہیں۔''[٦]

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کی پاکستانی ادب کے تحت ترجمہ ہونے والی داستانوں میں یہ دونوں خصوصیات دیکھی جاسکتی ہیں۔عام طور پر داستان یا قصہ کی چار اقسام ہیں۔پہلی قسم کو Tale کہا جاتا ہے۔اس میں ایسی کہانیاں شامل ہیں جن میں فرضی اور خیالی واقعات کو بیان کیا جاتا ہے۔دوسری قسم Parable کہلاتی ہے جس کو اُردو میں تمثیلی یا علامتی کہانیاں کہا جاتا ہے اس میں علامتی کہانیاں شمار کی جاتی ہیں۔Fable تیسری قسم کی کہانی ہے جس میں پرندوں اور جانوروں کی داستانیں شامل ہیں۔غیر ذی روح کو بعض اوقات ذی روح کے طور پر ان کہانیوں میں پیش کیا جاتا ہے۔اس قسم کی کہانیوں کو بعض لوگ حیوانی کہانیوں کا نام دیتے ہیں۔چوتھی اور آخری قسم کو Romance کا نام دیا گیا ہے۔اس قسم میں عشق و محبت کے واقعات کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے حادثات اور مہمات داخل ہوجاتے ہیں۔سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' میں دوسری اور چوتھی قسم کی کہانیاں شائع کی گئی ہیں۔یہ اُردو ادب سے اشتراک ہے اور پہلی اور تیسری قسم کی کہانیاں شامل نہیں، یہ اُردو ادب سے

اختلاف ہے۔اِن باتوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ مجلہ تخلیق اور تراجم میں ایسی اصنافِ شائع کروانے کا اہتمام کر رہا ہے جو اُردو ادب سے ہم آہنگ اور اشتراکات رکھتا ہے۔اس مجلے کے پاکستانی ادب کے تراجم میں شائع ہونے والی یہ دونوں داستانیں موضوعات کے لحاظ سے اُردو ادب سے یکسانیت رکھتی ہیں۔

ii. ناول کا موضوعاتی جائزہ:

افسانوی ادب میں داستان کے بعد ناول کا نمبر آتا ہے۔اگرچہ بعض مفکرین ناول کو داستان کی ترقی یافتہ شکل قرار دیتے ہیں۔تاہم ناول اور داستان کی بناوٹ،ساخت اور پیش کش میں کافی فرق پائے جاتے ہیں۔داستان کا پلاٹ مافوق الفطرت عناصر سے تیار کیا جاتا ہے جبکہ ناول میں حقیقی واقعات و کردار پیش کیے جاتے ہیں۔داستان میں رومان اور تخیل ہوتا ہے جبکہ ناول میں انسانی زندگی میں روزانہ پیش آنے والے معاملات اور واقعات کو دلچسپ انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ناول کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ”ناول(Novel)اطالوی زبان کا لفظ ہے جو انگریزی کے توسط سے اُردو میں رائج ہوا۔اس کے معنی ہیں انوکھا،نرالا اور عجیب۔اصطلاح میں ناول وہ قصہ یا کہانی ہے،جس کا موضوع انسانی زندگی ہو اور ناول نگار کے مختلف پہلوؤں کا مکمل اور گہرا مشاہدہ کرنے کے بعد ایک خاص سلیقے اور ترتیب کے ساتھ اپنے تجربات و مشاہدات کو کہانی کی شکل میں پیش کر دے۔ناول میں حقیقت نگاری بنیادی چیز ہے۔فرضی،خیالی اور مافوق فطرت باتوں سے اجتناب کیا جاتا ہے۔دراصل ناول،داستان کی ارتقائی شکل ہے۔“(۷)

اُردو میں ناول نگاری کا امام ڈپٹی نذیر احمد کو مانا جاتا ہے اور ان کے ناول مراۃالعروس(۱۸۶۹ء) کو ناول نگاری کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔ان کے بعد عبدالعلیم شرر تاریخی ناول نگاری میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ملک العزیز و رجنا، ان کا پہلا ناول ہے۔ان ناول نگاروں کے بعد رتن ناتھ سرشار،پریم چند،مرزا محمد ہادی رسوا،کرشن چندر، عصمت چغتائی،عزیز احمد،انتظار حسین،عبداللہ حسین،مستنصر حسین تارڑ اور قراۃالعین حیدر ناول نگاری کے خاص نام ہیں۔ناول میں موضوعات کی کافی وسعت ہے۔کوئی بھی ناول نگار زندگی کے کسی پہلو سے متاثر ہو کر ہی کچھ لکھتا ہے۔کچھ ناول نگار پہلے موضوع کا تعین کرتے ہیں اور پھر اس موضوع کے مطابق کہانی ترتیب دیتے ہیں جبکہ اس کے برعکس کچھ ناول نگار پہلے ناول کی کہانی لکھتے ہیں اور پھر اس کہانی کی بنیاد پر موضوع تجویز کرتے ہیں۔ناول اور زندگی کی گہری وابستگی ہے۔ناول اصل میں زندگی کی تصویر کشی کا نام ہے۔ناول نگار اپنے تئیں یا معاشرے میں جو کچھ کمی یا کوتاہی محسوس کرتا ہے وہ اس کو پورا کرنے کے لیے مواد

صفحہ قرطاس پر بکھیر دیتا ہے۔ گویا ناول کا بیان حقیقت میں زندگی کی عکاسی کا بیان ہے۔ ناول چونکہ پوری معاشرتی زندگی کا عکاس ہوتا ہے، اس لیے اس میں بعض اوقات ایک سے زیادہ قصے بیان ہو رہے ہوتے ہیں۔ ناول کے موضوعات میں کافی تنوع موجود ہے۔ ناول کا صنعتی انقلاب سے بھی گہرا تعلق ہے۔ ''اصنافِ ادب اُردو'' میں اس نسبت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

''موضوع کے اعتبار سے دورِ حاضر میں ناول کی ایک سادہ سی تعریف یہ کی گئی کہ یہ ایک صنعتی قصہ ہے جس میں صنعتی عہد کے پس منظر میں فرد اور سماج کی کشمکش دکھائی گئی ہو لیکن یہ تعریف یورپ کے ناولوں پر صادق آتی ہے، جہاں صنعتی انقلاب کے فوراً بعد فرد اور سماج کی کشمکش کے آثار پہلی جنگِ عظیم کے بعد ہی رونما ہوئے۔ تاہم ۱۸۵۷ء کے بعد تہذیبی اور تمدنی زندگی کے مختلف گوشوں میں قدیم و جدید، عقلیت اور مذہب اور مشرق اور مغرب کے مابین کشمکش اور تصادم کی جو فضا پیدا ہوئی اس نے ملک میں ایسے حالات پیدا کر دیئے جو ناول سے ملتے جلتے حقیقت پسندانہ قصے لکھنے کے محرک ثابت ہوئے۔''(۸)

ناول کے بعض موضوعات، ناول کی کہانی سے نسبت رکھتے ہیں۔ یعنی موضوع اور کہانی کا ایک تعلق ہوتا ہے اور موضوع دیکھ کر کہانی کی کچھ نہ کچھ سمجھ آجاتی ہے لیکن بعض موضوعات ایسے ہوتے ہیں کہ موضوع اور کہانی میں واضح تعلق نہیں پایا جاتا اور پوری کہانی پڑھ کر ہی موضوع کا پتہ چلتا ہے۔ اکہرے پلاٹ میں موضوع کی شناخت آسانی سے ہو جاتی ہے لیکن دوہرا پلاٹ موضوع کی پہچان کو مشکل بنا دیتا ہے۔ دوہرے پلاٹ میں کردار کثرت سے ہوتے ہیں اور اس طرح قصے بھی ایک سے زیادہ ہوتے ہیں اور یہ کردار اور قصے موضوع پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بعض اوقات کہانی کے واقعات کو کہانی کا موضوع تصور کر لیا جاتا ہے حالانکہ جب کوئی ادیب کہانی یا ناول تخلیق کرنے بیٹھتا ہے تو اس کے ذہن میں ایک ہدف ہوتا ہے اور یہی ہدف اصل میں ناول کا موضوع ہوتا ہے۔ اس میں کردار، واقعات، پلاٹ اور قصے موضوع تک پہنچنے کے ذرائع ہیں۔ یہ کردار، واقعات اور قصے جیسے بھی ہوں، ناول میں انسان، اس کی زندگی اور معاشرے کی عکاسی ہو رہی ہوتی ہے۔ ناول کے موضوع کے حوالے سے صاحبزادہ حمید اللہ کی گفتگو قابلِ غور ہے:

''غرض یہ مسلم ہے کہ ہر حقیقی ناول کا موضوع انسان ہوتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس میں انسانیت کا کون سا پہلو پیش کیا جائے۔ اس کے متعلق دو خیالات ہیں۔ ایک حیات معاشرت، دوسرا حیات انفرادی۔ لیکن تمام بلند پایہ افسانہ نگار، ناول کو کبھی انفرادی حالت

میں پیش نہیں کرتے بلکہ انھیں اپنے تمام معاشرتی اور تاریخی تعلقات کے درمیان پیش کیا جاتا ہے۔''(۹)

ناول اپنے آغاز سے آج تک موضوعاتی تنوع کی وجہ سے تخلیق کیا جاتا رہا ہے۔ برعظیم میں فسادات کا موضوع برعظیم کے ادباء کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ اس کے علاوہ ناول کے موضوعات میں تہذیبی زوال، نفسیات میں دلچسپی، لکھنو کی تہذیب اور معاشرت، کسان اور مزدور طبقہ کے موضوعات، معاشرتی، معاشی، سماجی، اخلاقی اور اصلاحی موضوعات، ہجرت کے موضوعات اور زندگی کے مسائل کے موضوعات وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

ناول کے دیگر موضوعات میں کشمیر کا موضوع خاص اہمیت کا حامل ہے۔ کشمیری مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم، تشدد، دکھ، لاچاری، بے بسی اور اور مجبوری کو ناول نگاروں نے خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔ کشمیر اور کشمیری مسلمانوں کے ساتھ، دنیائے اسلام کے مسلمانوں کا گہرا رشتہ ہے اور اگر کسی ایک مسلمان کو اذیتیں دی جا رہی ہوں تو دوسرا مسلمان کبھی خاموش نہیں رہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانی ادیبوں نے کشمیری مسلمانوں پر ہونے والی ظلم و ستم کی داستان کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا ہے۔ کشمیر تو ویسے بھی پاکستان کی شہ رگ ہے اور پاکستان کے لوگوں کی کشمیری مسلمانوں کے ساتھ نظریاتی، فکری وابستگی کے ساتھ ساتھ زراعت، معیشت کا دار و مدار کافی حد تک کشمیر کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ پاکستانیوں کا کشمیری مسلمانوں کے ساتھ فطری تعلق ہے۔ پاکستانی ناول نگاروں نے تحریک آزادیِ کشمیر اور بھارتی فوج کے خلاف جہاد کے واقعات پر دل کھول کر قلم فرسائی کی ہے۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں ناول نگاری کی روایت زیادہ جاندار نہیں ہے۔ اِن تراجم کے حوالے سے ناول کا بہت کم مواد اس مجلے کا حصہ بنا ہے۔ اِن تراجم سے ایک ناول ''اور خواب بکھر گئے''ہے، جس میں کشمیریوں پر ہونے والی ظلم و بربریت کی داستان کو بیان کیا گیا ہے۔ ناول نگار ممتاز شاہنواز ہیں جو کہ مشہور پاکستانی ادیبہ اور شاعرہ تھیں جبکہ ترجمہ انیس ہارون نے کیا ہے۔ اس ناول سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

> ''ہم پر کیا ظلم ہو رہا ہے۔ کیا کیا بتاؤں۔ ہزاروں باتیں ہیں جنھوں نے ہماری زندگیاں اجیرن کر رکھی ہیں۔ مثلاً میرے میاں کے گاؤں میں مولوی اطمینان سے اذان بھی نہیں دے سکتا۔ نماز کے وقت ہندوؤں کے جتھے مسجد کے سامنے ڈھول بتاشے بجاتے ہیں۔ مسلمانوں

کے خلاف نعرہ بازی کرتے ہیں۔یقین کریں ایک دن مسجد میں مرا ہوا سور پھینک دیا گیا۔"(۱۰)

اس اقتباس میں کشمیری مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ مصنفہ کی کشمیر کے ساتھ ذاتی اور جذباتی وابستگی بھی ظاہر ہو رہی ہے۔پھر مذہب اسلام کے ساتھ دلی لگاو بھی آشکارہ ہو رہا ہے۔

کشمیر کے موضوع پر لکھے گئے ناولوں نے آزادیِ کشمیر کی تحریک کو زندہ رکھا ہوا ہے۔مختلف گروہ اور جماعتیں اس تحریک سے وابستگی رکھے ہوئے ہیں۔ان سب گروہوں اور جماعتوں کے اغراض و مقاصد یکساں ہیں۔اور وہ مقاصد کشمیری مسلمانوں کی آزادی ہے۔ مختصراً کشمیر ایک ایسا موضوع ہے جس پر پاکستانی ادباء نے دل کھول کر لکھا ہے۔سہ ماہی مجلہ "ادبیات" نے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں اس خصوصی موضوع پر اپنا حصہ ضرور ڈالا ہے۔اس سے اس مجلے کے مدیران کی کشمیر سے ذہنی، قلبی اور جذباتی وابستگی ظاہر ہوئی ہے۔

سماجی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ توہمات پر اندھا دھند یقین ہے۔یہ موضوع ایک ایسا موضوع ہے جس نے پورے معاشرے بالخصوص دیہی آبادی کو تباہ و برباد کیا ہوا ہے۔دیہی آبادی میں سے دیہاتی خواتین توہمات پر بہت پختہ یقین رکھتی ہیں۔ بعض خواتین کا ہمارے معاشرے میں عقائد پر اتنا یقین نہیں ہوتا کہ جتنا ان توہمات پر۔ان توہمات میں سے کالا جادو کو سب سے زیادہ فوقیت حاصل ہے۔کالے جادو کے حوالے سے ایک ناول "کروایٹرز" بیپسی سدھوا کا تخلیق کردہ ہے۔اس ناول کا ترجمہ خالدہ حسین نے کیا ہے۔اس سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

> "کالے جادو کا ایک حقیقی جیتا جاگتا خوف اور اس کے عملیات کا آنکھوں دیکھا ثبوت ہر طرف موجود ہے۔کالی ہے۔موت اور تباہی کی دیوی اور بیماری کی دیوی۔اور جن دنوں میں اس کا اثر فعال ہوتا ہے۔مائیں بچوں کو گھروں سے نہیں نکالتیں۔اور انھیں تنبیہ کرتی ہیں کہ وہ ٹوٹے انڈوں، پکے چاولوں کی ڈھیریوں، رنگین چونے اور جانوروں کی انتڑیوں پر سے نہ گزریں، جو سفلی عمل کرنے والوں نے نہایت ہشیاری سے راستوں کے اطراف رکھی ہوتی ہیں۔ان دنوں مغز اور پائے نہیں کھائے جاتے نہ ہی پھیپھڑے یا دل کیونکہ کالے جادو میں صرف سبزی خور ہندو ہی یقین نہیں رکھتے بلکہ دوسرے باسی بھی۔"(۱۱)

یہ اقتباس کالے جادو کے اثرات کی نشان دہی کرتا ہے کہ لوگ اس کے اثرات سے بچنے کے لیے کیا کیا

احتیاطی تدابیر کرتے ہیں؟ کون سی چیزیں کھاتے ہیں اور کون سی نہیں کھاتے؟

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں جو چند ناول شائع ہوئے، اُن میں موضوعاتی تنوع موجود ہے۔ یہ موضوعات دورِ جدید کے معاشرتی، سماجی، اخلاقی، تہذیبی اور تمدنی مسائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ناول اپنی خصوصیات کے اعتبار سے اہمیت کے حامل ہیں۔ ان ناولوں میں پاکستان میں دیگر شائع ہونے والے ناولوں کی طرح کی خصوصیات موجود ہیں۔ یعنی یہ ناول دیگر شائع ہونے والے ناولوں سے کسی طرح کم نہیں بلکہ اُسی درجے کے کہے جا سکتے ہیں۔

ناول کا انسانی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ ایک ناول نگار مختلف انسانوں کے تعلقات، احساسات، معاملات، محبتوں، نفرتوں، رویوں اور اُن کے ماحول کو موضوعی یا معروضی انداز میں دنیا کے سامنے لانے کی کوشش کرتا ہے۔ اُردو ادب میں ناولوں کی یہی پہچان ہے اور یہی خصوصیات ہیں۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں شائع ہونے والے ناول اس لحاظ سے دیگر رسائل و جرائد اور اُردو ادب سے ہم آہنگ دکھائی دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ ترجمہ ہونے والے ناول چند ہی ہیں تاہم اِن کے موضوعات اور رجحانات اُردو ادب سے یکسانیت رکھتے ہیں۔

iii. ڈرامے کا موضوعاتی جائزہ:

ڈرامے کا لفظ جرمن لفظ ڈراما سے ماخوذ ہے اس کا لغوی مطلب ''action'' یعنی حرکت عمل یا فعل ہے۔ ڈراما ایسے قصے یا کہانی کو کہتے ہیں جو اداکاری کے ذریعے پیش کیا جائے یا اداکاری کے لیے لکھا جائے۔ یہ ایک ایسی کہانی ہوتی ہے جس میں زندگی کو اس کے اصل روپ میں دکھایا جاتا ہے۔ اصنافِ ادب میں یہ سب سے کمزور صنف ہے۔ پروفیسر انور جمال اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''یہ نثر کی قدیم ترین صنف شمار کی جاتی ہے۔ لفظ ڈراما یونانی لغت کا حصہ ہے جس کا مفہوم عمل یا حرکت ہے، یوں ڈرامہ زندگی کی عملی تصویر ہے۔ ڈرامے کو ادب کی اصناف میں قدامت کا افتخار حاصل ہے۔ دنیا کے پہلے انسان کے ساتھ ہی ڈرامے کا آغاز ہو گیا ہوگا۔ ''اظہارِ ذات اور نقل'' انسان کی جبلتیں ہیں اور یہی ڈرامے کے محرکات بھی۔ گویا خوشی سے ناچنا کودنا اور غم میں افسردہ ہونا اور رونا انسانی جبلت بھی ہے اور ڈراما بھی۔۔۔۔ ڈرامے کی سادہ ترین تعریف یہ ہے۔ ''زندگی کے واقعات کو منصوبے کے تحت سٹیج پر عملی صورت میں پیش کرنا ڈراما ہے۔''(۱۲)

قدیم تہذیبوں میں ڈرامے کی روایات موجود ہیں۔ قدیم دور میں پہلے پہل ڈرامے کا موضوع مذہبی شخصیات ہوتا تھا۔ بعد میں غیر مذہبی شخصیات یعنی بادشاہوں اور سورماؤں پر بھی ڈرامے لکھے گئے۔ اوّلین ڈراما نگار کے حوالے سے ابھی تضاد پایا جاتا ہے۔ کچھ مفکرین کا خیال ہے کہ واجد علی شاہ اولین ڈراما نگار ہیں جبکہ بعض امانت لکھنوی کو پہلا ڈراما نگار مانتے ہیں۔ پاکستان کی بات کریں تو اسٹیج ڈرامے کے لحاظ سے سید امتیاز علی تاج کے بعد سب سے بڑی کامیابی خواجہ معین الدین کو حاصل ہے، جنھوں نے پاکستان کے ابتدائی دور میں کئی ڈرامے اسٹیج کیے۔ اُنھوں نے روزمرہ کے مسائل کو اپنی مہارت سے ڈراموں میں سمویا اور عوام نے انھیں خوب سراہا۔ بطور ڈراما نویس ان کا نام کافی روشن ہے۔

ڈرامے محض وقت گزاری اور صرف مزاح کے لیے ہی تخلیق نہیں کیے جاتے بلکہ اِن کا مقصد عوام کو اُن کے مسائل سے آگاہ کرنا ہے۔ اس لیے اکثر ڈراموں میں عوامی معاشی، معاشرتی اور سماجی مسائل کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد اشرف کمال یوں لکھتے ہیں:

> ''ڈراما کا مقصد عوام کو ان کے مسائل سے آگاہ کرنا ہے اور سماجی نابرابری، جاگیر دار یا سرمایہ دار نظاموں کی خامیوں اور برائیوں کو ظاہر کرنا اور ہر انسان کو اس کی اہمیت کا احساس دلانا ہے۔ ''افکار'' نے ان ڈراموں کو شائع کرنے میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا جن میں سماجی مسائل اور معاشرتی ناہمواریوں کا بیان ہوا ہے۔''(۱۳)

موضوعات کے حوالے سے ڈرامے میں کافی وسعت اور ہمہ گیری موجود ہے۔ ان ڈراموں کے موضوعات سیاسی، معاشرتی، تہذیبی، سیاسی، اخلاقی، خود غرضی، عورتوں کی ناقدری، عاشقانہ اور اصلاحی نوعیت کے ہو سکتے ہیں۔ زندگی کے ہر موضوع کو ڈرامے کا موضوع بنایا جا سکتا ہے۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں ڈرامے کا وسیع ذخیرہ موجود نہیں ہے۔ شاید ڈرامے کے اُردو تراجم پر اس مجلے کے مدیران نے دیگر اصناف ادب کے مقابلے میں کم کام کیا ہے۔ اب تک پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے حوالے سے شائع ہونے والے شماروں میں صرف ایک ڈرامے کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ زیرِ نظر ڈراما ''پناہ'' پیش خدمت ہے۔ یہ ایوب صابر کا تخلیق کردہ ہے جبکہ مترجم کے فرائض قیوم مروت نے سرانجام دیئے ہیں۔ پشتو ادب سے لیا گیا یہ ڈراما پشتون روایات کی عکاسی کرتا ہے۔ پشتون قبیلے میں اگر کوئی دشمن بھی مہمان آجائے تو اس کی حفاظت میزبان کی ذمہ داری ہو جاتی ہے۔ اس ڈرامے میں پشتون

قبیلے کی اس روایت کو دیکھا جا سکتا ہے۔اس ڈرامے میں پانچ کردار ہیں۔ایک بوڑھا،اس کی بیوی،اس کا بیٹا غزن ،خان ملوک اور غزن خان کا چچازاد بھائی اور ایک اجنبی۔

رات کا پچھلا پہر ہے اور بوڑھے میاں کی بیوی سخت بے چین ہے کیونکہ اس کا بیٹا غزن خان گھر واپس نہیں آیا۔پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ بوڑھے کے ہاتھوں جوانی میں قتل ہو گیا تھا اور اب ایک خاندان سے اس کی دشمنی چل رہی ہے۔غزن جوں جوں لیٹ ہو رہا تھا،اس کی ماں کی بیتابی اور بڑھ رہی تھی۔بوڑھا اسے بار بار تسلی دینے کی کوشش کرتا ہے۔گلی میں جو بھی کوئی آہٹ آتی ہے تو ان کی بے قراری میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔اسی اثنا میں دروازے پر دستک کی آواز آتی ہے اور ماں سمجھتی ہے کہ اس کا بیٹا آ گیا لیکن دروازہ کھولنے پر پتہ چلتا ہے کہ یہ غزن نہیں بلکہ اور کوئی زخمی ہے۔زخمی کی مرہم پٹی کی جاتی ہے۔زخمی سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ کون ہے؟تو وہ اپنے بارے میں بتانے سے گریز کرتا ہے۔باتوں باتوں میں پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک کرائے کا قاتل ہے اور اُن کی جس خاندان سے دشمنی ہے۔اُنھوں نے اسے غزن کے قتل کے لیے رقم بھی دی ہوتی ہے۔بوڑھی ماں اور بوڑھے باپ کو پتہ چل جاتا ہے کہ اسی اجنبی نے ان کے بیٹے کو قتل کیا ہے۔اتنے میں ملوک جو کہ غزن کا چچازاد بھائی ہے آتا ہے اور اجنبی کے بارے میں دریافت کرتا ہے۔بوڑھا اس کے بارے میں بتانے سے گریز کرتا ہے۔ ملوک کو اجنبی پر شک گزرتا ہے کہ شاید یہ وہی شخص ہے جس نے غزن کو قتل کیا ہے اور پھر اس کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ وہی قاتل ہے جس نے غزن کو قتل کیا ہے۔اب ملوک بدلہ لینے کے لیے اصرار کرتا ہے لیکن بوڑھا کہتا ہے کیونکہ وہ ہمارا مہمان ہے اور اس کو ہم نے پناہ دی ہے،اس لیے اس سے کچھ کہا نہیں جائے گا۔اجنبی بھی میزبانی سے سخت متاثر ہے اور اسے قتل کرنے کا سخت دکھ ہے۔غزن کا باپ اس کی ماں اور اجنبی تینوں زخموں کی وجہ سے چور چور ہیں۔بوڑھا اس ڈرامے کے آخر میں یوں کہتا ہے:

> ''آج زخموں کا جشن ہے بڑھیا کا پہلے دل زخمی تھا پھر دماغ زخمی ہو گیا۔میرا پہلے احساس زخمی تھا،اب سارا وجود زخمی ہے۔مہمان کا پہلے ہاتھ زخمی تھا پھر روح زخمی ہوئیں۔اب رحمت اللعالمین یہ سب زخم کب بھریں گے؟زخموں کا اتنا بڑا جشن کب ختم ہو گا کب۔۔۔۔۔؟
> کب۔۔۔۔۔۔؟؟''(۱۴)

ایوب صابر کا یہ ڈراما پشتون قبیلے کی روایات کی عکاسی کرتا ہے۔خصوصاً پشتون قبیلہ کے بزرگ آج بھی ان روایات کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔پشتون قبیلے میں مہمان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ہر ممکن حد تک

اس کی مہمان نوازی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس ڈرامے کا نام ''پناہ'' اپنے کرداروں اور واقعات سے مکمل آہنگ نظر آتا ہے۔ گویا موضوع ڈرامے کے عناصر سے مناسبت رکھتا ہے۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے تحت شائع ہونے والا یہ ڈراما معاشرتی مسائل کی آگاہی کی عمدہ مثال ہے۔ دراصل ڈرامے کا مقصد ہی عوام کو اُن کے مسائل سے آگاہ کرنا ہے اور سماجی نا برابری، جاگیر دارنہ اور سرمایہ دارنہ نظام کی برائیوں کو دنیا کے سامنے لانا اور انسانوں کو اُن کی افادیت کا پتہ بتانا ہے۔ قدیم اور جدید ڈراموں میں اسی قسم کے موضوعات پیش کیے جارہے ہیں۔اُردو ادب ڈراموں کے انھی موضوعات کی پیش کش میں مصروف رہا ہے۔اس مجلے نے پاکستانی ادب کے تراجم سے اس موضوع پر ڈراما ترجمہ کروا کر اُردو دان طبقے سے مکمل آہنگی کا ثبوت فراہم کیا ہے اور یہ بات ثابت کردی ہے کہ اس کی نثری اصناف سخن بھی اُردو ادب سے مماثلت رکھتی ہیں۔

ڈراما حقیقت میں زندگی کی عکاسی کا خوب صورت طریقہ ہے یہ اگرچہ خود زندگی نہیں بلکہ زندگی کے اظہار کا خوب صورت ذریعہ ہے۔ زندگی کی یہ عکاسی مکمل تب وتاب سے اسے حقیقت کے قریب تر کردیتی ہے۔ڈرامے میں عمل کو اس کی جان سمجھا جاتا ہے۔ڈرامے میں صرف الفاظ ہی ہمارے تخیل پر اثر نہیں ڈالتے بلکہ ان کے علاوہ عمل کی قوت بھی کار فرما ہوتی ہے۔ عمل کے اظہار کی مختلف صورتیں ہیں جن میں جسمانی، ذہنی اور جذباتی شامل ہیں۔ڈرامے کا حقیقی مقصد ہی یہی ہے کہ کردار، مکالمے اور عمل کے ذریعے اِن کیفیات کا اظہار کیا جائے۔ دراصل ڈرامے کی بنیاد ہی الفاظ کی گفتار اور کردار کے عمل پر رکھی جاتی ہے۔اسی لیے ڈرامے کو ایک ایسی صنفِ ادب کہا جاتا ہے جس میں زندگی کے حقائق اور مظاہر کو اشخاص اور مکالموں کے ذریعے سے عملاً پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے اُردو تراجم میں شامل ہونے والے ڈرامے میں الفاظ اور عمل کا اظہار عمدگی سے ہوا ہے اور یہ اظہار زندگی کے قریب تر ہے۔اس لحاظ سے یہ ڈراما اُردو ادب سے بھی یکسانیت رکھتا ہے۔

iv. افسانے کا موضوعاتی جائزہ:

ادب عربی زبان کا لفظ اور اسم مذکر ہے۔ لغوی معنی تہذیب، سلیقہ۔ نظم و نثر سے متعلقہ علوم کے ہیں۔[۱۵]

تنقیدی اصطلاحات میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"اگرچہ لغوی معنی ہر چیز، امر، بات کی حد کو ملحوظ رکھنا ہے لیکن بالعموم دو مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔اخلاق، تکریم، شرم اور انگریزی لفظ "Literature" کے مترادف تحریر کے لیے، جہاں تک مرّوج اصطلاح کا تعلق ہے تو اس کی تشریح و توضیح میں اہل قلم نے خاصی خامہ فرسائی کی اتنی کہ کبھی کبھی تو یہ سوال کرنے کو جی چاہتا ہے کہ ادب کیا نہیں؟ تاہم بالعموم تخلیقی نثر (داستان، ناول، افسانہ) اور شاعری کی جملہ اصناف کے لیے بحیثیت مجموعی ادب مستعمل ہے۔"(۱۶)

انگریزی میں ادب کے لیے literature کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، جس کو انگریزی میں The Collective body of literary productions کہا جاتا ہے۔ کنسائز ڈکشنری میں اس کی تعریف یہ ہے:

"Literary Production، علم، ادبیت، ادبی علوم، ادبی تخلیق، ادبی ذخیرہ، کسی زبان کا ادب (بول چال) مطبوعات، کوئی مطبوعہ چیز۔"(۱۷)

ادب کی کئی اقسام ہیں، جیسے ادبِ عالیہ جو کہ کلاسک کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ولّی کو اُردو کا کلاسیک کہا جاتا ہے۔ زردِ ادب، فحش متبذل، جنسی کنایوں والے ذو معنی فقرات یا الفاظ اور گالیوں پر مبنی ادب۔
فحش ادب: جنسی موضوعات پر لکھا جانے والا ادب۔

ایک شاعر یا ادیب کے لیے ادبی اور غیر ادبی تحریروں میں فرق کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ ہمارے سامنے بے شمار تحریریں ہوتی ہیں لیکن ان میں سے صرف چند ہی کو ادب قرار دیا جاسکتا ہے۔ ادبی اور غیر ادبی تحریروں میں ایک تخلیقی اُپج سے امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ مواد میں علامات، تراکیب، تشبیہات، محاورات اور تلمیحات کا استعمال تخلیقات میں جدت خیال کیا جاتا ہے جو کہ مواد کو نیا پن اور خوبصورتی کے علاوہ اسلوب کے حسن سے قاری کے تخیل میں بھی تبدیلی لاتا ہے۔ یہ ادبی تحریروں کا حسن ہی ہے کہ ایک قاری جن کو پڑھنے کے بعد مکمل طور پر ان میں کھو جاتا ہے اور اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوتی ہے جو کہ غیر ادبی تحریروں میں نہیں ہوتی۔ تخلیقی مزاج کے لحاظ سے ادب کی دو اقسام ہیں:

۱۔ افسانوی ادب ۲۔ غیر افسانوی ادب

انگریزی میں افسانوی ادب کے لیے فکشن کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کے معنی افسانہ، کہانی، بناوٹی بات یا گھڑا ہوا قصہ کے ہیں۔ اظہر اللغات میں اس کے معنی یوں بیان کیے گئے ہیں:

"A feigned story افسانہ، ناول، من گھڑت قصہ"(۱۸)

افسانوی ادب کے بارے میں ڈاکٹر عزیز احمد خان کی رائے غور طلب ہے:

"فکشن، ڈراما اور شاعری حقیقی لوگوں اور واقعات کے حوالوں کو یا حقیقی واقعات اور لوگوں کے تجربات کو تخیلاتی انداز میں بیان کرتی ہے۔ تاہم ان اصناف میں استعمال ہونے والا مواد بنیادی طور پر لکھنے والوں کے زرخیز ذہنوں اور دلوں کی پیداوار ہے۔"(۱۹)

افسانوی ادب میں حقیقی زندگی ہی سے کردار و واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان واقعات اور کرداروں میں مصنف یا ادیب کی قوت متخیلہ اور اختراع شامل ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے کردار و واقعات حقیقت کے قریب لگتے ہیں۔ اگرچہ افسانوی ادب کی کچھ باتیں من گھڑت قصے ہوتے ہیں، لیکن قاری ان کو حقیقی واقعات سمجھ کر ہی پڑھتے ہیں کیونکہ مصنف نے ان میں زندگی کی ہو بہو عکاسی کی ہوتی ہے۔ اس ادب کو معاشرے کا عکاس کہا جاتا ہے۔ عمومی طور پر افسانہ، ناول، داستان اور ڈرامے کو افسانوی ادب کا حصہ شمار کیا جاتا ہے، تاہم "منتخب ادبی اصطلاحات" میں کچھ دیگر اصناف ادب کو بھی افسانوی ادب کا حصہ مانا گیا ہے:

"فکشن میں ناول، ناولٹ، افسانہ، الیگری، رومان، حکایات، کہانی غرض ہے کہ سبھی شامل ہے۔ رزمیہ نظمیں، بعض طویل نظمیں اور ڈرامے بھی ایک نوع کا فکشن ہیں لیکن کسی سے وجہ منظوم بیانیوں یا ڈراموں کو فکشن کے ذیل میں نہیں رکھا جاتا۔ نثری بیانیوں کی حد تک، صاف ظاہر ہے کہ فکشن کی حدود بہت وسیع ہیں اور اس کا اطلاق متنوع ادب پاروں پر کیا جا سکتا ہے۔"(۲۰)

بہر حال تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ افسانوی نثر میں صرف افسانہ، داستان، ڈراما اور ناول ہی شامل ہیں اور دیگر نثری اصناف ادب اس کی ذیل میں نہیں آتی۔ اس ساری بحث کی روشنی میں افسانوی ادب کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے کہ ایسا ادب جو انسانی مشاہدات اور تجربات پر مبنی ہو، جس میں مصنف کے متخیلہ اور اختراعی صلاحیت بدرجہ اتم شامل ہو۔ اگرچہ وہ حقیقی لگے تاہم اس میں جھوٹ کی ملاوٹ بھی ہو، لیکن یہ ملاوٹ جھوٹی لگنے کی بجائے سچی لگے افسانوی ادب کہلاتا ہے۔

سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں افسانوی ادب کی چاروں اقسام یعنی افسانہ، ڈراما، داستان اور ناول شائع ہو رہی ہیں۔ اس مجلے کی اشاعتوں کا آغاز ۸۰ کی دہائی میں شروع ہوا۔ اس سے قبل پاکستان کو کئی سیاسی، سماجی اور معاشرتی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ اس دور میں پاکستان کی تاریخ میں ایسے

واقعات رونما ہوئے، جنھوں نے نہ صرف پاکستان کے باشندوں کو متاثر کیا بلکہ اُردو ادب پر بھی اس کے اثرات واضح دکھائی دیتے ہیں۔ان واقعات میں سقوطِ ڈھاکہ کا واقعہ ایک ایسا واقعہ ہے جس نے موضوعاتی سطح پر اُردو ادب کو متاثر کیا۔ سقوط ڈھاکہ کے واقعے کے بعد افسانوی ادب خصوصاً افسانوں میں اس موضوع پر بہت لکھا گیا۔ ضیاء الحق کا مارشل لاء بھی پاکستان کی تاریخ میں ایک سیاہ دور کی عکاسی کرتا ہے۔ منتخب وزیر اعظم کو تختہ دار پر لٹکانا اور جمہوریت کے حق میں اُٹھنے والی آوازوں کو خاموش کروانا، ایسے واقعات تھے جنھوں نے پاکستانی عوام کے ہر شعبے کی زندگی کو متاثر کیا۔ان واقعات کے اثرات پاکستانی ادب پر بھی پڑے اور پاکستانی ادباء نے ان موضوعات پر دل کھول کر لکھا۔ گویا جو واقعات پاکستان کی تاریخ میں رونما ہوئے ،ان پر پاکستانی شعراءاور ادباءنے قلم فرسائی کرنے کی کوشش کی۔ دیگر اصناف ادب کی طرح افسانے میں یہ موضوعات دیکھے جاسکتے ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' نے پاکستانی زبانوں سے کثیر تعداد میں افسانے ترجمہ کیے ہیں۔اگر موضوعاتی سطح پر دیکھا جائے تو پاکستانی زبانوں سے ترجمہ ہونے والے افسانوں میں کئی موضوعات نظر آتے ہیں۔ان افسانوں کے موضوعات میں :

۱۔انسانی محبت اور بھائی چارہ

۲۔جدید دور میں انسانی مسائل اور ان کا حل

۳۔سماجی مسائل جیسے زن، زمین اور زر کے جھگڑے

۴۔عورتوں پر ظلم و ستم

۵۔موجودیت

۶۔سرئیلزم

۷۔عصریت اور عصری آگہی

۸۔جدیدیت

۹۔مرد و عورت کے رشتے کی آویزش

۱۰۔نفسیاتی مسائل جیسے جنس کا مسئلہ

۱۱۔وڈیرا نظام کے خلاف رد عمل

۱۲۔ تنہائی، بے بسی، لاچارگی

۱۳۔ ضعیف الاعتقادی کے مسائل

۱۴۔ رومانیت اور عشق و محبت

۱۵۔ تاریخی موضوعات

۱۶۔ نسوانی جذبات کی عکاسی

۱۷۔ بین الاقوامی مسائل (تراجم کے ذریعے تجزیہ و مطالعہ) اور

۱۸۔ تارکین وطن کے مسائل وغیرہ شامل ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں مفلسی، لاچارگی اور بے بسی کے موضوع پر کثیر تعداد میں افسانے شائع ہو چکے ہیں۔ اِن افسانوں میں ایک ستارہ ٹوٹا ہوا (نعمت اللہ گچکی)، غریب باسی (رزاق نادر)، قحط سالی (عبداللہ گچکی)، آخری پت جھڑ (سجاد حیدر)، ٹوٹے گھر کا ڈھکنا (حنیف چودھری)، بجھا ہوا دیا (فرزند علی)، اُفق بدلتا آسمان (اقبال خالد)، درد کی سوغات (وسیم گوہر)، سانجھے دُکھ (احمد شہباز خاور)، دردِ مشترک (محمد آصف خان)، مٹھی بھر راکھ (غلام حسن حیدرانی)، ایک اُداسی بھرا دن (مقصود ثاقب)، خوشی کے آنسو (رانا غلام شبیر) سردیوں کی پیاس (پروین عزیز)، ٹافیوں کی تقسیم (احمد سعید ہمدانی)، درد کا شہر (آغا سلیم)، رات کی آنکھیں (غلام نبی مغل)، زندگی کا زہر (نورالہدیٰ شاہ)، بھکاری (غیاث جونیجو)، درد (حسن خان سوز)، خود کشی (شیریں زادہ خدوخیل)، بے بس (فاروق سرور)، محشر (غوث بہار)، معمار (میر تنہا یوسفی)، زندگی کا قبرستان (غنی پرداز) اور اسی طرح کے کئی افسانے شامل ہیں۔ افسانہ ''غریب باسی'' میں غربت کی عکاسی حقیقی انداز میں نظر آتی ہے اور ''بجھا ہوا دیا'' میں ایک غریب آدمی کے ارمانوں کا خون ہوتے دیکھا جا سکتا ہے۔

اسی موضوع پر ایک افسانہ ''گند'' ہے۔ مفلسی، غریبی اور بے بسی غریب کی ایسی پریشانیاں ہیں، جو ہر وقت اُسے زندگی کی حقیقی مسرتوں سے محروم رکھتی ہیں۔ کسی سیانے نے کہا تھا کہ غریبی کفر تک لے جاتی ہے۔ غور کرنے پر یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس کا اصل احساس اُس کو ہوتا ہے جس کو اس سے پالا پڑا ہو۔ ایک غریب کی قدر ہمارے معاشرے میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ ملک اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اور اسلام میں امیر اور غریب سب برابر ہیں، لیکن غرباء کے ساتھ جو ناروا سلوک کیے جاتے ہیں، اُن کو سن کر

رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ایک ایسی ہی کہانی افسانہ ''گند'' میں پیش کی گئی ہے۔اس افسانے میں ایک عورت سرداراں اپنے خاوند کے فوت ہو جانے کے بعد ہزارہا کوشش کرتی ہے کہ وہ نگاہ بد سے محفوظ رہے اور اس کی عزت برباد نہ ہو لیکن ایک رات اپنے بیٹے کی سخت بھوک اُس سے برداشت نہیں ہو پاتی۔وہ اپنی عزت کے بدلے اپنے بیٹے کے لیے خوراک کا بندوبست کرتی ہے:

''پھر بھرو میرا فارم اور لگاؤ اس پر اپنی مہر۔مجھے کارڈ بھی ابھی چاہیے اور آٹا بھی۔میرا کا کا دن بھر سے بھوکا ہے اور گھر بھی اللہ کے آسرے پر چھوڑ آئی ہوں اور رات بھی پڑتی جا رہی ہے، سردیوں کی رات۔میرا کاکا بھوک برداشت نہیں کر سکتا۔ممبر صاحب، خدا دو سرا دن نہ دکھائے، کہ سستے آٹے کا اعلان ہوا تو میں دربدر پھر رہی ہوں۔عشاء ختم ہونے پر آئی ہے، پر ابھی میری سزا ختم نہیں ہوئی۔آپ جیتے اور میں ہاری ممبر صاحب۔ بھریں میرا فارم اور لگائیں اپنی مہر'' سرداراں بے ساختہ بولتے ہوئے ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گئی۔''(۲۱)

جبر و استحصال ہمارے معاشرے کی بدنما خصلتیں ہیں۔اس معاشرے میں ظلم و زیادتی کی ایسی داستانیں سننے کو ملتی ہیں کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔اگرچہ ہماری آنکھوں سے آنسو نہیں بہتے تاہم ہمارے دل کی اندرونی حالت ایک ایسے کرب اور اذّیت میں ہوتی ہے، جو ناقابل بیان ہے۔اس موضوع پر اس مجلے کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں بے شمار افسانے ترجمہ کر کے شائع کیے گئے۔کچھ افسانوں کے نام اور اُن کے تخلیق کار یہ ہیں:

آسرا از پروین ملک، مرے ہوئے شخص کی کھلی آنکھیں از غنی پرواز، سوکھے پتوں کا گیت از پروفیسر دستیاری، لمحوں کا حصار از ناصر علی سید، گونگے، بہرے اور اندھے از ڈاکٹر رسول چمن، ڈھول بتاشوں کا انجام از منیر بادینی، قطرہ از امیر مینگل، موت سے مک مکا از وحید زہیر، چراغ تلے اندھیرا از امیر عثمان، اور وہ مر گیا از مانک، مٹی کی خاطر از ابراہیم رومان، خطاکار از جمیل احمد پال، زخمِ جحم از شعیب خالق، رکی سانسیں از نعیم اختر اعوان، خوف از طاہر آفریدی، قاتل ستارہ از سید شکیل احمد نایاب وغیرہ۔ان افسانوں کے موضوعات اور پیش کش میں اُردو ادب میں لکھے جانے والے افسانوں سے مطابقت اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔

ظلم و زیادتی کی ایک رسم ''ونی'' ہے، جو ہمارے ملک کے بعض حصوں میں ابھی بھی رائج ہے۔بڑوں سے سرزد ہونے والے ظلم و ستم، معصوم اور بے گناہ لڑکیوں کو سہنے پڑتے ہیں، جو سہانے خواب اُنھوں نے اپنی

زندگی کے دیکھے ہوتے ہیں،وہ یکایک چکنا چور ہو جاتے ہیں۔زندگی عذاب اور اجیرن بن جاتی ہے۔"میرا باپ"افسانے میں ایک ایسی ہی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے:

"اور باپ جس کے غصے کی چنگاریاں اب تک ٹھنڈی پڑ چکی تھیں، اس نے جرگے کی تمام شرائط مان لیں۔اعلان ہوا"ایک لاکھ روپیہ اور ایک لڑکی" کسی نے آواز لگائی"مگر گل میر کے تو دونوں لڑکے مارے گئے ہیں اب یہ لڑکی۔۔۔"دوسرے نے اس کی بات ختم ہونے سے پہلے جواب دیا۔"جرگے کا فیصلہ ہے کہ ایک لاکھ روپیہ اور لڑکی گل میر کو دے دیئے جائیں اب یہ اس کی مرضی کہ کہ وہ ان کا کیا کرتا ہے۔"کسی طرف سے تیسری آواز آئی"گل میر بھی تو رنڈوا ہے۔۔۔۔۔"میری چیخ تو حلق میں پھنس کر رہ گئی مگر ماں نے ایک دل دوز چیخ مار کر مجھے سینے سے لگایا۔"(۲۲)

تنہائی ایک ایسا روگ ہے کہ جو اس میں مبتلا ہوتا ہے وہ سوچ سوچ کر اندر سے کھوکھلا ہو جاتا ہے۔تنہائی سے بیزار لوگ بہت سی نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔کچھ لوگ جان بوجھ کر تنہائی کو گلے لگاتے ہیں۔دراصل وہ ایسی باتیں اور ایسے کام کرتے ہیں جو دوسروں کو ناپسند ہوتے ہیں،اس لیے لوگ اُن سے دور رہتے ہیں اور یوں تنہائی اُن کا مقدر بنتی ہے۔اس موضوع پر بھی پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں کئی افسانے شائع ہوئے جن کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔تشنہ کام(منیر عیسٰی)،غریب باسی(رزاق نادر)،شابو(م۔م طاہر)،تہمت(ستنام محمود)، رات کے جاگے ہوئے(مرزا حامد بیگ)،ٹوٹے گھڑے کا ڈھکنا(حنیف چودھری)،چڑیا کی بات(احمد سعید ہمدانی)، قسم خدا کی(فرخندہ لودھی)،پیڑھی(ستار طاہر)، دھوبی کا بیٹا(حسین شاد)،پھولوں کا بوجھ(انیل چوہان)، اچھوت (بشیر موریانی)،بھکاری(غیاث جونیجو)،بیوہ لڑکی(راحت راحیلی)اور معذور(سیدہ حسینہ گل)وغیرہ جیسے کئی افسانے اس موضوع پر مبنی ہیں۔

گوہر ملک نے بلوچی زبان میں اسی موضوع پر ایک افسانہ تخلیق کیا ہے جس کو اُردو زبان میں واحد بخش بزدار نے "بڑھیا کی تنہائی" کے نام سے منتقل کیا ہے۔اس افسانے میں ایک ایسی بڑھیا کی کہانی بیان کی گئی ہے جو اپنے بیٹے اور بیٹیوں اور پوتے اور پوتیوں کو ہمیشہ نصیحتیں کرتی رہتی ہے۔جو بھی اُس کے پاس بیٹھتا ہے وہ اُسے وعظ و نصیحت شروع کر دیتی ہے۔بچے اب چونکہ بڑے ہو چکے ہیں اور بڑھیا کی زیادہ روک ٹوک اُن کو اچھی نہیں لگتی،اس لیے وہ اُس سے کتراتے ہیں اور اُس سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔بڑھیا کے پاس کوئی بھی

بیٹھنے کو پسند نہیں کرتا اور اس طرح اپنی غلطیوں کی وجہ سے تنہائی اُس کا موجب بنتی ہے۔اُس کی پوتی کو اپنی دادی کی تنہائی کے راز کا علم ہو جاتا ہے، وہ اپنی دادی سے کہتی ہے:

> ''اب تیرے بچے بڑے ہو گئے ہیں۔ تم ان کے کاموں میں دخل اندازی نہ کیا کرو۔ بلکہ اُن کے لیے دُعا کیا کرو کہ باری تعالیٰ انھیں غلط کاموں سے بچائے۔۔۔ خدا تمھیں ان کا دُکھ نہ دے۔ جب تک بچے چھوٹے ہوتے ہیں وہ والدین کے محتاج ہوتے ہیں اور اُن کی بات مان لیتے ہیں۔ وہ اُنھیں جو کھلاتے ہیں وہ کھاتے ہیں، جو پہناتے ہیں وہ پہنتے ہیں۔ بچے جب ماں باپ بن جاتے ہیں تو پھر تمھیں اُن کی محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تمھیں ان کی خدمت کی ضرورت ہوگی تو تم اُن کی خوشی کی خاطر خوش رہا کرو اور تنقید سے گریز کیا کرو۔ وہ جب تیرے پاس آتے ہیں تو تم کہتی ہو کہ یہ خراب ہے وہ خراب ہے یہ کرو، وہ نہ کرو۔ اب وہ تمھاری باتوں پر عمل کرنے کے قابل نہیں رہے۔ وہ صرف تم سے نیک دعاؤں کے طلبگار ہیں۔''(۲۳)

مظلوم کی آہ بہت اثر رکھتی ہے۔ کسی شاعر نے کہا تھا، کہ اے اللہ! مجھ سے کسی مظلوم پر ظلم سرزد نہ ہو جائے کیونکہ اس کی ہر آہ عرش تک پہنچ جاتی ہے۔ اس موضوع پر بھی اس مجلے کے پاکستانی ادب کے تراجم میں کئی افسانے ترجمہ ہوئے جن میں دوسرا سچ (از افضل مراد)، آخری پت جھڑ (از سجاد حیدر)، اپنی اپنی آگ اپنی اپنی تپش (از کنول مشتاق)، مالک کے ساتھ محبت (از شاہین ملک) اور دھوبی کا بیٹا (از حسین شاد) وغیرہ خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ افسانے ظلم وزیادتی کی مختلف کیفیات کو خوب صورتی سے پیش کرتے ہیں۔ آخری پت جھڑ اور دھوبی کا بیٹا میں ظلم وستم کی عکاسی دیدنی ہے۔

ظلم وزیادتی کیا ایک ایسی ہی داستان افسانہ ''دیوانہ'' میں پیش کی گئی ہے۔ اسد خان کا تعلق ایک امیر گھرانے سے ہے۔ اُس کو اللہ تعالیٰ نے اولاد کے علاوہ ہر نعمت سے نوازہ ہوا ہے۔ آخر چھے سال کے بعد اس کے گھر میں ایک پھول جیسا بیٹا پیدا ہوتا ہے، جس کا نام جبار خان رکھا جاتا ہے۔ بیٹے کی پیدائش کی وجہ سے اسد خان کے گھر میں خوشیاں لوٹ آتی ہیں۔ باپ کی خواہش ہے کہ بیٹا جلد جوان ہو کر اس کا سہارا بنے لیکن تقدیر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔ جبار کی والدہ ایک موذی مرض میں مبتلا ہو کر اس دنیا سے کوچ کر جاتی ہے۔ اب جبار خان ماں کا پیار نہ ہونے کی وجہ سے اُداس اور بے قرار رہتا ہے۔ بیٹے کی خوشی کی خاطر اسد خان دوسری شادی کرتا ہے لیکن اس کی یہ دوسری بیوی جبار خان کے ساتھ سوتیلی ماؤں جیسا سلوک کرتی ہے، اس پر جھوٹی تہمتیں لگاتی

ہے اور آخر کار بیٹے کو باپ سے عاق کروا دیتی ہے۔اس پر بس نہ کرتے ہوئے وہ ایک بے رحم ڈاکٹر سے دیوانگی کا سرٹیفیکیٹ بھی جاری کروا دیتی ہے، لیکن ظلم آخر ظلم ہے جب حد سے بڑھتا ہے تو مظلوم کی آہ بھی رنگ لاتی ہے:

> ''بلا تشخیص جبار خان کے لیے دیوانگی کا سرٹیفیکیٹ جاری کر دیا۔ڈاکٹر نے لکھا اس کی عقل کام نہیں کر رہی۔کیونکہ دولت کی خاطر ڈاکٹر کسی مردے کو بھی زندہ ثابت کر سکتا ہے؟صحت منداور ذی ہوش جبار خان کو پاگل خانے بھیج دیا گیااور ایسے انجکشن اسے لگوائے جاتے جس کی جبار خان کو چنداں ضرورت نہ تھی۔چند دن کے بعد جبار خان واقعی پاگل ہو گیا۔اس کی عقل نے کام چھوڑ دیااور اس کی جوانی کا باغ کا بالکل لٹ گیا۔وہی جبار خان جب گھر اور حجرے میں ہوتا تو رونق ہوتی تھی، لیکن آج وہی جبار خان سڑکوں پر راتیں گزارتا ہے۔روٹی مانگ کر گزارہ کرتا ہے،آج وہ واقعی دیوانہ ہے مگر ظلم بھی ہمیشہ نہیں رہتا قتل کے ایک مقدمے میں اسد خان کے خلاف دعویٰ دائر کیا گیااور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسے جیل میں بند کر دیا گیا۔ظالم بیوی کو کینسر کا موذی مرض لاحق ہو گیا۔کافی پیسہ خرچ کیا مگر جانبر نہ ہو سکی کیونکہ ظلم پھر ظلم ہے۔۔۔''(۲۴)

ہمارے ملک میں فلاحی اداروں اور تنظیموں کا بڑا کردار ہے۔یہ تنظیمیں اور فلاحی ادارے ملک کی حالتِ زار کو بہتر بنانے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور ہمارے معاشرے کو خوشحال بنانے میں اپنا حصہ ڈالتے ہیں۔اس قسم کے کچھ اداروں کے نام تو بڑے دل کو لبھانے والے ہوتے ہیں۔لیکن ان کے کام ہمارے ملک پر کلنگ لگاتے ہیں۔کچھ اس قسم کے فلاحی ادارے اور تنظیمیں ہمارے معاشرے اور ملک کو تباہی کے دہانے پر لے آئے ہیں کیونکہ باہر کے دشمن کا تو مقابلہ کیا جا سکتا ہے لیکن اندر کے آستین کے سانپ کو مارنا مشکل ہوتا ہے۔ہمارے ملک کے ناسمجھ نوجوان اِن تنظیموں کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں۔اِن دہشت گرد تنظیموں کے اپنے ذاتی مقاصد اور عزائم ہوتے ہیں حالانکہ اُنھوں نے شرافت اور عوام کی جان و مال کی حفاظت کا لبادہ اُوڑھا ہوتا ہے۔منور سراج نے ان دہشت گرد تنظیموں کا پردہ چاک کرنے کے لیے افسانہ ''رنگ بکھرنے کے بعد'' لکھا ہے، جس کا سندھی سے ترجمہ فہیم شناس کاظمی نے کیا ہے۔اس افسانہ میں ایک نوجوان سارنگ اسی قسم کی ایک دہشت گرد تنظیم میں شامل ہوتا ہے اور وہ اس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔اسی تنظیم کی خاطر اس کو ایک بار گولی لگ جاتی ہے اور وہ ہسپتال میں زندگی اور موت کی کشمکش میں ایک مہینے تک علاج کروانے کے

بعد صحت یاب ہوتا ہے۔ ہسپتال میں ایک مہینہ رہنے کے باوجود اس کا جوش اور ولولہ کم نہیں ہوتا۔اور وہ اب بھی اُس تنظیم کے لیے کام کرنے کے لیے بے تاب ہے۔ لیکن اب اُس کی جسمانی حالت خراب ہو چکی ہوتی ہے اور اُس سے اب کوئی سخت کام نہیں لیا جا سکتا۔گھر پہنچنے کے کچھ دن بعد بذریعہ اخبار اُس کو علم ہوتا ہے کہ ناکارہ ہونے کی وجہ سے اُسے اُس تنظیم سے نکال دیا گیا ہے کہ جس کے لیے اُس نے اپنی جان تک کی بازی لگا دی تھی۔اعلانِ لاتعلقی کے علاوہ اُس پر بے شمار الزام بھی لگائے گے تھے:

"املتاس حیران حیران سی سارنگ کے پاس آئی تو اُس کی نظر آنسوؤں سے بھیگی ایک شہ سرخی پر پڑی اخبار کے جنگل میں دندناتے درندے نے اپنے تیز وحشی پنجے املتاس کے سینے پر گاڑ دیئے۔۔۔۔اعلان لا تعلقی کے عنوان سے درج پارٹی پریس ریلیز میں لکھا تھا۔۔۔۔تنظیمی اُصول و ضوابط کی خلاف ورزی کرنے۔۔۔۔۔مرکزی عہدیداروں کے احکام کی نافرمانی اور دیگر اخلاقی کمزوریوں کی بنا پر تنظیم کے ضلعی عہدے دار سارنگ ولد ساحل کو تنظیم سے خارج کیا جاتا ہے اور اُس کی ممبر شپ ہمیشہ کے لیے معطل کی جاتی ہے۔"(۲۵)

سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں کشمیر کے موضوع پر بھی افسانے لکھے گئے ہیں۔کشمیر کے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی داستان سنتے ایک صدی سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔کشمیر کے مقبوضہ علاقوں میں ابھی تک ہندوؤں نے مسلمانوں پر ظلم و بربریت کا جو بازار گرم کیا ہوا ہے۔اس کی نظیر دنیا کے کسی کونے میں بھی نہیں ملتی۔کشمیر کے موضوع کو اخبارات ،ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اُردو ادب کے مشہور رسائل و جرائد نے منظر عام پر لانے کی کامیاب سعی کی ہے۔ان رسائل و جرائد میں کشمیر کے موضوع پر کثیر تعداد میں افسانے لکھے گئے ہیں۔کشمیر کے حالات و واقعات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے ان افسانوں کا مطالعہ سود مند ہے۔کشمیر پر لکھے گئے ان افسانوں کے ذریعے کشمیری عوام کے طرز رہن سہن، مناظر فطرت، تہذیب و تمدن، بود و باش، ثقافت، تحریکوں اور ان پر ہونے والے ظلم و ستم کی داستان سے آگاہی ہوتی ہے۔اس مجلے میں بھی کشمیر کے موضوع پر بے شمار افسانے لکھے گئے ہیں۔میرا چمن، میری بہار(از ش شوکت)،آرزوئے تمام(از قلندر مومند)،دھرتی کا بیٹا(از نصر اللہ خان ناصر)،آسرا(از پروین ملک)،شریف چور(از غلام حسن بٹ)،گاوں کا استاد(مترجم غلام حسن بٹ)،لالچی طبیب(مترجم غلام حسن بٹ)،چالاک چور۔۔۔جاہل کسان(از غلام حسن بٹ)، جگر کا خفقان(از ڈاکٹر نیلو فر تاز نخوی)اور سپردِ خدا(از غلام حسن بٹ) وغیرہ افسانے اسی موضوع سے تعلق رکھتے ہیں۔"دھرتی کا بیٹا" اور "آرزوائے تمام"میں کشمیری

مسلمانوں پر ظلم و ستم کی داستان کو بڑے احسن انداز میں بیان کیا گیا ہے۔اُردو ادب میں بھی اسی قسم کے موضوعات افسانوں میں موجود ہیں یعنی اِن پاکستانی ادب کے اُردو تراجم کے تحت شائع ہونے والے افسانوں میں وہی ادبی پہلو موجود ہیں جو اُردو ادب کا خاصہ ہیں۔

زیرِ نظر کشمیری افسانہ الطاف حسین اندرابی کا تخلیق کردہ ہے جس کو غلام حسن بٹ نے ''ظلم عظیم'' کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔اس افسانے میں کشمیری مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و بربریت کی کہانی بیان کی گئی ہے۔بھارتی فوجی آئے روز گھروں کی تلاشی کے نام پر نوجوان بچیوں کی عزت تارتار کرتے ہیں۔نوجوانوں کو دہشت گردی کے نام پر پکڑا جاتا ہے اور آخر کار اِن نوجوانوں کی لاش ہی ملتی ہے۔کتنے آباد گھر آنکھ جھپکتے ہی اُجڑ جاتے ہیں۔کشمیری مسلمانوں پر ظلم و ستم کا یہ سلسلہ کتنے عرصے سے جاری ہے۔اس افسانے سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

> ''قانون بندوق کے زور پر نافذ کیا جاتا ہے۔وہاں کوئی ایسے قانون کا کیا احترام کرے۔ (باہر چند افراد چہرے پر کالی پٹیاں باندھ کر اندھا دُھند فائرنگ کر رہے ہیں۔دروازے کو لات مار کر اندر داخل ہوتے ہیں۔) غلام نبی اس بندوق بردار کو کھلا چھوڑ دیتا ہے۔منہ کالے افراد کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔گھر کے سارے افراد پریشانی کے عالم میں جیسے سُن ہو جاتے ہیں (بے حس)۔فائرنگ تیز ہو جاتی ہے اور ایک گولی غلام نبی کے سینے سے پار ہو جاتی ہے۔گلزار نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی اور اُسے پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے گاڑی کے اندر ڈالا۔ماں بیٹی نے روتے ہوئے اپنا آپ غلام نبی کے اوپر پھینکا (ڈالا)۔غلام نبی شہادت کا جام نوش کرکے اُس دنیا میں پہنچ گیا تھا جہاں سے کوئی نہیں آتا۔جسے فنا نہیں ہے۔محلہ دار جمع ہو گئے۔یہ تو ظلم عظیم ہے۔''(۲۶)

محبت ایک لازوال رشتہ ہے۔اس رشتے کی خاطر لوگ سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔ایک عاشق کو اگر اپنی مرضی کا محبوب نہ ملے تو وہ اپنی زندگی تنہا گزارنے کو ترجیح دیتا ہے۔محبوب کے بنا اس کو قرار اور چین نصیب نہیں ہوتا۔اس کی زندگی کا اوّلیں مقصد صرف اور صرف اس کا محبوب ہوتا ہے اور دیگر چیزیں اور ضروریات زندگی ان کی نظر میں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔کسی دانش مند نے کہا تھا: ''دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔'' یعنی محبت کی آگ اگر ایک جانب بھڑکتی ہے تو اس کا اثر دوسری جانب بھی ہوتا ہے۔کچھ لوگ تو ساری زندگی اپنے محبوب کی یادوں میں گزار دیتے ہیں اور کچھ لوگوں میں وقت گزرنے کے ساتھ تبدیلی آجاتی ہے اور

وہ اپنے آپ میں اتنی تبدیلی پیدا کر لیتے ہیں اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کی محبت ایک جھوٹ اور دکھاوا تھا۔اس موضوع پر لکھے گئے افسانوں میں: ضمیر فروخت کے لیے حاضر ہے(انور ابڑو)،آوارہ گرد(سندھیا شاہ)، منصوبے کے تحت لکھی گئی کہانی(زاہد حسن)،لالچی طبیب(غلام حسن بٹ)،سوئے آنگن(ثاقب امام رضوی)، نقاب زادی(ماجد وفا عابدی)، یادوں کا دریچہ (ارشد چہال)اور جب چڑیاں چگ گئیں کھیت(پروفیسر صباد شتیاری)وغیرہ شامل ہیں۔

ایک ایسی ہی کہانی افسانہ ''مذاق میں لکھی گئی کہانی''میں نظر آتی ہے جسے سندھی میں عرشی بلوچ نے تخلیق کیا جبکہ مترجم کے فرائض یعقوب خاور نے سرانجام دیئے۔اس افسانے میں ایک نوجوان متاور کو نوری نامی لڑکی سے محبت ہو جاتی ہے لیکن نوری کا باپ متاور کو یہ رشتہ دینے سے انکار کر دیتا ہے۔متاور نوری سے سچی محبت کرتا ہے اور قسم کھاتا ہے کہ اگر نوری نہ ملی تو وہ اور کسی سے شادی نہیں کرے گا۔کچھ عرصے بعد نوری کی شادی ہو جاتی ہے۔وقت گزرتا جاتا ہے اور متاور حکیم کا پیشہ اختیار کر کے مختلف ادویّات تیار کرتا ہے۔اب وہ بوڑھا ہو چکا ہوتا ہے۔اسی اثنا میں وہ ایک ایسی دوائی تیار کرتا ہے کہ بوڑھا مرد اور عورت اس کو کھانے کے بعد جوان ہو سکتا ہے۔اب نوری کا خاوند فوت ہو چکا ہوتا ہے اور وہ بوڑھی ہو چکی ہوتی ہے۔متاور سوچتا ہے کہ وہ نوری کو یہ دوا پلا کر جوان بنائے گا اور اس سے شادی کرلے گا۔وہ ایسا ہی کرتا ہے،دوا پینے سے نوری ایک خوب صورت نوجوان لڑکی بن جاتی ہے۔متاور اور نوری شادی کا منصوبہ بناتے ہیں تاہم اب جوانی آنے پر نوری کی نیت بدل جاتی ہے اور وہ متاور جو کہ بوڑھا ہے اس کو چھوڑ کر ایک نوجوان لڑکے سے شادی کر لیتی ہے۔متاور پھر اُداسی اور پریشانی کو گلے لگالیتا ہے:

> ''پروگرام کے مطابق پیر کے دن گھر کا کل سامان ٹرک میں لاد کر اُنھیں شہر کی طرف چلے جانا تھا اور متاور کی نوری سے شادی ہو جانی تھی۔مگر یہ ساعت سعید آئی ہی نہیں، کہ اُسی شام جب نوری پانی بھرنے نکلی تو وڈیرے تماچی کے سب سے چھوٹے پوتے نے اُسے دیکھ لیا۔ہر چند کہ وڈیرے کے اِس پوتے کی دائی بھی نانی نوری تھی اور ماتھا بٹھانے کے لیے بھی نانی ہی کی خدمات حاصل کی گئی تھیں تاہم نانی نوری نے جوانی کی ترنگ میں ان غیر اہم باتوں کو ضروری نہ سمجھا اور آنکھوں ہی میں وڈیرے تماچی کے پوتے کو گرین سگنل دے دیا۔دوسرے دن شام تک سب معاملات طے پا چکے تھے۔پیر کی صبح نوری پانی بھرنے کے بہانے نکلی اور وڈیرے کی اوطاق پر پہنچی جہاں قاضی اور گواہ سب موجود ہی تھے۔نکاح ہو

گیااور پروگرام کے مطابق اُسی وقت ہی ہنی مون منانے کے لیے نو بیاہتا جوڑا کراچی کی طرف روانہ ہو گیا۔ باہر نکلنے پر حکیم صاحب کو خبر ملی مگراب بہت دیر ہو چکی ہے۔وہ واپس گھر آئے،جوارشِ جوانی کے ایکوں ایک پودے کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا۔اور خود نوری کی یاد میں ایک دفعہ پھر سے درد کے دریامیں غوطے کھانے لگے۔''(۲۷)

اس مجلے کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے افسانے میں سماجی موضوعات بھی پیش کئے گے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں اعلیٰ عہدے کو ایک اعزاز سمجھا جاتا ہے۔اگرچہ یہ واقعی ایک عظمت ہے تاہم اعلیٰ عہدے پر پہنچ کر لوگ اپنی پچھلی زندگی کو بھول جاتے ہیں اور ہمیشہ ہی یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی سابقہ زندگی بھی عیش و آرام کی ہی زندگی تھی۔اس موضوع کے دیگر افسانوں میں،دو پہروں میں لپٹی بات(از لیاقت رضوی)،انکشاف ہونا ابھی باقی ہے(از وحید زہیر)، چھوٹے قد کی بڑی عورت(از شیراز طاہر)، لمحوں کا حصار(از ناصر علی سید)،سب مر گئے(از یعقوب شاہ غرشین)،سوکھے پتوں کا گیت(از پروفیسر دشتیاری)، مرے ہوئے شخص کی کھلی آنکھیں(از غنی پرداز)اور زندگی کا قبرستان(از غنی پرداز) جیسے کئی اور افسانے شامل ہیں۔یہ افسانے اپنی بناوٹ،ساخت اور پرداخت کے اعتبار سے اُردو ادب سے ہم آہنگ ہیں۔مثلاً جو علاقائی پہلو ہمیں افسانوں، زندگی کا قبرستان اور سوکھے پتوں کا گیت میں ملتے ہیں،اُردو ادب میں بھی اسی طرح کے کئی افسانے تخلیق کیے جا چکے ہیں۔غربت اور بے بسی کی کیفیات کا اظہار ان افسانوں میں عمدگی سے ہوا ہے۔اکثر پاکستانی افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں یہ موضوعات پیش کیے ہیں اور جو پہلو اِن تراجم میں شائع ہونے والے افسانوں میں نظر آتے ہیں تقریباً اُسی قسم کے پہلو ہمیں اُردو ادب میں تخلیق ہونے والے افسانوں میں دکھائی دیتے ہیں۔

سماجی مسائل پر مبنی افسانہ ''بھاگ بھری'' پنجابی زبان سے اُردو زبان میں ترجمہ ہوا۔اس کے تخلیق کار ملک شاہ سوار علی ناصر جبکہ مترجم گل حسن بدر ہیں۔اس افسانے میں ایک دیہاتی لڑکے علی کی کہانی کو بیان کیا گیا ہے۔علی گاؤں کے ایک زمیندار سلطان کا بیٹا ہے جو کہ علم حاصل کر کے پاک آرمی میں کمیشن حاصل کرتا ہے۔گاؤں میں اس کو یہ اعزاز ملنے کی بڑی خوشی منائی جاتی ہے۔علی یہ عہدہ ملنے پر مغرور ہو جاتا ہے جو لوگ اس کو مبارکباد دینے آتے ہیں وہ ان سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا۔سلطان کے چھوٹے بھائی کا نام زمان ہے۔اس کی ایک بیٹی ہے جس کا نام بھاگ بھری ہے۔خاندانی فیصلے کے تحت علی اور بھاگ بھری کی شادی کر دی جاتی ہے۔کچھ عرصہ کے بعد علی شہر

میں ایک اور شادی رچالیتا ہے اور بھاگ بھری سے رشتہ ناتا ختم کرلیتا ہے۔ بھاگ بھری کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوتا ہے جس کا نام جہانزیب علی رکھا جاتا ہے۔ یہ بچہ اعلیٰ تعلیم کے لیے کوالیفائی کرتا ہے اور بیرون ملک سے بینکنگ کی اعلیٰ ڈگری لے کر لوٹتا ہے۔ اس بچے کو اچھی ملازمت مل جاتی ہے جس سے بھاگ بھری خوشحال ہو جاتی ہے۔ دوسری جانب کرنل علی کو اپنے کیے ہوئے گناہوں کی سزا ملتی ہے اور ایک کیس میں وہ ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور بدحال ہو جاتا ہے:

> ''کرنل علی جو خود کو صرف اور صرف کرنل علی سمجھتا تھا۔ ایک بہت بڑے کرپشن کیس میں آ کر آرمی سے بارہ پتھر ہو کر گھر آ گیا۔ جب اس کی چہیتی بیوی کو یہ خبر ملی کہ اس کا شوہر فوج سے بارہ پتھر ہو کر گھر آ گیا ہے، تو وہ آگ بگولہ ہوئی اور پھر اس نے کرنل علی جو اب صرف علی رہ گیا تھا، سے طلاق لے کر اسے گھر سے نکال دیا اور پھر اس بوڑھے آسمان نے دیکھا کہ ایک مغرور انسان اس سگھڑ عورت سے معافی مانگ رہا تھا اور پھر بھاگ بھری نے اسے معاف کر کے اس بھاگوں بھرے پنڈ کی خوشیوں کو لوٹا دیا۔''(۲۸)

انسان اشرف المخلوقات میں شامل ہے کیونکہ اس میں فہم و فراست اور عقل و دانش کی وہ صفات ہیں جو حیوانات میں نہیں ہیں۔ اگرچہ انسان اشرف المخلوقات میں سے ہے، تاہم ہمارے سماج میں بعض اوقات کچھ انسانوں کے ساتھ اس قدر ناروا سلوک کیا جاتا ہے کہ جس کو دیکھ یا سن کر انسانیت پر رونے کو جی چاہتا ہے۔ امیر اور غریب کے فرق نے انسانیت میں ایک بہت بڑا خلا پیدا کر دیا ہے۔ امراء کے گھروں میں حیوانات جیسا کہ گائے، بھینس اور کتوں کو وہ آسائشیں حاصل ہوتی ہیں جو کہ غریب انسانوں کو حاصل نہیں ہوتیں۔ کھانے پینے کی سہولتوں سے لے کر رہنے سہنے کی مراعات تک، غریب انسان تو بے چارے ترستے رہتے ہیں تاہم امیر لوگوں کے حیوانات ان سہولتوں سے مستفید ہوتے ہیں۔ اسی قسم کے موضوع کے تحت یہ افسانے جیسا کہ مٹھی بھر راکھ (غلام حسن حیدرانی)، دھوبی کا بیٹا (حسین شاد)، کتے کی آوارہ موت (احمد جاوید)، رانجھو مداری (علی احمد بروہی)، اچھوت (بشیر موریانی)، بیوہ لڑکی (راحت راحیلی)، بڑھیا کا گھوڑا (حفیظ خان) اور گدھوں کی آزادی (ڈاکٹر رسول میمن) لکھے گئے۔

کچھ اسی قسم کی کہانی افسانہ ''کتا اور بندہ'' میں امتیاز گلیانوی کے پوٹھوہاری میں لکھے ہوئے افسانہ میں پیش کی گئی ہے جس کے مترجم شیراز طاہر ہیں۔ اس افسانہ میں چودھری کے کتے کو کھانے

پینے اور رہنے سہنے کی جو سہولتیں حاصل ہوتی ہیں ،ان کو دیکھ کر چودھری کے ملازم فضل دین کا بیٹا دنگ رہ جاتا ہے۔ گھر پہنچنے پر وہ بہت اُداس ہے۔اس کی ماں اس سے بے چینی کی وجہ پوچھتی ہے تو وہ ایک عجیب کہانی سناتا ہے:

''بیٹا! حویلی دیکھ آئے ہو کیسی لگی ؟اس کے بیٹے نے جواب دینے کی بجائے اپنے ٹوٹے پھوٹے کمرے کی دیواروں اور چارپائی پر پڑے بستروں کو غور سے دیکھا اور پھر زمین پر اپنے محمدی بسترے پر بیٹھ گیا جو آج اس کو بہت خراب لگ رہا تھا۔ فضل دین کی بیوی اپنے بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہو گئی۔اور اپنے بیٹے کو کہنے لگی۔ ''بیٹا! تو کیا سوچ رہا ہے؟ کچھ تو بول!''اس کا بیٹا پھر پہلے کی طرح اپنے گھر اور پھر اپنے وجود کو بڑی عاجز اور مسکین آنکھوں سے دیکھتا رہا اور پھر بولا۔''ماں میں سوچ رہا ہوں کہ اس گھر میں پیدا ہونے سے کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں چودھری کی حویلی میں ایک کتا ہوتا۔''(۲۹)

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ افسانے کے موضوعات میں جدت آئی ہے۔اب ہر قسم کے موضوعات کے تحت افسانے لکھے جاتے ہیں۔گذشتہ کچھ عرصے سے طب، حیاتیات، فلکیات، طبیعیات، سائنس و ٹیکنالوجی اور دیگر علوم و فنون کے میدانوں میں اس نوع کی پیشرفت ہوئی اور ایسے ایسے واقعات رونما ہوئے جس کی وجہ سے انسان پچھلی نظریاتی تحفظات کی چار دیواری سے باہر نکل آیا ہے۔اس بارے میں ''اصنافِ ادب اُردو'' میں یوں لکھا ہے:

''جدید اُردو ادب میں افسانے کو اپنے موضوعات کی وسعت، فکر و نظر کی گہرائی اور فن کے تنوع کے اعتبار سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ صنف کہا جا سکتا ہے اور اُردو کے بہترین افسانوں کو عالمی ادب کے فن پاروں کے مقابل رکھا جاسکتا ہے۔اس صدی میں جو مقبولیت اور جیسا فروغ اُردو افسانہ کو حاصل ہوا، نثر کی کسی دوسری صنف میں حاصل نہ ہو سکا۔''(۳۰)

پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کا افسانہ ایسی سمت میں قدم بڑھانے کا متمنی نظر آتا ہے جسے ہم نامیاتی کل کی آخری کڑی قرار دے سکتے ہیں یعنی جب افسانہ کردار اور افسانویت سے مزّین ہونے کے ساتھ ساتھ موضوعاتی سطح پر اس پہچان کو پکڑنے کی کوشش کرے گا، جسے اس سے قبل

چھوٹے چھوٹے حصوں میں پیش کیا جاتا تھا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جدید ترین افسانہ ایک ایسی منزل کی جانب پیش قدمی کرنے پر مائل نظر آتا ہے کہ جہاں پہنچ کر موضوعاتی سطحوں پر بیک وقت ابلاغ کا فریضہ انجام دینے کی کوشش کی جا سکے گی۔افسانہ دنیا کی رنگینی اور انسان کی متنوع مزاجی کی بہترین مثال ہے۔سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں مختصر افسانے ہی ترجمہ کروا کر شائع کیے گئے ہیں اور اِن ترجمہ ہونے والے افسانوں میں بے شمار رنگ ہیں اور انسان کی متنوع مزاجی ان افسانوں کا خاصہ ہے۔پلاٹ، نقطۂ نظر، کردار، ماحول اور فضا کی مختصر افسانے میں کافی اہمیت ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اس میں اندازِ نظر،اسلوب اور طرزِ ادا کا ہونا بھی ضروری ہے۔افسانے میں کرداروں کی انفرادیت اور شخصی پہلوؤں سے ایک اجتماعی تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اچھے افسانوں کا یہ بھی خاصہ ہے کہ ان میں غزل جیسی ایمائیت دکھائی دیتی ہے۔اختصار اور اجمال، مختصر افسانے کے لیے نہایت ضروری ہیں اور طوالت نقصان دہ۔افسانے کے موضوعات کا معاشرے اور اُردو ادب سے ہم آہنگ ہونا بھی لازمی ہے تاکہ اِن افسانوں سے جو بات سامنے آئے وہ معاشرے میں وقوع پزیر ہوتی ہو۔اس لحاظ سے اس مجلے کے پاکستانی تراجم کے ضمن میں شائع ہونے والے افسانے مکمل طور پر معاشرتی و سماجی مسائل کی نشاندہی کرتے ہیں اور موضوعات کے حوالے سے اُردو ادب سے مکمل یکسانیت رکھتے ہیں۔

ب۔افسانوی تراجم کا فنی جائزہ

i. داستان کا فنی جائزہ:

داستان خود ایک فن ہے اگرچہ آج کے دور میں یہ فن معدوم ہوتا جا رہا ہے۔زمانہ ماضی میں یہ فن عروج کی بلندیوں پر تھا۔دن بھر کا تھکا ہارا انسان قصے کہانیاں سن کر اپنی دن بھر کی سختیوں کو بھول جاتا تھا۔گویا داستان قدیم ادب کی ایک اہم صنف تھی۔پروفیسر انور جمال داستان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اسے اُردو نثر کی اولین صنف قرار دیا گیا ہے۔یہ جھوٹی کہانی یا من گھڑت قصہ ہوتا ہے۔داستان وہ طویل کہانی ہے جو حقیقی زندگی کے بجائے محیر العقول واقعات سے تعلق رکھتی ہے۔ایسی کہانی میں مافوق الفطرت واقعات کا ایک سلسلہ ہوتا ہے۔داستان میں چونکہ حواس کے اعتبار میں آنے والے واقعات نہیں ہوئے اس لیے دلچسپی اور تجسس داستان کے اہم اجزاء ہیں۔دنیا کے تقریباً ہر ادب کے شروعات میں داستان موجود ہے۔''(۳۱)

اس صنف کی بدولت ہی اُردو دان طبقہ دیگر ادبی اصناف خصوصاً نثری اصناف سے آگاہ ہوا۔آج کا جدید اُردو ادب بھی داستان ہی کی پیداوار ہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر ایم۔سلطانہ بخش یوں گفتگو کرتی ہیں:

> ''داستان کی بدولت اُردو نثر کو پایہ اعتبار ملا۔وہ یہی ایک جہت بادشاہوں کی بارگاہوں،امراء کی محفلوں، مجلسوں اور عوام کے احتجاجوں کی روح بن گئی۔اس نے اُردو نثر کو فکر و ذہن نہیں دیا بلکہ قلب و نظر اور جذبوں کی تاثیر بخشی۔شاعری کے بعد ادبیّت کا سب سے بڑا محسن یہی داستانیں ہیں۔''(۳۲)

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' میں ترجمہ کی گئی داستانیں فنی لحاظ سے قدیم دور میں لکھی گئی داستانوں جیسی فنی خصوصیات کی حامل ہیں۔بلتی ادب سے تعلق رکھنے والی داستان ''کسیر داستان'' فنی لحاظ سے نہایت بلند پایہ ہے۔فنی خصوصیات میں اسلوب اور دلچسپی دو اہم خصائص ہیں۔''کسیر داستان'' میں یہ دونوں خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں۔اس داستان کا اسلوب شگفتہ اور رواں ہے۔دلچسپی ایسی کہ ایک مرتبہ داستان پڑھنا شروع کی جائے تو جب تک مکمل نہ ہو، چھوڑنے کو دل نہیں کرتا۔گویا یہ داستان زبان وبیاں کی خوبیوں اور پُر اثر اسلوب اور دلچسپی سے مزّین ہے۔داستان میں اسلوب اور دلچسپی کے حوالے سے ڈاکٹر ممتاز منگلوری یوں لکھتے ہیں:

> ''داستانوں نے اُردو میں زبان وبیان کی وسعتیں پیدا کی۔اسلوب کے لیے نئی راہیں نکالیں اور ایک ہی بات کو مختلف انداز میں بیان کرنے کے مختلف ڈھنگ پیدا کیے۔زندگی اور تخیلات

کے وسیع کینوس پر پھیلی ہوئی تصویروں میں رنگ بھرتے ہوئے مناسبت کے لیے زبان وبیان کے جو نئے نمونے اور اعلیٰ نمونے اُردو نثر کو ملے ان کے لیے اُردو زبان داستانوں کی مرہون منت ہے۔ داستانوں میں حسن اور دلچسپی کا عنصر بھی ایسا ہے جس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔"(۳۳)

تشبیہ و استعارات کلام میں حسن پیدا کرنے کا ایک خاص ذریعہ ہیں۔ علم بدیع کی یہ اقسام کسی چیز میں اتنا حسن اور روح پیدا کر دیتی ہیں کہ وہ چیز زمین سے اُٹھ کر آسمان کی بلندیوں میں پرواز کرنا شروع کر دیتی ہے۔ "کسیر داستان" میں بھی خوبصورت تشبیہات و استعارات کا استعمال، کمال فن سے ہوا ہے۔ کسیر جب بلو نگمو دیوی کی خوبصورتی کی تعریف کرتا ہے تو خوبصورت تشبیہات و استعارات کا استعمال کرتا ہے:

"ہلو کے میدان میں کوئی حسین ہے تو بھلا کون ہے
برفانی چوٹی پر شفق کی سرخی کی طرح میری دیوی بلو نگمو حسین ہے
ہلو کے میدان میں کوئی حسین ہے تو بھلا کون ہے
انارکلی کی طرح میری دیوی بلو نگمو حسین ہے
ہلو کے میدان میں کوئی حسین ہے تو بھلا کون ہے
زُلفوں کو پیچ وخم وائے میری دیوی بلو نگمو حسین ہے"(۳۴)

تکرار لفظی بھی ایک اہم فنی محاسن ہے۔ کلام میں یہ فن برتنا کوئی معمولی بات نہیں۔ اس کا استعمال شاعر یا ادیب کے کمال ذوق مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ ہر فنکار یا مصنف کے بس کی بات نہیں کہ تکرار لفظی کا احسن طریقے سے استعمال کرے۔ "کسیر داستان" میں تکرار لفظی کے نہایت اچھے اور اعلیٰ نمونے پڑھنے کو ملتے ہیں:

"تشریف لانا، تشریف لانا، تشریف لانا
بزرگ اگو دو نگبو میری شادی میں گودام سنبھالنے کے لیے
تشریف لانا ،تشریف لانا، تشریف لانا
کتے کی شکل والے میری شادی میں کھانا بنانے کے لیے
تشریف لانا، تشریف لانا، تشریف لانا
لومڑی کی شکل والے میری شادی میں پانی مہیا کرنے کے لیے
تشریف لانا، تشریف لانا، تشریف لانا

خرگوش کے سر والے میری شادی میں لوگوں کو بلوانے کے لیے‘‘(۳۵)

بعض ادباء نے داستان میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے فن کو بھی خوب پڑتا ہے۔ شاہ لطیف بھٹائی کی لکھی ہوئی داستان میں یہ فن کمال طریقے سے بیان ہوا ہے۔ شاہ لطیف بھٹائی کی لکھی ہوئی داستان کا نام ’’سر کلیان داستان اوّل‘‘ ہے۔ اس کا ترجمہ امیر بخاری نے کیا ہے:

’’اس سر میں شاہ نے وحدت سے کثرت کا صوفیانہ اسرار سمجھایا ہے۔ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ کثرت وحدت سے پھوٹ کر نکلی ہے۔ یہ کائنات وحدہٗ کی پیدا کردہ ہے اور اسے بہت ہی پیاری ہے۔‘‘(۳۶)

سہ ماہی مجلہ ’’ادبیات‘‘ میں ترجمہ کی گئی داستانیں فنی محاسن سے لبریز نظر آتی ہیں۔ ان داستانوں میں داستانوں کی فنی خصوصیات جیسے منفرد اسلوب بیان، روانگی، شگفتگی، علامات و تشبیہات واستعارات کا استعمال اور تکرار لفظی بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اس مجلہ میں پاکستانی زبانوں سے بہت کم داستانیں ترجمہ ہو کر شائع کی گئیں۔ لیکن جوان پرچوں کا حصہ بنیں۔ وہ داستان کے فنی لوازمات پر پورا اترتی ہیں۔ اگر اس مجلے کے شماروں میں داستانوں کی کثرت ہوتی تو یہ داستانیں اس کے ادبی رنگ میں مزید اضافہ کرتی اور اس سے اس کے معیارات میں بھی کافی بہتری آتی۔ اوسط درجے کی یہ داستانیں ایک ادبی شان رکھتی ہیں۔ ان داستانوں کا یہ بھی خاصہ ہے کہ یہ فنی لحاظ سے دیگر رسائل و جرائد اور اُردو ادب سے ہم آہنگ اور یکسانیت رکھتی ہیں۔

ii. ناول کا فنی جائزہ:

ہر مستند ناول نگار کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کے ناولوں میں فکری رویوں کے ساتھ ساتھ فنی لوازم بھی پیش کیے جائیں تاکہ اس سے ایک طرف تو توازن برقرار رکھا جائے اور دوسری طرف اُس کی تحریر میں حُسن بھی پیدا ہو سکے۔ فنی اور فکری دونوں پہلو کسی بھی ادبی تحریر کو سچائی کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ ناول میں ایسے حقائق کو پیش کیا جاتا ہے جن میں منطقی ربط و تسلسل پایا جاتا ہے۔ ناول نگار کا صرف یہی کام نہیں کہ وہ زندگی کا مشاہدہ کر کے نقالی کرے بلکہ اُس کا کام نئی زندگی کی تلاش بھی ہے۔ ہر سلیقہ مند ناول نگار اپنے ناول کی بنیاد فکری جہت پر رکھتا ہے اور اُس کی جڑیں ماورائیت کو چھو رہی ہوتی ہیں۔ اگر ناول نگار اپنی تخلیق میں موجودہ حالات اور ماورائیت میں توازن پیدا کرے تو اس کے تخلیق کیے ہوئے ناول میں ایک نئی سمت کا آنا یقینی ہو جاتا ہے۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں جو ناول شائع ہوئے وہ فنی لوازمات کے لحاظ سے اعلیٰ پائے کے ہیں۔ کسی بھی ادبی تحریر کو موئثر بنانے میں صرف فکری رویے ہی کافی نہیں ہوتے بلکہ فارم یا تکنیک بھی ضروری ہیں جو حقیقی الفاظ کی صورت میں سامنے آتی ہیں۔ کچھ عناصر ایسے ہیں جو ناول کی تشکیل کے لیے بہت اہم ہیں۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے ناولوں میں یہ عناصر پلاٹ، کردار، قصہ، ماحول اور مکالمہ نگاری ہیں۔

قصہ یا کہانی:

ناول میں قصے یا کہانی کو ایک اہم عنصر تصور کیا جاتا ہے۔ قصہ سے مراد واقعات یا حرکات کا ایسا بیان ہے جو تسلسل کے ساتھ وقوع پزیر ہوتے ہوئے کسی نتیجے پر پہنچیں۔ ان واقعات یا حرکات کے لیے وقت کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ سب وقت کے لحاظ سے ترتیب پاتے ہیں۔ اپنی تخلیق Aspects of the Novels میں E. M. Forster کہانی کے بارے میں یوں بیان کرتی ہیں:

> "The basis of a novel is a story,and a story is a narrative of events arranged in time-sequence."(۳۷)

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے جو ناول مختلف پاکستانی زبانوں سے ترجمہ ہو کر اُردو زبان میں آئے، انھوں نے قارئین پر ایک اچھا تاثر چھوڑا ہے۔

پلاٹ:

ناول کے ضروری عناصر میں سے ایک پلاٹ بھی ہے جو کہ انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ پلاٹ، ناول نگار کا ذہنی خاکہ ہے جو ناول نگار اپنی تخلیق کی ابتداء، تعمیر، مختلف واقعات کا تسلسل اور اُتار چڑھاؤ اور تخلیق کی تکمیل اور خاتمے کے بارے میں تخلیق کرتا ہے۔ ایک اچھے پلاٹ کے لیے ضروری ہے کہ اس کا انجام مؤثر ہو۔ پروفیسر سید وقار عظیم اپنی تصنیف ''فن اور فن کار'' میں پلاٹ کے حوالے سے یوں گفتگو فرماتے ہیں:

> ''پلاٹ کی تاثیر اور کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کا انجام موئثر ہو۔ جو ناول نگار اپنے پلاٹ کا ڈھانچہ غور و فکر کے بعد مرتب کرتا ہے اور اس کے مختلف اجزاء میں صحیح ربط اور تسلسل قائم رکھتا ہے اور جس کا پلاٹ اس اونچ نیچ، اتار چڑھاؤ اور پیچ و خم کے باوجود، جو پڑھنے والے کے جذبات میں، ہیجان و اضطراب اور امید و بیم کی ملی جلی کیفیت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے، سوچی سمجھی منطق کا نتیجہ ہے۔ اس کا انجام خود بخود موزوں اور مؤثر ہو گا۔''(۳۸)

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات '' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں شائع ہونے والے ناول جیسا کہ ''اور خواب بکھر گئے'' اور'' کروائٹرز'' کے پلاٹ کے واقعات میں ایک تسلسل پایا جاتا ہے۔فنی طور پر ان ناولوں کے پلاٹ اُصول وضوابط کی عکاسی کرتے ہیں۔

کردار نگاری:

کردار نگاری کو ناول کی جان مانا جاتا ہے۔ایک اچھا ناول پڑھنے کے بعد اس کے کردار قارئین کے ذہنوں میں اس طرح ہوتے ہیں جس طرح کوئی زندہ شخصیت۔ناول کے واقعات اکثر بھول جاتے ہیں لیکن کردار اکثر یاد رہتے ہیں۔ڈاکٹر احسن فاروقی اپنی تصنف'' ناول کیا ہے؟''میں کردار نگاری کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

> ''کردار کو زندگی بخشنے کے سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ ناول نگار کردار کی تخلیق کرے، کسی مؤرخ کی طرح اُسے کردار کی بابت ضروری حالات کا بیان کر دینا ہی کافی نہیں، بلکہ اُسے ان سب حالات کو جمع کر کے اپنی قوتِ تخیل کے ذریعے ان میں ایک نئی روح پھونک دینا ہے۔''(۳۹)

مسٹر فورسٹر کردار کو دو قسموں میں بیان کرتے ہیں، سادہ کردار اور مکمل کردار۔پہلی قسم کے کردار کو عام نمونے ٹائپ یا خاکے کہتے ہیں۔اس قسم کے کرداروں میں کی ایک آدھ خاص صفت کو بیان کیا جاتا ہے اور یہ کردار کسی خاص خیال کے ماتحت بنائے جاتے ہیں۔ مکمل کردار کئی انفرادی خصوصیات کے ساتھ ساتھ متعدد انسانی خصوصیات رکھتے ہیں۔جو ناول نگار اپنی تخلیقات میں مکمل کردار پیش کرتے ہیں،اُن کو کامیاب ناول نگار تصور کیا جاتا ہے۔سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے ناولوں میں ٹائپ اور مکمل دونوں قسم کے کردار دیکھنے کو ملتے ہیں۔مثال کے طور پر ناول'' اور خواب بکھر گئے''میں جمال الدین اور اس کی بیوی مہر النساء کے کردار مکمل کردار ہیں جبکہ انور، منصور، صغرا اور زہرا کے کردار ٹائپ کردار کے زمرے میں آتے ہیں۔

مکالمہ نگاری:

اظہارِ خیال کو مکالمہ نگاری کا بہترین آلہ تصور کیا جاتا ہے۔ مکالمہ کو ناول کا ایک اہم جزو مانا جاتا ہے کیونکہ اس سے پلاٹ کا ارتقاء اور کردار کی خصوصیات کا اظہار کیا جاتا ہے۔اس لیے ایسے مکالموں کو فضول سمجھا جاتا ہے جو پلاٹ یا کردار سے اپنا رشتہ نہ جوڑتے ہوں۔سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو

تراجم کے ناولوں کے مکالمے موقع کی مناسبت سے پیش کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر ناول ''اور خواب بکھر گئے'' میں مہر النساء اور اُس کی بیٹی کے درمیان ہونے والے مکالمے کو پیش کیا جاتا ہے:

''مہر النساء کے نزدیک زہرا کا نوکری کرنا خاندان کی عزت پر بٹہ لگانا تھا۔ لوگ کیا کہیں گے وہ رونے لگیں۔ ہمارے پاس اپنے بچوں کو کھلانے کے لیے پیسے نہیں ہیں جو ایک لڑکی کو غیروں کے بیچ کمانے بھیج دیا۔

امی۔ یہ سراسر ناانصافی ہے میں غیروں کے بیچ نہیں جا رہی ہوں۔ میرا اپنا کالج ہے اور پہلے کی طرح میں صبح جاؤں گی اور شام کو لوٹ آؤں گی۔

اور تنخواہ لو گی؟

ہاں۔ آپ کو خوشی نہیں ہے کہ آپ کی بیٹی پیروں پر کھڑی ہو گئی؟''(۴۰)

اسلوبِ بیان:

ہر شاعر یا ادیب کا بات لکھنے کا یا کہنے کا ایک منفرد ڈھنگ یا طریقہ ہوتا ہے جس کو اسلوب کہتے ہیں۔ یعنی ہر ادیب کی طرزِ تحریر کی اپنی ایک علیٰحدہ شناخت یا پہچان ہوتی ہے جو اُسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ اچھے اسلوب کے لیے ضروری ہے کہ وہ موضوع سے مناسبت رکھتا ہو۔ ایک معیاری نثری اسلوب میں شخصیت کی واضح جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر طیبہ خاتون اپنی تصنیف ''اُردو نثر کی داستان میں'' اسلوب کے حوالے سے یوں اظہار خیال کرتی ہیں:

''اسلوب شخصیت کا لباس اور الفاظ کا کردار ہے۔ کوئی بھی اسلوب شخصیت کے رنگ کے بغیر بے رنگ ہوتا ہے۔ اچھا یا بُرا اسلوب خود لکھنے والے کے مزاج کی غمازی کرتا ہے۔ مصنف جس قسم کے الفاظ استعمال کرے گا وہ اُس کی افتادِ طبع کا پتہ دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کی ذہنی لیاقت کا پتہ بھی چلتا ہے۔''(۴۱)

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں ناولوں کے اسلوب، الفاظ اور موقع محل کی غمازی کرتے ہیں۔ ناول ''کروایٹرز'' سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس میں منفرد اسلوبِ بیان کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ ناول بیسی سدھوا کی تخلیق ہے جبکہ اس کا ترجمہ خالدہ حسین نے کیا ہے:

''جن بھوت۔ روحیں اور چڑیلیں عورتوں کے لباس میں جو پچھل پیری ہونے کے باعث پہچانی جاتی ہیں اور جب وہ خود اکیلا سمجھ کر رات کو اپنے لبادے اُتارتی ہیں ان کے کھوکھلے

سروں میں دہکتی آنکھوں کے کوئلے صاف نظر آتے ہیں۔ نظر لگنے کا خطرہ ہر کہیں موجود ہے۔ پھر صوفی اور درویش سادھو پیر۔ بابے اور سوامی ہیں اور پیروں اور فقیروں کی ارواح قدیم لوگوں کی دانش اور معجزاتی علم اور ان کی تفسیر کرنے والے انھیں میں سے برہمن گوپال کرشن بھی تھا۔"(۴۲)

منظر نگاری:

منظر نگاری بھی ناول کے فنی اظہار کے لیے بھی ایک ضروری عنصر ہے۔ ناولوں میں مناظر کے عمدہ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اگر مناظر کی تصویر کشی خوب صورتی سے کی جائے تو یہ منظر حقیقی اور زندگی سے ہم آہنگ معلوم ہوتے ہیں۔ منظر نگاری کو مصوری سے تشبیہ دی جاتی ہے جس طرح ایک مصور تصویر کے ذریعے خوب صورت مناظر پیش کرتا ہے بالکل ایسے ہی ایک ناول نگار مناظر کی تفصیل کے لیے ایسے الفاظ کا انتخاب کرتا ہے جس سے وہ منظر آنکھوں کے سامنے دکھائی دیتا ہے۔ ڈاکٹر محمد اشرف کمال ناول کی منظر نگاری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ناول کسی نہ کسی منظر، عہد یا دور کی عکاسی کرتا ہے جہاں واقعات وقوع پذیر ہو رہے ہیں اور جہاں کردار موجود ہیں اور آپس میں مکالمہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ منظر کے ساتھ ساتھ کردار بھی بدلتے ہیں اور ان کے مکالمے بھی۔ منظر میں زمان و مکان کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ ناول نگار ناول لکھتے وقت کئی قسم کے مناظر کو قاری کے سامنے لے کر آتا ہے جس میں معاشرہ، گلی، محلہ، مدرسہ، دفتر یا قدرتی مناظر وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ ناول نگار ان کی منظر کشی ایسے الفاظ میں کرتا ہے کہ وہ منظر تصویر کی صورت میں سامنے آجاتا ہے۔"(۴۳)

سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں شائع ہونے والے دونوں ناول "کروایٹرز" اور "خواب بکھر گئے" میں مناظر کی دلکشی دیدنی ہے۔ اِن ناولوں میں مناظر حقیقی اور زندگی کی تصویر کشی اُن کے قدرتی انداز میں کرتے ہیں۔

سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں ناولوں کا ذخیرہ بہت ہی محدود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مجلے میں جو ناول شائع ہوتے ہیں وہ اُردو زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔ پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے حوالے سے اس مجلے کے مدیران کی کاوش زیادہ نہیں ہے۔ اس میں مزید بہتری لانے کی ضرورت

ہے۔ پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے ضمن میں اس مجلے کے شائع کردہ ناول فنی اصول وضوابط کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ اور ان کے فنی معیارات میں دیگر رسائل و جرائد سے یکسانیت نظر آتی ہے۔

اس مجلے کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں شائع ہونے والے ناول اُردو ادب میں لکھے گئے ناولوں کی ناولوں طرح وسعت اور ہمہ گیری نہیں رکھتے۔ یہ ایک ایسی صنفِ سخن ہے جس میں اُردو ادب میں شاہکار ناول تخلیق کیے جا چکے ہیں۔ دنیائے ادب میں اس کی لاثانی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ بہت سے ناول نگاروں نے اس میدان میں خاصی شہرت حاصل کی ہے۔ اُردو ادب کے معیاری ناولوں کے لحاظ سے اس مجلے کے ناول وہ ادبی شان نہیں رکھتے جو شاہکار ناولوں کا طرہ امتیاز ہوتا ہے تاہم فنی سطح پر یہ اُردو ادب سے ہم آہنگ اور مماثلت کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔

iii. ڈرامے کا فنی جائزہ

اس لفظ کی اصل یونانی ہے۔ اس کے معنی عمل یا کر کے دکھانا ہیں۔ ڈرامے کا لفظ یونانی زبان سے بنا ہے جس کے معنی تمثیل، ناٹک یا سوانگ کے ہیں۔ ان سب کا مفہوم ہے "کچھ کر کے دکھانا۔"(۴۴)

ڈراما، دراصل الفاظ اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ ڈرامے میں زندگی کی اعمال کے علاوہ جذبات و احساسات کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ ڈرامے میں انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو عملی جامہ پہنایا جاتا ہے۔

داستان، ناول، افسانہ اور ڈراما چاروں افسانوی ادب کا حصہ ہیں اور ان سب میں قصے کا بیان مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔ داستان، ناول اور افسانے میں قصہ یا کہانی مصنف بیان کرتا ہے جب کہ ڈرامے میں اس کے کردار اپنے عمل اور گفتگو کے ذریعے کہانی بیان کرتے ہیں۔ اسٹیج ڈرامے کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر ڈرامے کی پیشکش نہیں ہو سکتی۔

> "ڈراما اصلاً ایک یونانی لفظ ڈرامے سے مشتق ہے جس کے معنی عمل، ایکشن، یا کر کے دکھانا ہیں۔ سنسکرت میں اسے "روپک" کے نام سے پکارا جاتا ہے اس کے معنی ہیں ایسی نظم جسے عملی صورت میں دیکھا اور اور دیکھایا جا سکے۔ اس سے ڈرامے کا یہ اصطلاحی مفہوم مروج ہوا کہ یہ ایک ایسی صنفِ ادب ہے جس میں زندگی کے حقائق کو اشخاص اور مکالموں کے ذریعے پیش کیا جائے۔"(۴۵)

ڈرامے کی اہم اقسام المیہ یا ٹریجڈی، طربیہ یا کامیڈی، میلوڈراما، سوانگ یا فارس، اوپیرا، ڈریم، مخلوط ڈرامہ، ریڈیائی ڈراما اور ٹیلی ویژن ہیں۔ پلاٹ، ارتقائی عمل، کشمکش، کردار نگاری، مکالمہ، نقطہ عروج اور اختتامی عمل ڈرامے کے اہم عناصر ہیں۔ ڈرامے میں کچھ ایسے فنی عوامل ہوتے ہیں جو اس کی عظمت کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ اِن فنی اجزا کو ''اصنافِ ادب اُردو'' میں یوں لکھا گیا ہے:

> ''اس بارے میں اختلاف رہا ہے کہ ڈراما کی فنی کامیابی کے لیے کون سے اجزا ضروری ہیں اور وہ کون سے عناصر ہو سکتے ہیں جو ڈراما کی کامیابی و ناکامی کے ذمہ دار قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ اُرسطو نے چھے اجزا کو ڈرامے کے لیے لازم قرار دیا تھا۔ قصہ اشخاص، الفاظ، خیال آراستگی اور موسیقی ڈرامے کی فنی ترقی کے باوجود آج بھی ان سے اختلاف مشکل ہے۔ ان میں سے آخر الذکر اجزا کا تعلق ڈراما کی پیش کش سے ہے لیکن ڈراما کے داخلی تجربات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی عناصر ڈرامے کے اجزائے ترکیبی کہے جا سکتے ہیں۔ اس میں اختلاف ہو سکتا ہے کہ ان چاروں میں سے کس کو زیادہ اہمیت حاصل ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک دوسرے سے اس طرح مربوط اور ایک دوسرے پر اس طرح منحصر ہیں کہ ان کو جدا کرنا اور ان کی الگ اہمیتیں مقرر کرنا مشکل ہے۔''(۴۶)

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں ابھی تک صرف ایک ڈراما پشتو سے اُردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس ڈرامے کا نام ''پناہ'' ہے۔ یہ ڈراما پشتو روایات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ پٹھانوں میں اگر کوئی قاتل بھی مہمان بن جائے تو اس کی حفاظت میزبان پر لازم ہے۔ اس ڈرامے میں ایک گھر میں زخمی قاتل آ جاتا ہے۔ اس کو پٹی کی جاتی ہے اور کھانے پینے کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ باتوں باتوں میں پتہ چلتا ہے کہ گھر جس میں اس نے پناہ لی ہے اس گھر کے بیٹے کو اسی نے قتل کیا ہے اور مقابلے میں وہ زخمی ہوا ہے۔ قتل ہونے والے کا نام غزن ہے۔ غزن کا چچازاد بھائی آتا ہے اور وہ زخمی کو مشکوک سمجھتا ہے۔ گھر کے سربراہ بوڑھے کو پتہ چل چکا ہوتا کہ وہی اس کے بیٹے کا قاتل ہے۔ غزن کا چچازاد بھائی اس کو سزا دینا چاہتا ہے لیکن غزن کا باپ بوڑھا کہتا ہے کہ کیونکہ اس نے اس کو پناہ دی ہے۔ اس لیے وہ اس کو کچھ نہیں کہے گا یعنی بوڑھا پشتون قبیلوں کی روایات کی پاسداری کرتا ہے۔

فنی لوازمات کے لحاظ سے یہ ڈراما فنی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اگر پلاٹ کے بات کریں تو ''پناہ'' کا مکمل پلاٹ ہے۔ ہر واقعہ کا دوسرے واقعہ سے فطری ربط و تسلسل نظر آتا ہے۔ واقعات کے بیان کی تمام

کڑیاں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔ پلاٹ میں کہیں بھی جھول نظر نہیں آتا۔ پوری خوبصورتی کے ساتھ ڈرامائی کیفیت موجود نظر آتی ہے۔ مکالمات طویل ہونے سے اگرچہ قصہ میں دلچسپی کم ہوتی ہے لیکن پھر بھی دھیان ڈراما سے پرے نہیں ہوتا اور اکتاہٹ کی فضا پیدا نہیں ہوتی۔

کردار نگاری کی بات کریں تو ہر کردار اپنا کام خوبصورتی سے سرانجام دیتا ہے۔ اس ڈرامے میں صرف پانچ کردار ہیں، اس لیے ہر کردار واضح نظر آتا ہے کہیں کوئی الجھن پیدا نہیں ہوتی یہ کردار فطری اور حقیقی معلوم ہوتے ہیں۔

منظر نگاری کے اعلیٰ نمونے اس ڈرامے میں پیش کیے گئے ہیں۔ ماں کا اپنے بیٹے کے لیے تڑپنا، بوڑھے کا اپنی بیوی کو دلاسہ دینا، زخمی کا قتل کرنے پر شرمندہ ہونا اور غزن کے چچازاد بھائی کا اپنے چچازاد بھائی کے لیے انتقام لینا، منظر نگاری کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ ان مناظر میں جذبات نگاری اتنے خوبصورت انداز میں ہوئی ہے کہ حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔

تصادم اور کشمکش کے کئی مواقع ڈرامے میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ڈرامے کی ابتداء میں بوڑھے میاں اور اس کی بیوی کے درمیان کشمکش ہے کہ ان کا بیٹا نہ جانے کب آئے گا؟ غزن کے چچازاد بھائی کو جو پتہ چلتا ہے کہ زخمی ہی غزن کا قاتل ہے تو تصادم کی صورت پیدا ہوتی ہے تاہم اس موقع پر بوڑھے میاں یہ تصادم نہیں ہونے دیتے۔

ڈرامے ''پناہ'' کا اسلوب بھی سادہ ہے۔ بوڑھے کی بیوی کی زبان سادہ، صاف اور شستہ ہے۔ اس کے ہر لفظ سے سادگی جھلکتی ہے۔ فطری طور پر اس ڈرامے میں تکنیک اور اسلوب کی بھرپور عکاسی نظر آتی ہے ۔

یہ ایک المیہ ڈراما ہے کیونکہ اس کا انجام غم واندوہ، دردمندی اور دہشت پر ہوتا ہے۔ اس ڈرامے میں بوڑھے کے الفاظ سنیے:

> ''(لرزتی آواز میں) آج زخموں کا جشن ہے بڑھیا کا پہلے دل زخمی تھا پھر دماغ زخمی ہو گیا۔ میرا پہلے احساس زخمی تھا اب سارا وجود زخمی ہے۔ مہمان کا پہلے ہاتھ زخمی تھا۔ پھر روح زخمی ہوئی۔ اب رحمۃ اللعالمین، یہ سب زخم کب بھریں گے زخموں کا اتنا بڑا جشن کب ختم ہوگا کب۔۔۔۔؟ کب۔۔۔۔؟''(۴۷)

فنی لحاظ سے اس ڈرامے میں فنی لوازمات کا بھرپور تاثر موجود ہے۔ کردار نگاری، پلاٹ، اسلوب، تجسّس و جستجو، تصادم اور کشمکش میں منظر نگاری کے خصائص دیکھے جا سکتے ہیں۔ ڈرامے کے فنی اوصاف کی جھلک اس ڈرامے میں دیکھی جاسکتی ہے۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے تحت شائع ہونے والے اس ڈرامے میں فنی خصائص کا اظہار خوب صورتی سے ہوا ہے۔ اگرچہ صرف ایک ہی ڈراما پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے ضمن میں شائع ہوا، تاہم فنی لوازمات کے بھرپور اظہار اس ڈرامے میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ فنی خوبیاں اس ڈرامے کا خاصا ہیں۔ پاکستان میں شائع ہونے والے دیگر رسائل و جرائد کے ڈراموں کی طرح اس ڈرامے میں فنی خصوصیات موجود ہیں اور یہ ڈراما پاکستان میں شائع ہونے والوں ڈراموں سے کسی طرح کم نہیں بلکہ ہر لحاظ سے اُن کے ہم پلہ ہے۔

iv. افسانے کا فنی جائزہ:

سائنس اور ٹیکنالوجی کی وجہ سے دورِ حاضر کے معمولات میں تیزی آئی ہے۔ زمانۂ قدیم میں انسان کے پاس فارغ اوقات کی فراوانی ہوتی تھی لیکن جدید دور میں انسان کی مصروفیات میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ان بڑھتی ہوئی مصروفیات نے زندگی کے ہر شعبے کی طرح ادب پر بھی گہرا اثر ڈالا ہے۔ لوگ اب ادب اور ٹیکنالوجی دونوں کے ساتھ تعلق رکھنے کے خواہاں ہیں۔ ادب کے ساتھ تعلق پالتے ہوئے اُن کی خواہش یہ بھی ہے کہ مختصر وقت میں کوئی چیز پڑھنے کو ملے جن سے اُن کے ذوق کی تسکین و تشفی ہو اور اس کے جذباتی اور تفریحی تقاضے بھی پورے ہوں۔ مختصر افسانہ اسی ضرورت کی عکاسی کرتا ہے۔ افسانے کے بارے میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی یوں رائے دیتے ہیں:

> ''اختصار، افسانے کی بنیادی خصوصیت ہے۔ بعض نقادوں نے کہا ہے کہ مختصر افسانہ وہ ہے جو نصف گھنٹے میں پڑھا جا سکے۔ بعض کا خیال ہے کہ جو کہانی ایک ہی نشت میں پڑھی جا سکے، اسے افسانہ کہتے ہیں۔ در حقیقت افسانے پر وقت کی قید نہیں لگائی جاسکتی۔ البتہ افسانہ نگار کو غیر ضروری تفصیلات سے اجتناب کرنا چاہیے۔''[۴۸]

گویا مختصر افسانہ ایک ایسی فکری کہانی ہے جس میں ایک خاص کردار، ایک خاص واقعہ، ایک تجربے یا ایک تاثر کی وضاحت کی گئی ہو۔ نیز اس کے پلاٹ کی تفصیل اس قدر منظم طریقے سے بیان کی گئی ہو کہ اس سے تاثر کی وحدّت نمایاں ہو۔ وحدت تاثر کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختریوں رقمطراز ہیں:

"وحدّت تاثر کا مطلب یہ ہے کہ افسانے میں صرف ایک تھیم یا موضوع اور ایک مرکزی کردار ہو اور تمام افسانہ اس کے مدار پر گردش کناں رہے، اسی سے وحدت تاثر جنم لے گی۔ یہ وحدت تاثر ہی ہے جو ناول اور مختصر افسانہ میں امتیاز کا باعث بنتی ہے۔"(۴۹)

محدودیت، اِختصار، وحدتِ زمان و مکاں، وحدتِ کردار، موضوع کی عمدگی، دلچسپی کا عنصر، مربوط انداز اور مشاہدے کا عنصر معیاری افسانے کی خصوصیات ہیں جبکہ موضوع کا انتخاب، عنوان، تمہید، پلاٹ، کردار نگاری، مکالمے، منظر کشی اور مقصدیت اس کے مراحل اور اجزاء ہیں۔

افسانے کی کامیابی کا انحصار اس کے فنی لوازمات پر بھی منحصر ہے۔ جب بھی افسانے کا فنی جائزہ لیا جاتا ہے تو اس افسانے میں استعمال ہونے والے فنی خصائص کے اظہار کو دیکھا جاتا ہے۔ اکثر معیاری افسانوں میں درج ذیل فنی خصوصیات دیکھی جاسکتی ہیں: پلاٹ، اظہار کی موزونیت، معنویت، خوش آہنگی، فنی سطر کاری، تراکیب سازی، تمثال آفرینی، ہیئتی تنوع، عروضی آہنگ، اسلوبِ بیان اور علامت نگاری وغیرہ۔ علمِ بیان اور علمِ بدیع کی اقسام کا اظہار بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ اسی طرح کے فنی خصائص سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان تراجم میں افسانے کا ذخیرہ بہت وسیع ہے۔ ضخامت کے اعتبار یہ صنفِ سخن سب سے زیادہ شائع کی گئی ہے۔ اشاعت کی تعداد میں جس قدر کثرت ہے اسی طرح ان افسانوں میں فنی خوبیوں کے اظہار کی فراوانی ہے۔ ہر طرح کے فنی محاسن کا اظہار سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے پاکستانی ادب کے اردو تراجم میں دیکھا جاسکتا ہے۔

بیانیہ اسلوب افسانوں کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ بیانیہ اسلوب کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر بیان کرتے ہیں:

"بیان سے حاصل کردہ بیانیہ کی اصطلاح سے مراد کسی واقعہ / قصہ / ماجرا / حادثہ / المیہ کا سادہ اسلوب میں غیر جذباتی ہوئے بغیر واضح اور مفصل بیان ہے۔ بیانیہ صحافتی تحریروں کے لیے استعمال ہو سکتا ہے لیکن یہ رپورٹنگ کی سطح سے بلند ہوتا ہے کیونکہ اس میں ادبی رنگ بھی ہوتا ہے یا ہونا چاہیے۔ بیانیہ فکشن میں اُس ناول یا افسانہ کے لیے بھی استعمال ہے جس میں تکنیک

اور اسلوب سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف سادہ (اور بعض اوقات تو سپاٹ) انداز میں افسانہ یا ناول قلمبند کر دیا گیا ہو، لہذا کسی ناول یا افسانہ کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ بیانیہ انداز میں لکھا ہے تعریف نہ ہو گی۔"(۴۹)

سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں بیانیہ اسلوب کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔ افسانے میں بعض اوقات ٹھوس حقائق بیان کیے جاتے ہیں جن کے لیے بیانیہ انداز اپنایا جاتا ہے۔ اس مجلے کا پہلا شمارہ جولائی تا ستمبر ۱۹۸۷ء کو منظرِ عام پر آیا۔ اس پہلے شمارے میں پشتو کے ایک افسانے کو "پھر وہی مشکل" کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا گیا۔ تخلیق و ترجمہ عبد الکافی ادیب کا ہے۔ اس افسانے سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس میں بیانیہ اسلوب کو دیکھا جا سکتا ہے:

"یہاں گندے پانی کی نکاسی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ آس پاس کے گھروں کا پانی گلی میں جمع رہتا تھا۔ برسات کے دنوں میں تو جا بجا چھوٹے موٹے جوہڑ اور تالاب بن جاتے، کیچڑ اور دلدل کے علاوہ سڑاند اور تعفن سے لوگوں کا اس گلی سے گزرنا محال تھا۔"(۵۰)

اس مجلے کے کچھ افسانوں میں زندگی کے حقائق کی عکاسی بیانیہ انداز میں کی گئی نظر آتی ہے۔ ان ٹھوس حقائق میں تشبیہ و استعارہ کے اظہار میں زندگی کے ٹھوس اور خارجی حوالے بخوبی دیکھے جا سکتے ہیں:

"دنیا میں پریاں خوبصورت خوبصورت، بانکی، رسیلی لڑکیوں کا بھیس بدل کر آئیں۔ دنیا والوں نے انہیں دیکھا تو بھنوروں کی طرح ان کے گرد پھرنے لگے۔ سارے مست تھے، سارے ان کی خاطر زندگی داؤ پر لگانے کے لیے تیار تھے۔"(۵۱)

اس مجلے کے کچھ افسانے ایسے بھی ترجمہ ہوئے جن میں تشبیہ و استعارہ کی یکسانیتیں ساری کی ساری خارجی عوامل سے سروکار رکھتی ہیں۔ اس طرح کے اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے افسانوں میں شعور، تحت الشعور، لاشعور اور ماوراء کے دریچے ذرا بھی وا نہیں ہوئے۔

"میرے دوست پان والے نے میرے لیے پان بناتے ہوئے کہا" دیکھیں جی کتنی حیرت کی بات ہے کہ عام لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دینے والے اور انہیں گائے بھینسوں کی طرح مارنے پیٹنے والے یہاں آکر خود بھیڑ بن جاتے ہیں، خاموش مار کھاتے ہیں اور بولتے بھی نہیں۔"(۵۲)

تشبیہ کے علاوہ استعارات کا بر محل استعمال بھی پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ استعارات ٹھوس اور خارجی حقائق کی عکاس ہیں۔ براہوی زبان سے ترجمہ ہونے والے افسانے ''لوکل بس'' میں استعارات کا استعمال دیکھا جاسکتا ہے:

''ہاں تو ہم بس میں سوار ہونے کے لیے لوکل اسٹاپ پر کھڑے تھے کہ کب یہ سواری باد بہاری تشریف لاتی ہے۔اس کے ساتھ ہی بس پر نظر پڑی جو کہ لزرتی، بنتی، سسکتی، بیل گاڑی کی طرح کئی آوازیں نکالتی نمودار ہوئی۔بس کی یہ عجیب وغریب آوازیں اور میرے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔''(۵۳)

پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے افسانوں میں محاکات کی دلکشی بھی بے مثال ہے۔ محاکات کسی منظر یا حالت کا درست احوال ہے۔ محاکات کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر یوں رقمطراز ہیں:

''محاکات کا لغوی مطلب کسی منظر، کیفیت، حالت، عالم کی درست تصویر کشی ہے جیسے محاکات فطرت کہنا، تنقیدی اصطلاح کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔اس لیے ارسطو کے تصور نقل کے لیے بھی مستعمل رہی ہے۔جدید تنقیدی مباحث میں اب یہ زیادہ مستعمل نہیں۔''(۵۴)

کسی بھی منظر، کیفیت یا حالت کو یوں بیان کیا جائے کہ اس میں حقیقت کی عکاسی نظر آنی چاہیے۔ یہ افسانہ نگار کی ایسی تخلیقی صلاحیت ہے جو بے پناہ محنتِ شاقہ اور خصوصی دلچسپی مانگتی ہے۔ محاکات کی یہ عکاسی اپریل تا ستمبر ۲۰۰۸ء کے شائع ہونے والے کے شمارے کے افسانے ''وادریچوں سے چاند'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔ تخلیق کار کا نام آرداد جبکہ مترجم کے فرائض واحد بخش بزدار نے سرانجام دیئے ہیں:

''تندو تیز ہوا کُھلے دریچوں سے تیر کی طرح سر مار رہی تھی۔رات چھا گئی تھی اور چاند اپنی نقرئی شعاعوں سے ان کے مکان کو منور کر رہا تھا۔سایہ اس کی آنکھوں میں گلاب کے نئے کھلے پھول کی طرح لگ رہا تھا۔اُس کا دل بچے کی طرح مچلنے لگا۔اُس نے چاہا کہ وہ اُٹھے اور اِس سایہ کو چھولے مگر اُس کی بیوی اس کے پہلو میں لیٹی ہوئی تھی۔اُس کی آنکھوں سے یہی احساس جھلکتا تھا کہ وہ اُٹھ کر جا نہیں سکے گا۔''(۵۵)

استعاروں کی طرح علامتوں کا استعمال بھی تخلیقی عمل ہے۔ بظاہر علامت، استعارہ سے ملتی جلتی نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں علامت، استعارہ کے مقابلے میں زیادہ وسعت اور ہمہ گیری رکھتی ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر علامت کے بارے میں یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

''جذبہ، کیفیت، وقوعہ، حادثہ، شخص، فطرت، تصور کی تشریح اور تفہیم کے لیے ایسا لفظ استعمال کرنا جو اس کی جملہ خصوصیات کی نمائندگی کا حق ادا کر سکے۔''(۵۶)

دیگر فنی خصائص کے ساتھ ساتھ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں علامت نگاری کے کثیر نمونے پڑھنے کو ملتے ہیں۔ اس مجلے کا شمارہ نمبر ۲۲، سرما ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا۔ اس شمارے میں سجاد حیدر کا لکھا ہوا پنجابی افسانہ شاملِ اشاعت ہوا۔ اس کا ترجمہ ڈاکٹر اسلم رانا نے ''آخری پت جھڑ'' کے نام سے کیا ہے۔ اس افسانے میں ''ون'' کے درخت کو دیہاتی تہذیب و ثقافت کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے:

''اس چھوٹے سے گاؤں ''موہلے'' کی پوری تاریخ ایک ''ون'' کے درخت پر لکھی ہوئی ہے۔ ساٹھ گھروں کی یہ بستی تیسری بار اُجڑ کر آباد ہوئی تھی۔ پہلے تو یہ بستی دریا کے کنارے پر تھی۔ دریا نے رُخ بدلا تو دریا بُرد ہو گئی۔ دوسری دفعہ یوں تو دریا سے کچھ فاصلے پر تھی لیکن چناب پھر بھی اسے بہا کر لے گیا۔ اب تیسری دفعہ اس کے کچے مکانات دریا سے پون کوس کے فاصلے پر پھر تعمیر کیے گئے ہیں۔ اس جگہ آباد ہوئے اب اسے ڈیڑھ سو سال ہونے آئے ہیں۔ اس ڈیڑھ صدی کی تاریخ اس پیڑ پر لکھی ہوئی ہے۔''(۵۷)

افسانہ '' ایک ستارہ ٹوٹا'' میں تشبیہاتی اور استعاراتی انداز میں علامتیں احسن طریقے سے اپنے عہد کی بھرپور عکاسی کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اس افسانے میں منظر کشی کا اور تجسیم کاری کا واضح اظہار دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ افسانہ نعمت اللہ گچکی کا تخلیق کردہ ہے جبکہ پیر محمد زبیرانی نے اسے اُردو میں منتقل کیا ہے۔ اس افسانے سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس میں درج بالا فنی لوازمات کا بھرپور مظاہرہ دیکھا جا سکتا ہے:

''موسم سرما کا سرد ترین دن تھا۔ یخ بستہ ہوا چل رہی تھی۔ کالے بادل آسمان پر پھیلے ہوئے تھے۔ سورج کی تپش میں کوئی جان نہ تھی، دن خوفناک اور بھیانک رات کا سماں دکھا رہا تھا۔ بادل مست شیر کی طرح دھاڑ رہا تھا۔ بجلی ناچ رہی تھی۔ بارش مشکیزہ کی طرح منہ کھول چکی تھی۔''(۵۸)

اس اقتباس میں تشبیہ،استعارہ،شدتِ جذبات اور علامات کی مشاہداتی سطحیں پورے عروج میں مظاہرہ کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔علامتوں کے تسلسل مزید اظہار کرتے ہوئے واضح ہوتے جاتے ہیں۔ٹھوس حقائق کو جب تشبیہ اور استعارہ کا روپ دیا جاتا ہے توان کی پیکر تراشی میں دلکشی اور جاذبیت دیدنی ہو جاتی ہے۔علامت کی طرح امیجری بھی فنی خصائص میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔تنقیدی اصطلاحات میں امیجری کے بارے میں یوں اظہار خیال کیا گیا ہے:

> ''انگریزی لفظImageسے Imagery اور Imagination جیسی اصطلاحات حاصل کی گئیں۔اُردو میں امیجری کے متبادل کے طور پر تصویر کاری، تصویر کشی، پیکر تراشی، شاعرانہ مصوری، لفظی تصویر، تصویر سازی جیسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔۔۔۔ جب شاعر مناسب ترین الفاظ کی امداد سے کسی شخص، شے، منظر یا وقوعہ کی ایسی درست تصویر کشی کرے کہ اس شخص، شے، منظر یا وقوعہ کی آنکھوں کے سامنے تصویر کھنچ جائے تو اُسے امیجری کہتے ہیں۔''(۵۹)

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں امیجری یا تصویر کشی کی مثالیں موجود ہیں۔ بعض افسانوں میں تصویر کشی اتنے خوبصورت انداز میں ہوئی ہے کہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ افسانہ ''چھوٹی سی بات'' میں تصویر کشی کی خوبصورت مثالوں کا اظہار ملتا ہے۔یہ افسانہ پشتو زبان سے اُردو زبان میں منتقل ہوا۔ یہ تخلیق علی دیپک قزلباش کی ہے جبکہ ترجمہ عارف تبسم نے کیا ہے۔اس افسانہ میں نوجوان ''باکل'' کی تصویر کشی فطرتی انداز میں نظر آتی ہے:

> ''باکل کو کون نہیں جانتا۔ باکل ہے ہی ایسا شخص، جس کا نام سنتے ہی ذہن میں ان کا خاکہ گھوم جاتا ہے۔ چھوٹے قد، درمیانی جسم کا بے ترتیب سا سر۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی مگر گہری، اوپر بھوؤں کے بال اس طرح جھکے ہوئے جیسے کسی غریب کی جھونپڑی پر جھاڑیوں کا چھتہ، چوڑی پھٹی ہوئی ناک، بڑا منہ، چوڑے کھردرے ہاتھ جو مزدوری کی اذیتوں کی تصویر دکھائی دیتے ہیں۔ لمبائی اور چوڑائی کی تمیز سے بے نیاز پھٹی ہوئی ایڑیوں والے پیر، غرض ایک منفرد، ایک انوکھا انسان۔''(۶۰)

کچھ افسانہ نگار اپنے افسانوں میں انگریزی کے الفاظ بر محل استعمال کرتے ہیں۔یہ الفاظ ان افسانوں میں اس طرح رچ بس جاتے ہیں کہ ذرا برابر بھی بھدے معلوم نہیں ہوتے۔اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ الفاظ

اس زبان کے اپنے الفاظ ہیں۔اُردو لشکری زبان ہونے کی وجہ سے ان الفاظ کو اپنے اندر سمو لیتی ہے۔انگریزی کے یہ الفاظ افسانہ ''دہشت''میں دیکھے جاسکتے ہیں۔یہ افسانہ منیر احمد بادینی کی تحریر ہے جبکہ مترجم کے فرائض شرف شاد نے سرانجام دیئے ہیں۔ایک اقتباس میں انگریزی کے الفاظ دیکھیں:

> ''میں یہ نہیں کہتا کہ تم دہشت کو اپنی منزل سمجھ لو بلکہ اس سے بلند تر ہو جاؤ۔۔۔۔۔انگریزی میں اس کو Tragic sense of life کہتے ہیں جو Terrorism سے بالکل الگ چیز ہے۔دہشت یا Tragic sense of life تمھیں اس لیے آن گھیرتی ہے کہ زندگی کے کوئی حتمی معنی موجود نہیں ہے۔''(۶۱)

ایجاز واختصار مختصر افسانے کی بنیادی خصوصیت ہے۔ مختصر افسانے میں ایک ہی موضوع ہوتا ہے اور اس کی پوری کہانی ایک ہی مرکزی کردار کے گرد گھومتی ہے۔ایجاز واختصار چونکہ فنی خصائص سے تعلق رکھتا ہے اس لیے اکثر افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں اس کا استعمال کثرت سے کیا ہے۔زیرِ نظر افسانہ ''بے وفا''میں ایجاز واختصار کی یہ خصوصیت دیکھی جاسکتی ہے۔یہ افسانہ مقبول انور کی تخلیق ہے جبکہ اسے اُردو زبان میں منتقل کرنے کا فریضہ واحد بخش بزدار نے سرانجام دیا ہے۔اس افسانے سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

> ''دروازے پر دستک ہونے کی باعث پروین خط کو جیب میں رکھنا بھول گئی،یہ احساس اُسے دروازہ کھولنے کے وقت دامن گیر ہوا۔مگر اب اُس کا شوہر اندر داخل ہو چکا تھا۔اندر داخل ہوتے ہی اُس نے کہا''آج میں نے اپنا ناول مکمل کر لیا ہے اور میں نے اس کا نام''وفا'' کی بجائے''بے وفا'' رکھ لیا ہے۔''(۶۲)

مختصر افسانے میں ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جن میں بڑی وسعت اور ہمہ گیریت ہوتی ہے۔یہ الفاظ اپنے اندر بے شمار وسعت اور توضیحات رکھتے ہیں۔ تلمیح بھی علم بیان کی ایسی قسم ہے جس کے اندر مفہوم کی کافی وسعت پائی جاتی ہے۔ایک تلمیح میں ایک لفظ یا چند الفاظ کے ذریعے بڑے بڑے واقعات بیان کیے جاسکتے ہیں۔سہ ماہی مجلہ ''ادبیات''کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے افسانوں میں تلمیحات کا استعمال بھی دیکھا جاسکتا ہے۔منظور کوھیار کے تخلیق کردہ افسانہ جس کو شاہد حنائی نے ''سات مسافر'' کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔اس میں تلمیحات کا اظہار خوبصورتی سے ہوا ہے۔ایک اقتباس حوالے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے:

> ''میں ملک کا وہ معروف ڈاکٹر تھا،جس کی مسیحائی کے چرچے تھے۔موت کے خوف سے سہمے مال دار لوگ میرے سامنے نیم ذبح مرغ کی مثل تڑپتے تھے۔وہ روپیہ پیسہ پانی کی طرح بہا کر

مجھ سے آبِ حیات جیسا کوئی نسخہ طلب کرتے تھے، جسے حاصل کر لینے کے بعد انھیں ابدی زندگی نصیب ہو جائے۔ میں انھیں دنیا کے مہنگے ترین نسخے لکھ کر دیتا اور طریقہ ءاستعمال سمجھاتے ہوئے یقین دہانی کرایا کرتا کہ یہ امرت دھارا جیسے ہی ہیں۔"(۶۳)

ان اقتباسات کی روشنی میں یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے کہ سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں افسانوں کا وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ یہ نثری صنفِ سخن اس مجلے میں سب سے زیادہ شائع کی جاتی ہے۔ اُردو افسانوں کے ساتھ ساتھ پاکستانی زبانوں سے کثیر تعداد میں افسانے ان شماروں کی زینت بنے ہیں۔ افسانہ جو کہ مغرب کی مقبول صنفِ سخن تھی اب اس خطے کی بھی معروف صنفِ نثر بن چکی ہے۔ موضوعات کی وسعت کے ساتھ ساتھ فنی خصائص کے اظہار نے ان افسانوں کو ایک خاص مقام عطا کیا ہے۔ سلیم آغا قزلباش افسانے کی وسعت اور فنی پختگی پر یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

"مجموعی اعتبار سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ جس طرح دنیائے ادب میں افسانے کی صنف نے صدیوں پر پھیلے ہوئے فنی ارتقاء کا منظر نامہ پیش کیا ہے اور انسانی زندگی کے ادوار کے متوازی خود کو بچپن، جوانی اور ادھیڑ پن سے گزرا ہے، اُسی طرح اُردو افسانے نے قلیل مدت میں (جو بمشکل ایک صدی پر محیط ہے) عالمی افسانے کے سارے ادوار کا مزہ چکھ لیا ہے اور آج وہ نہ صرف مغربی افسانے کے جملہ رجحانات کو اپنے اندر جذب کر چکا ہے۔ بلکہ فنی پختگی کے مدار میں بھی قدم رکھ چکا ہے۔ آج کا جدید افسانہ، کہانی اور کردار کو اس کی جملہ علامتی جہات کے ساتھ پیش آنے پر قادر دکھائی دینے لگا ہے۔"(۶۴)

اس بحث یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں فنی خصائص کا بیش بہا ذخیرہ موجود ہے۔ دوسرے رسائل و جرائد کی طرح یہ فنی محاسن اپنے اندر فنی پختگی اور دلکشی سمائے ہوئے ہیں۔ اس مجلے کے مدیران نے مختلف پاکستانی زبانوں جیسا کہ سرائیکی، پنجابی، پشتو، گوجری، کشمیری، شنا، بلتی، بلوچی، چھاچھی، سندھی وغیرہ سے افسانوں کو ترجمہ کروا کر شائع کروایا اور یوں قومی یکجہتی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان تراجم سے نہ صرف مختلف علاقوں کے لوگوں کی طرزِ معاشرت، تہذیب و ثقافت، رہن سہن اور رسوم و رواج سے آگاہی ہوئی ہے، بلکہ ان لوگوں کی فنی پختگی اور علمی کاوشوں سے بھی ادراک حاصل ہوا ہے۔ سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے افسانوں میں فنی خصائص کا اظہار پاکستان میں چھپنے والے دیگر افسانوں سے کسی طرح کم نہیں ہے بلکہ یہ اظہار ہر لحاظ سے ہم پلہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ہاشمی، رفیع الدین،اصناف ادب،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۸ء،ص ۱۰۹

۲۔ سلیم اختر،ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۱ء،ص ۱۲۰

۳۔ محمد عباس کاظمی،سید، مترجم، کیسر داستان، مشمولہ سہ ماہی ''ادبیات''، شمارہ نمبر ا،جولائی تا ستمبر ۱۹۸۷ء،ص ۲۰۰

۴۔ سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اُردو داستانوں میں مزاح کا مشرقی مزاج، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۴،اپریل تا جون ۱۹۸۸ء،ص ۳۶۱

۵۔امین بخاری، مترجم، سر کلیان داستان اوّل، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''،اپریل تا ستمبر ۱۹۸۹ء، ص ۲۰۰

۶۔ محمد اشرف کمال،ڈاکٹر،اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، بک ٹائم کراچی،۲۰۱۷ء،ص ۲۰۵

۷۔ہاشمی، رفیع الدین،اصنافِ ادب،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۸ء،ص ۱۱۶۔۱۱۷

۸۔ قمر رئیس،ڈاکٹر، خلیق انجم،ڈاکٹر،اصنافِ ادب اُردو، فکشن ہاؤس،لاہور،۲۰۱۹ء،ص ۹۵

۹۔ وقار عظیم،ڈاکٹر، ''داستان سے افسانے تک''،اُردو مرکز،لاہور، س۔ن، ص ۵۷

۱۰۔انیس ہارون، مترجم، ''اور خواب بکھر گئے''، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۵۹۔۶۰،۲۰۰۲ء،ص ۲۸۰

۱۱۔خالدہ حسین، مترجم، ''کروایٹرز''، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۵۹۔۶۰،۲۰۰۲ء،ص ۲۸۴

۱۲۔انور جمال، پروفیسر،ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، جنوری ۲۰۱۶ء،ص ۱۰۴

۱۳۔ محمد اشرف کمال،ڈاکٹر،اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، بک ٹائم کراچی،۲۰۱۷ء،ص ۲۱۵

۱۴۔ قیوم مروت، پناہ، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، جنوری تا مارچ ۱۹۸۹ء،ص ۲۲۵

۱۵۔ محمد امین بھٹی/ محمد ثقلین بھٹی،اظہر الغات،اظہر پبلشر،لاہور، س۔ن۔ص ۳۳

۱۶۔ سلیم اختر،ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۱ء،ص ۲۱

۱۷۔concise ڈکشنری، فیروز سنز پبلشرز،لاہور،ص ۱۶۶

۱۸۔اظہر ثقلین بھٹی، پاکٹ ڈکشنری،اظہر الغات،اظہر پبلشر،لاہور، س۔ن۔ص ۱۸۲

۱۹۔ عزیز احمد خان، ڈاکٹر، ''ادب کیا ہے؟''، ترجمہ، عابد سیال، ''دریافت''، شمارہ نمبر ۵، ۲۰۰۶ء، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز،اسلام آباد، ص ۵۸۶

۲۰۔ سہیل احمد خان،ڈاکٹر، مؤلف، منتخب ادبی اصطلاحات، شعبہ اُردو، جی۔ سی۔ یونیورسٹی،لاہور،۲۰۰۵ء،ص ۸۹

۲۱۔ شیراز طاہر، مترجم، ''گند''، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، خصوصی شمارہ،اپریل تا ستمبر ۲۰۰۸ء،ص ۱۸۴

۲۲۔شہلاناہید،مترجم،''میراباپ''،مشمولہ مجلہ ''ادبیات''،شمارہ ۲۶،بہار ۱۹۹۴ء،ص ۲۰
۲۳۔ واحد بخش بزدار، مترجم، ''بڑھیاکی کہانی''، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، خصوصی شمارہ، اپریل تا ستمبر ۲۰۰۸ء، ص ۱۵۲
۲۴۔فیروز خان، مترجم،''دیوانہ''، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ ۲۶، بہار ۱۹۹۴ء، ص ۲۳
۲۵۔ فہیم شناس کاظمی ،مترجم،''رنگ بکھرنے کے بعد''، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، خصوصی شمارہ، اپریل تا ستمبر ۲۰۰۸ء، ص ۱۹۴
۲۶۔غلام حسن بدر، مترجم،''ظلم عظیم''، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ ۱۰۶، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۵ء، ص ۳۴۲
۲۷۔یعقوب خاور، مترجم،''مذاق میں لکھی گئی کہانی''، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، خصوصی شمارہ، اپریل تا ستمبر ۲۰۰۸ء، ص ۱۲۹
۲۸۔گل حسن بدر، مترجم،''بھاگ بھری''، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ ۱۰۶، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۵ء، ص ۳۲۲
۲۹۔شیراز طاہر، مترجم،''بندہ اور کتا''، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، خصوصی شمارہ، اپریل تا ستمبر ۲۰۰۸ء، ص ۳۶
۳۰۔قمر رئیس، ڈاکٹر، خلیق انجم، ڈاکٹر، اصنافِ ادب اُردو، فکشن ہاوس، لاہور، ۲۰۱۹، ص ۱۲۵، ۱۲۴
۳۱۔انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۱۰۱
۳۲۔ایم۔ سلطانہ بخش، ڈاکٹر، داستانیں اور مزاج، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۱۲۸
۳۳۔ممتاز منگلوری، ڈاکٹر، مرتبہ، باغ و بہار از میر امن دہلوی، مکتبہ خیابان اردو، ۳۹ چیمبر لنس روڈ لاہور، طبع اوّل ۱۹۶۶ء، ص ۱۶
۳۴۔کاظمی، سید محمد عباس، مترجم، کسیر داستان، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۱، جولائی تا ستمبر ۱۹۸۷ء، ص ۲۰۱
۳۵۔ایضاً، ص ۲۰۷
۳۶۔امین بخاری، مترجم، داستان،''سر کلیان داستان اول''، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، اپریل تا ستمبر ۱۹۸۹ء، ص ۲۰۰
۳۷۔E.M.Fpster, Aspects of Novel, Rosetla Bools, 1927, P44
۳۸۔وقار عظیم، ڈاکٹر،''فن اور فن کار''، اُردو مرکز، لاہور، س۔ن، ص ۳۰
۳۹۔احسن فاروقی، ڈاکٹر، ناول کیا ہے؟، الکتاب، باغ روڈ، کراچی، ۱۹۹۵ء، ص ۳۰
۴۰۔انیس ہارون، مترجم،''اور خواب بکھر گئے''، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۵۹۔۶۰، ۲۰۰۲ء، ص ۲۷۸
۴۱۔طیبہ خاتون، ڈاکٹر، اُردو نثر کی داستان، ارسلان بکس، آزاد کشمیر، ۲۰۰۳ء، ص ۲۷
۴۲۔خالدہ حسین، مترجم،''کرو ایٹرز''، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۵۹۔ ۲۰۰۲، ۶۰ء، ص ۲۸۴

۴۳۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، بک ٹائم کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۴۰۴
۴۴۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصناف ادب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۳۷
۴۵۔ مقدمہ از ممتاز منگلوری، اندر سبھا مع شرح از امانت لکھنوی، مرتبہ ممتاز منگلوری، لاہور، مکتبہ خیابان ادب ۱۹۶۶ء، ص ۱۰
۴۶۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، خلیق انجم، ڈاکٹر، اصنافِ ادب اُردو، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص ۱۲۸
۴۷۔ قیوم مروت، پناہ، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، جنوری تا مارچ ۱۹۸۹ء، ص ۲۲۵
۴۸۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصنافِ ادب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۲۹
۴۹۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۴۱
۵۰۔ ایضاً، ص ۵۹
۵۱۔ ادیب، عبدالکافی، مترجم، پھر وہی مشکل، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۱، جولائی تا ستمبر ۱۹۸۷ء، ص ۴۵
۵۲۔ شازیہ رحمن، مترجم، پری کا جھوٹ، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۲۲، سرما ۱۹۹۳ء، ص ۲۲
۵۳۔ حسین سحر، مترجم، چودھری کی بیٹی، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۲۲، سرما ۱۹۹۳ء، ص ۲۵
۵۴۔ نیلم مومل، مترجم، لوکل بس، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۱۱۰، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۶ء، ص ۳۳۳
۵۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۲۳۷
۵۶۔ واحد بخش بزدار، مترجم، وادر یچوں سے چاند، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، اپریل تا ستمبر ۲۰۰۸ء، ص ۴۰
۵۷۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۱۸۹
۵۸۔ اسلم رانا، ڈاکٹر، مترجم، آخری پت جھڑ، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۲۲، سرما ۱۹۹۳ء، ص ۳۲
۵۹۔ پیر محمد زبیرانی، مترجم، ایک ستارہ ٹوٹا، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۱۹، بہار ۱۹۹۳ء، ص ۱۲۹
۶۰۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۴۶
۶۱۔ عارف تبسم، مترجم، چھوٹی سی بات، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۲۶، بہار ۱۹۹۴ء، ص ۸۹
۶۲۔ شرف شاد، مترجم، دہشت، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۱۱۰، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۶ء، ص ۳۴۴
۶۳۔ واحد بخش بزدار، مترجم، بے وفا، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۱۰۶، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۵ء، ص ۲۹۴
۶۴۔ شاہد حنائی، مترجم، سات مسافر، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۱۰۶، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۵ء، ص ۳۳۳
۶۵۔ آغا قزلباش، سلیم، مبصر، اُردو افسانے کا تدریجی ارتقاء، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۵۳، خزاں ۲۰۰۰ء، ص ۱۸۰۔۱۸۱

باب چہارم

غیر افسانوی نثری تراجم کا جائزہ

الف۔ غیر افسانوی نثری تراجم کا موضوعاتی جائزہ

i. مضمون:

مضمون غیر افسانوی نثر کی ایک قسم ہے۔ انگریزی میں اس کے لیے essay کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اس کے لغوی معنی درمیان میں لیا ہوا، مطلب، بات، انشا، بیان۔ [۱]

اصطلاحی معنوں میں کسی متعین موضوع پر اپنے خیالات اور جذبات و احساسات کا تحریری اظہار مضمون کہلاتا ہے۔ مضمون کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں۔ دنیا کے ہر معاملے یا موضوع پر مضمون لکھا جاسکتا ہے۔ [۲]

یعنی کسی موضوع پر اپنے جذبات واحساسات اور خیالات کو اس طرح یکجا کرنا اور بیان کرنا کہ قاری اس کو پڑھ کر متاثر ہو سکے۔

مضمون کے بارے میں پروفیسر انور جمال یوں لکھتے ہیں:

> ''کسی تحریر، تخلیق کا مواد یا موضوع اس کا مضمون ہوتا ہے۔ اس سے مواد، خیال، روح، نفس، جوہر یا موضوع مراد ہے۔ مضمون کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا لینا چاہیے کہ مشارقہ و مغاربہ نقادانِ فن میں سے بعض نے مضمون پر زور دیا ہے، بعض ہئیتی تاثر یا فن پارے کی خارجیت کو اہم سمجھتے ہیں۔ یوں ادب میں دو واضح نظریے فن برائے فن اور فن برائے زندگی کی اصطلاحیں بھی ظہور پذیر ہوئیں۔ اس طرح معانی اور اسلوب کے لحاظ سے ادب کو جداگانہ زاویوں سے پرکھنے کا رویہ پیدا ہوتا ہے۔'' [۳]

مضمون کے لیے ہمیشہ تین حصے ہوتے ہیں جن کو مدارجِ مضمون کہا جاتا ہے۔ وہ تین مدارج درج ذیل ہیں:

تمہید:

کسی عمارت کی پہلی اینٹ ہی آپ اگر ٹیڑھی رکھتے ہیں تو اس ٹیڑھی بنیاد پر بننے والی عمارت آخر تک ٹیڑھی ہی رہے گی۔ مضمون کی تمہید، نہایت جامع اور مختصر ہونی چاہیے۔ نیز ایسے مؤثر اور دلنشین انداز میں لکھی

جانی چاہیے کہ اس کے مطالعہ سے قاری نہ صرف نفسِ مضمون سے پوری طرح آگاہ ہو جائیں بلکہ اپنے ذہن کو آئندہ مضمون کے مطالعہ کے لیے بھی آمادہ کرلیں۔

نفس مضمون:

اسی حصے کو تمام مضمون میں مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔اس میں موضوع کی جزئیات، افکار، واقعات اور مناظر کا بیان ہوتا ہے۔ اس منزل میں اپنے خیالات کو ایک خاص ترتیب کے مطابق مختلف پیرا گراف میں تقسیم کرکے قلم بند کرنا چاہیے۔ہر خیال کے لیے الگ پیرا یا ذیلی سرخی قائم کیجیے۔اظہارِ مدعا میں ترتیب و تسلسل کو کسی قیمت پر ہاتھ سے نہ جانے دیجیے۔کوشش کیجئے کہ آپ کا مضمون ہر لحاظ سے جامع اور اس کا کوئی پہلو تشنہ یا نامکمل نہ رہ جائے۔

خاتمہ:

مضمون کے خاتمے پر موضوع کی جملہ تفصیلات کو سمیٹ کر چند سطروں میں بیان کر دینا چاہیے۔ اختتامیہ، نہایت مؤثر اور دل پذیر ہونا چاہیے۔ تمہید کی طرح مضمون کے خاتمے پر موضوع کا ماحاصل، مختصر الفاظ میں عمدگی سے لکھنا چاہیے تاکہ موضوع کے بنیادی نکات بیک نظر ممتحن یا قاری کے سامنے آجائیں۔

اُردو میں مضمون نویسی کا آغاز دہلی کالج سے شروع ہوا۔ سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء نے اس صنف کے فروغ میں خاص کردار ادا کیا۔ سرسید احمد خان نے مضمون کے لیے تین شرائط کو ضروری قرار دیا ہے۔

(۱) انداز بیان بالکل سادہ اور سلیس اسلوب میں ادا کیا جائے۔

(۲) الفاظ کی سادگی کے ساتھ ساتھ انداز بیان دلکش اور پرکشش ہو۔

(۳) جو بات مضمون نگار کہنا چاہتا ہو وہ قاری تک پہنچے اور اس میں ربط و تسلسل بھی موجود ہو۔

مضمون کے موضوعات لامحدود اور ان گنت ہیں۔ کسی بات عنوان یا موضوع پر مضمون لکھا جاسکتا ہے۔تاہم مضمون متین و سنجیدہ، مدلل اور منطقی انداز میں تحریر کیا جائے اور اس کا مقصد حقائق یا نقطۂ نظر کا قارئین تک ترسیل اور ابلاغ ہو۔اندازِ بیان دل نشین اور اسلوب کی جدت کا ہونا بھی ضروری ہے۔

مضمون میں ادب، سائنس، معاشرت، مذہب، سماج، معاش، تنقید، تحقیق، تاریخ، ٹیکنالوجی، سیاست، غرض کہ ہر موضوع پر مضمون لکھا جاسکتا ہے۔ مختلف معلومات اکٹھی کر کے اکثر اسے ایک ہی نشست میں پڑھا جاتا ہے۔

ڈاکٹر محمد اشرف کمال مضمون میں موضوعات کے حوالے سے یوں بیان کرتے ہیں:

''مضمون کے لیے کسی موضوع کی کوئی قید نہیں ہے۔ مضمون ادبی، تاریخی، تنقیدی، تحقیقی، سوانحی، اصلاحی، معاشرتی، مذہبی، سیاسی اور سائنسی بھی ہو سکتا ہے۔ مضمون بالعموم ایک خاص ترتیب سے لکھا جاتا ہے۔ سب سے پہلے موضوع کا تعارف کرایا جاتا ہے پھر اس کے حق یا مخالفت میں دلائل دیئے جاتے ہیں اور سب سے آخر میں منطقی انجام کے ذریعے نتیجہ پیش کیا جاتا ہے۔''(۴)

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں مضمون کے خوب صورت نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔ موضوعاتی سطح پر یہ مضمون اپنے اندر بے شمار موضوعات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ مجلہ ''ادبیات'' کا شمارہ نمبر ۴۷ ''شیخ ایاز کی یاد میں'' نکالا گیا۔ اس شمارے میں شیخ ایاز کی نثر اور شاعری میں خدمات کو زبردست انداز میں خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔ اس شمارے میں ان کی نثری اور شعری اصناف ادب شائع کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر مختلف مضامین لکھ کر ان کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ اس شمارے میں شیخ ایاز کی خدمات کے حوالے سے مختلف مضامین شائع ہوئے۔ ان میں شیخ ایاز: میری نظر (شیخ راز/آفاق صدیقی)، شیخ ایاز کی رحلت (امر جلیل/عذرا ثروت)، شیخ ایاز شخصیت اور شاعر (سراج الحق میمن/امجد اقبال)، شیخ ایاز اور روح رہان (حمید سندھی/محمد ناظم علی خان ماتلوی امداد حسینی)، شیخ ایاز ایک عوامی شاعر (امجد قیصرانی/سکندر ھلیو)، شیخ ایاز: چند تاثرات (نصیر مرزا/نفیس احمد شیخ)، آخری سلام (عطیہ داؤد/آصف زماں انصاری) وغیرہ شامل ہیں۔ سراج الحق میمن نے ان کی خدمات پر جو مضمون لکھا ہے اُس کا ترجمہ امجد اقبال نے ''شیخ ایاز: شخص اور شاعر کے نام سے'' کیا ہے۔ اس ترجمے سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

''وہ محض اپنی لفظیات کی رفعت پر ہی نہیں مواد کے اعتبار سے بھی اہم ہیں۔ اُنھوں نے لگ بھگ ہر جدید اور کلاسیکی صنف آزمائی۔ در حقیقت اُنھوں نے دوہا، دوہڑا، بیت، کافی اور وائی جیسی کلاسیکی اصناف کو نئی زندگی دی جو شاہ لطیف اور سچل سرمست کے بعد تقریباً معدوم ہو چکی تھیں۔ ان ہئیتوں نے اپنی شان و شوکت دوبارہ حاصل کر لی ہے اور اب سندھی زبان کے ہر ممتاز شاعر کے لیے شیخ ایاز کی پیروی لازمی ہو چکی ہے۔''(۵)

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کا چھبیسواں شمارہ بہار ۱۹۹۴ء کو منظرِ عام پر آیا۔ یہ ایک خصوصی شمارہ تھا جس

میں پشتو، کھوار، ہندکو اور سرائیکی، نثری اور شعری اصنافِ ادب سے متعلقہ مواد کو شائع کیا گیا۔ پاکستانی ادب سے اُردو تراجم میں ایک مضمون ''پشتو افسانہ نئی تحقیق (۱۹۷۸ء۔۱۹۸۸ء)'' شامل ہے۔ یہ مضمون **محمد زبیر حسرت** کا تخلیق کردہ ہے جبکہ ترجمہ کاری کے فرائض عبدالرؤف عارف نے سرانجام دیئے ہیں۔ اس مضمون میں پشتو افسانے کے حوالے سے مختلف لکھاریوں کے احوال کو قلمبند کیا گیا ہے۔ ۱۹۷۸ء۔۱۹۸۸ء تک پشتو افسانے کے حوالے سے جو کچھ صفحۂ قرطاس پر آیا، اُس کو مصنف نے بڑی مہارت سے سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دور میں پشتو افسانے کے بارے میں محققین نے اور افسانہ نگاروں نے بہت کام کیا۔ یہ مصنف کی محنتِ شاقہ ہے کہ اُنھوں نے افسانے کے حوالے سے پشتو میں ہوئے کام کو منظرِ عام پر لانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس مضمون سے ایک اقتباس دیکھیے:

> ''جب ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۸ء تک ایک طرف اگر زندگی کے مختلف پہلوؤں اور طبقوں پر خوف و ہراس کے بادل منڈلا رہے تھے۔ تو دوسری طرف قلمِ قبیلہ کے لوگ بھی ایک آسیب زدہ ماحول کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔ حالات تلخ تھے۔ سارے ماحول پر ایک تجسس کی کیفیت طاری تھی اور ایک حساس ادیب اور دانشور کے لیے سانس لینا بھی محال تھا۔ لیکن پھر بھی اسی میں کئی باشعور اور باضمیر قلم کاروں نے اپنے قلم کا تقدس بحال رکھا تھا اور کسی حالت میں حوصلے کا دامن نہیں چھوڑا تھا اور ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کیا۔ اسی دور کی راکھ میں جو چنگاریاں بچی تھیں اُنھوں نے موت کے نرغے میں بھی اپنے آپ کو زندہ رکھا تھا۔''(۶)

سرزمینِ سندھ سے زبان و ادب کے حوالے سے ایک مشہور نام ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کا ہے۔ سندھی زبان و ادب کے فروغ میں ڈاکٹر صاحب کی خدمات لائقِ تحسین ہیں۔ ایک ماہر تعلیم ہونے کے ساتھ ساتھ اُنھوں نے اس ملک میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ وہ سندھ یونیورسٹی میں پروفیسر اور پھر وائس چانسلر تعینات ہوئے۔ چیئرمین، قومی کمیشن برائے تحقیقات تاریخ و ثقافت اسلام آباد رہے، رکن ہئیت حاکمہ، مقتدرہ قومی زبان رہے اور پھر بانی وائس چانسلر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے عہدے پر بھی کام کرتے رہے۔ اُن کی خدمات کے حوالے سے سید جنید اخلاق سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے ایک شمارے کے اداریہ میں لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر نبی بخش بلوچ پاکستان کے نامور محقق، دانشور، مؤرخ، ماہرِ تعلیم، ماہرِ لغت نویس تھے۔ یوں تو ڈاکٹر بلوچ نے اُردو، انگریزی، عربی، فارسی، بلوچی اور سرائیکی زبانوں میں

بھی اپنی یادگار تحریریں چھوڑیں مگر اُن کا سب سے زیادہ کام سندھی زبان و ادب کے حوالے ہی سے ہے بلکہ یہ مبالغہ نہ ہوگا کہ سندھی زبان وادب کی دریافت اور بازیافت میں سب سے زیادہ حصہ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ہی کا ہے۔"(۷)

خصوصی شمارہ "ڈاکٹر نبی بخش بلوچ" میں ڈاکٹر صاحب کے کافی مضامین کے اُردو تراجم شائع کیے گئے۔ذیل میں اُن ترجمہ شدہ مضامین کی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

ماضی کی تاریخ کو بڑے خیال کے ساتھ سامنے لانا چاہیے (ڈاکٹر نبی بخش بلوچ/محبوب ظفر)، حضرت سلطان باہو اور سرائیکی میں ان کے کہے گئے بیت (ڈاکٹر نبی بخش بلوچ/محبوب ظفر)، مرزا قلیچ بیگ کو مؤدبانہ سلام (ڈاکٹر نبی بخش بلوچ/رضیہ طارق)، قلعہ رنی کوٹ کی بنیاد اور تاریخ (ڈاکٹر نبی بخش بلوچ/رضیہ طارق)، سیہون شریف اور خطۂ سیوستان کی تاریخ (ڈاکٹر نبی بخش بلوچ/ہمایوں حسین شیخ)، شیخ نظام الدین کی سندھ میں آمد (ڈاکٹر نبی بخش بلوچ/ہمایوں حسین شیخ)، شہید ہوش محمد کے مزار اور اُن کے خاندان سے متعلق وضاحت (ڈاکٹر نبی بخش بلوچ/ہمایوں حسین شیخ)، سندھی لغت (ڈاکٹر نبی بخش بلوچ/سعیدہ طاق)، شاہ عبداللطیف کی زبان اور شاعری کا معیار (ڈاکٹر نبی بخش بلوچ/علی آکاش)، لوک کہانیوں کی علمی اہمیت (ڈاکٹر نبی بخش بلوچ/علی آکاش) اور ایک مضمون جو اُن پر نصیر مرزا نے لکھا جس کا ترجمہ سید نواظہر جعفری نے " وہ جو ہیرے جواہر لٹا گیا ہے" کے نام سے کیا۔ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے مضمون "لوک کہانیوں کی علمی اہمیت" سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے جس کا ترجمہ علی آکاش نے کیا ہے:

> "لوک کہانیاں لوک ادب کا نہایت اہم حصہ ہے، کیونکہ نہ صرف وہ لوک ادب کا سب سے ابتدائی نمونہ ہیں، بلکہ وہ انسانی نفسیات، توہمات اور ابتدائی اعتقادات کے آثار کا آئینہ ہے۔ہر انسانی گروہ کی لوک کہانیاں اس گروہ کے بچپن کی ناقابل فراموش یادداشت ہے اور مجموعی طور پر تمام اقوام کی لوک کہانیاں گویا انسانی ذات کے زمانۂ طفلی کی کہانیاں اور دستاویزات ہیں۔ماہرین علم الانسان کے پاس لوک ادب کے اس قدیم ذخیروں یعنی لوک داستانوں کی بڑی اہمیت ہے، کیونکہ ان کے عمیق مطالعہ کے ذریعے سے انسان کے نفسیاتی اور ذہنی ارتقاء کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔"(۸)

سہ ماہی مجلہ " ادبیات" کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں مضمون نگاری کی روایت زیادہ نہیں ہے۔اس مجلے کے شمارہ نمبر ا سے شمارہ نمبر ۱۱۹ تک صرف تین شمارے ایسے ہیں جن میں ترجمہ کیے ہوئے

مضامین موجود ہیں۔ان شماروں میں شمارہ نمبر ۲۶، بہار ۱۹۹۴ء میں ایک مضمون، شمارہ نمبر ۴۷ بہار ۱۹۹۹ء میں سات مضامین، شمارہ نمبر ۱۱۴۔۱۱۱۵ اکتوبر ،۲۰۱۷ء تا مارچ ۲۰۱۸ء میں گیارہ مضامین شامل ہیں۔اس کے علاوہ اس کے کسی شمارے میں ترجمہ شدہ مضمون نہیں ہیں۔اگرچہ یہ مضامین تعداد کے اعتبار سے کافی کم ہیں تاہم ان میں مذہبی، سیاسی، ادبی، علمی، معاشرتی، تاریخی، فلسفیانہ، تحقیقی، تنقیدی، تخلیقی، شخصی اور دیگر موضوعات پر مضامین مل سکتے ہیں۔موضوعاتی سطح پر یہ مضامین اپنی ایک پہچان اور شناخت رکھتے ہیں۔اور اچھے رسائل و جرائد کی طرح ان کے اعلیٰ معیارات ہیں۔

ii. مکتوب کا موضوعاتی جائزہ:

مکتوب، عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ''چھٹی، خط لکھا ہوا، لمبا لکھا ہوا، کاغذ۔''(۹)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی مکتوب کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''ہم ایک شخص سے کوئی بات کہنا چاہیں اور وہ ہمارے سامنے موجود نہ ہو تو اپنی بات اور گفتگو اُسے لکھ بھیجنا مکتوب نگاری یا خط نویسی کہلائے گا۔''(۱۰)

بس اپنی کسی ضرورت کو لکھ کر بھیجنے کا نام خط نویسی ہے۔یعنی خطوط میں وہی باتیں ہیں جو دو شخصوں کے درمیان زبانی نہیں ہو سکیں۔ لہذا تحریر کر لی گئیں اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی شخص سے زبانی باتیں کرتے ہوئے جن جن اُمور کا آپ خیال رکھتے ہیں، اُنھیں خط لکھتے وقت بھی پیشِ نظر رکھیں گے۔اِن اُمور کو ذہن میں رکھتے ہوئے خط کی جامع تعریف یوں کی جاسکتی ہے۔جو بات ایک شخص کسی دوسرے شخص سے زبانی کرنا چاہتا ہے مگر فاصلے کی دوری کے سبب ایسا نہیں کر سکتا اور اپنی گفتگو لکھ کر بھیج دیتا ہے اُسے خط کہتے ہیں۔

خط کے بارے میں سید جاوید اقبال یوں لکھتے ہیں:

''مکتوب نگاری ایک دلچسپ آرٹ ہے۔یہ خود کلامی بھی ہے اور خبر رسانی بھی۔ علم و ادب کے فروغ کا ذریعہ بھی ہے اور تاریخ و سوانح کا اہم ماخذ بھی،اس میں وعظ و نصیحت بھی ہے اور لطافت و ظرافت بھی۔یہ قومی اصلاح کا ذریعہ بھی ہے اور فطرت نگاری کا مرقع بھی۔اس میں طنز بھی ہے اور شوخی و شگفتگی بھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ایک ایسی دنیا ہے جو اپنی تاریخ خود رقم کرتی ہے۔''(۱۱)

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اگر خط صرف اتنی سی بات کا نام ہے تو پھر اس کو سیکھنا اور اس کی مشق کرنا کیوں ضروری ہے؟ باتیں کرنا تو ہم جانتے ہیں، پھر کیا وہی باتیں ہم خود لکھنا نہیں جانتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک، خط ایک طرح کی تحریری گفتگو ہے، مگر بولنے اور لکھنے میں کچھ نہ کچھ فرق آ ہی جاتا ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ کا مخاطب آپ کے سامنے نہیں ہوتا۔جب کسی کے سامنے بات کی جاتی ہے تو وہ بات مختصر ہوتی ہے جب کہ خط لکھتے وقت اصل بات کے ساتھ خط کے القاب و آداب اور اس کے اجزاء بھی لکھے جاتے ہیں۔ مثلاًاگر ایک کتاب دُکان سے خریدنا ہو تو دکاندار سے مطلوبہ کتاب مانگی جائے گی لیکن اگر وہی کتاب خط لکھ کر منگوانا ہو تو اصل بات کے علاوہ خط کے لوازمات بھی لکھنا ضروری ہیں۔

بعض اوقات آپ کا مکتوب الیہ بالکل اجنبی ہوتا ہے اور آپ کی اُس سے ملاقات یا گفتگو بظاہر ممکن نہیں ہوتی۔ جیسا کہ آپ کو کسی بیرونی ملک کے طالب علم سے قلمی رابطہ قائم کرنا ہوتا ہے، یا اپنی کوئی شکایت کسی اعلیٰ افسر (گورنر، سفیر یا صدر وغیرہ) کو بھیجنا ہوتی ہے، یا کسی اخبار کے مدیر کو کسی خاص مسئلے یا واقعہ کی طرف توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے؛ یہ تمام صورتیں وہ ہیں کہ آپ کا مکتوب الیہ سے ملاقات کرنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے لہذا ان لوگوں کو جو خطوط بھی لکھے جائیں گے وہ کسی طرح بھی زبانی گفتگو کے نمونے نہیں ہو سکتے، لہذا ایسے لوگوں کو ایک خاص اسلوب کے مطابق خط لکھے جائیں۔اِنھی باتوں کو ملحوظِ رکھ کر اہلِ ادب و تہذیب نے خطوط نگاری کے کچھ اُصول بنائے ہیں اور خطوط کی کئی اقسام بھی ہیں۔ہر قسم کے خطوط کی عبارت اور لب و لہجہ مختلف ہوتا ہے۔اِنھی کو سیکھا اور سکھایا جاتا ہے اور اِنھی کی مشق کی جاتی ہے۔

خط کے ضروری اجزاء میں زیب نامہ یا پیشانی، مکتوب الیہ کا نام، القاب، آداب، مضمون خط، اختتام یا خاتمہ اور خط لکھنے والے (یعنی کاتب) کا نام یا دستخط شامل ہیں۔ خط کو مضمون کی طرح ثقیل اور عالمانہ نہیں ہونا چاہیے۔اس کے جملے مختصر، الفاظ سادہ اور اندازِ بیان رواں دواں اور عام فہم ہونا چاہیے۔ خط میں بلاوجہ عبارت طول دینا یا گھما پھرا کر مطلب کی بات کرنا بالکل غیر موزوں بلکہ غلط ہے بالفاظ دیگر یہی بات یادرکھنی چاہیے کہ خط بھی گویا ایک طرح کی گفتگو ہے۔

خط لکھتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ کاغذ، روشنائی اور اندازِ تحریر سب عمدہ اور صاف ستھرے ہوں۔ جھر جھرے کاغذ، پھیکی روشنائی یا بھدی اور کٹی پھٹی تحریر کا پڑھنے والے پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ خطوط کی اقسام میں نجی خطوط، معاملاتی خطوط اور سرکاری خطوط وغیرہ شامل ہیں لیکن خطوط کی ان اقسام میں زیادہ اہمیت کے حامل وہ خطوط ہیں جن کا مزاج علمی و ادبی ہوتا ہے۔ایسے خطوط کی افادیت مسلمہ ہے۔

مکاتیب کی اقسام کے بارے میں ڈاکٹر محمد اشرف کمال یوں لکھتے ہیں:

''مکتوبات کئی قسم کے ہوتے ہیں جن میں سرکاری، ذاتی، نجی، کاروباری نوعیت کے مکاتیب شامل ہیں لیکن سب سے زیادہ اہمیت اُن مکاتیب کی ہوتی ہے جن کا مزاج علمی وادبی ہو۔ ان کی اہمیت اپنی جگہ تسلیم شدہ ہے۔''(۱۲)

سہ ماہی مجلہ '' ادبیات'' کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں صرف ایک شمارہ ایسا ہے جس میں ترجمہ شدہ خطوط شامل ہیں۔ یہ خصوصی شمارہ ''شیخ ایاز کی یاد'' کے نام سے شائع ہوا۔ اس شمارے میں چار عدد نجی خطوط پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے تحت شائع کیے گئے ہیں۔

سادگی و پرکاری خطوط کا ایک اہم موضوع ہے۔ خطوطِ غالب جو کہ اُردو خطوط نویسی کی بنیاد اور مقام و مرتبے کے اعتبار سے اُردو خطوط کے شاہکار سمجھے جاتے ہیں، اُن میں بھی سادگی و پرکاری بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس شمارے کے پہلے ترجمہ شدہ خط میں سادگی و پرکاری کا واضح اظہار دیکھا جا سکتا ہے۔ شیخ ایاز پہلے خط میں ابراہیم جویو سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

''میں نے ابھی ابھی ''سر ایمن'' کی پانچویں داستان کی آخری وائی کا ترجمہ کیا ہے۔ رات کے تین بجے ہیں۔ ستارے آنکھوں سے اوجھل ہونے لگے ہیں اور کائنات کے نین خمار زدہ ہیں (بھٹائی) کی وائی کا یہ مصرعہ روح میں رقت پیدا کر رہا ہے۔

سیکھیو یہ جھوٹا بندھن، نیند کا نینوں سے ناتا۔

آج یہ مصرعہ میری آس نراس کا آئینہ ہے، میری ساری روحانی کشمکش کا آئینہ دار ہے۔ گویا یہ مصرعہ ایک جھولا ہے، جس میں میرا دل جھول رہا ہے۔ کیا رقت بھرا کرب ہے، اس میں کیا معنی خیز مٹھاس ہے! نیند کا نینوں سے ناتا۔۔۔ (جھوٹا بندھن)! میرے تصور نے پرواز کی، صدیاں سمٹ گئیں اور میں نے اس زلی مست کو بھٹ پر، ستاروں کی چھاؤں تلے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ لطیف اپنی دھن میں محو سراپا تھا۔ اس کی آنکھوں کے آگے الفاظ کہکشاں کی طرح جھلملا رہے تھے، وہ ان میں سے ستارے توڑ کر پرو رہا تھا، چاروں اور جنگل رات کی گود میں آرام کر رہا تھا، چرند پرند سو رہے تھے، لیکن بھٹ باسی کی آنکھوں میں ازلی بیداری تھی۔''(۱۳)

خطوط میں حقیقت نگاری کا موضوع بھی بیان کیا جاتا ہے۔ حقیقت کے لغوی معنی اصلیت، صداقت، کیفیت، حال، اصل اور سچائی کے ہیں جبکہ نگاری کا لفظ نگارش سے نکلا ہے جس کا مطلب تحریر ہے۔ یعنی

صورتِ حال کو واضح، صاف صاف اور حقیقی انداز میں بیان کرنے کا نام حقیقت نگاری ہے۔ انگریزی میں اسے رئیلزم کہا جاتا ہے۔ میکسم گورکی حقیقت نگاری کے بارے میں یوں لکھتے ہیں" بغیر کسی رنگ و روغن کے آدمیوں اور ان کی زندگی کا سچا بیان حقیقت نگاری کہلاتا ہے۔"حقیقت نگاری افسانوی ادب اور شاعری وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔ خطوط میں بھی اس کا اظہار ملتا ہے۔ شیخ ایاز کے لکھے گئے دوسرے ترجمہ شدہ خط میں بھی حقیقت نگاری دیکھی جاسکتی ہے:

"میری زندگی اور شخصیت اتنی محبت کے لائق نہیں ہے کسی بھی انسان کو اس کی ادبی تخلیق سے جانچنا اور پرکھنا نہایت غلط ہے۔ میری نظر میں آرٹ اور ادب حسن کی تلاش ہے۔۔۔۔۔ کبھی ادیب کے ماحول میں کبھی اس کے ذاتی جذبات اور احساسات میں۔ یہ لازمی نہیں ہے کہ ہر شاعر کی زندگی بھی اتنی ہی حسین ہو جتنے اس کے اشعار۔ کئی شاعر اپنی زندگی کی قباحت سے بھاگ کر شعر و شاعری کی دنیا میں پناہ لیتے ہیں۔ ہاں، یہ بات صحیح ہے کہ شاعر کی آنکھ اور دل، دوسرے انسانوں کی آنکھوں اور دلوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ وہ اپنے ماحول اور روح میں جو باتیں محسوس کر سکتا ہے، وہ دوسرے محسوس نہیں کر سکتے اور جس طرح وہ ان باتوں کو الفاظ کا جامہ پہنا سکتا ہے کوئی اور نہیں کر سکتا۔"(۱۴)

خطوط میں منظر نگاری کے عمدہ نمونے مل سکتے ہیں۔ منظر نگاری کا اظہار معمولی کام نہیں۔ ایک اچھا ادیب اپنے قلم کے زور پر مناظرِ فطرت کا اظہار احسن طریقے سے کرتا ہے۔ شیخ ایاز کے تیسرے ترجمہ شدہ خط میں مناظرِ فطرت کے مختلف روپ جیسا کہ پتے، ستارے، درخت اور لہر وغیرہ کا استعمال نہایت خوب صورتی سے ہوا ہے:

"سکھر میں گرمی اور حبس بہت زیادہ ہے۔ شام ہوتے ہی دل گھبرانے لگتا ہے۔ ابھی بارہ بجے بیراج سے لوٹا ہوں۔ میری گرمیوں کی راتیں زیادہ تر وہیں بسر ہوتی ہیں۔ وہاں کی ہوا میں میری جوانی کی سرگوشیاں ہیں۔ پتے پتے میں کسی محبوب کی گونج ہے۔ وہاں کی لہر لہر، ستارے ستارے، درخت درخت، میں میرے بیت اور گیت بکھرے پڑے ہیں۔ بیراج کی بائیں جانب، دو نہروں کے درمیان راستہ ہے، جس کے دونوں اطراف املی اور شیشم کے درخت ہیں۔ جب چاند نہر کے پانی میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے تو لہریں تیزی سے یہ ٹکڑے لے کر دوڑنے لگتی ہیں۔ مجھے ہمیشہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ "بیکس" کی اداس روح سادھ بیلے سے

گھوم کر، وہاں آ کر رُک جاتی ہے اور اپنی پیاری کافی گنگنانے لگتی ہے۔"(۱۵)

شیخ ایاز کے ترجمہ شدہ خطوط میں سے ایک خط میں شکوہ و شکایت کا موضوع بھی بیان ہوا ہے۔ شکوہ و شکایت، خطوط کا ایک خاص موضوع ہے۔ اکثر خطوط میں گلے و شکوے لکھنے کا رجحان عام ہے۔ مرزا غالب کے خطوط میں بھی شکوے کا اظہار اکثر ملتا ہے۔ زیرِ نظر خط شیخ ایاز کا تحریر کردہ ہے جس کا سندھی زبان سے ترجمہ کرن سنگھ نے کیا ہے۔ خط کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

"تم نے اپنے خط میں عجیب تقاضا کیا ہے کہ میں تمہیں چاندنی میں بیٹھ کر خط لکھوں۔ تمہیں شاید علم نہیں کہ مجھے چاندنی سے چڑ ہے۔ چاندنی میرے نینوں سے نیند چرا لیتی ہے اور میں کئی کئی راتیں چاند کے پیچھے سر گرداں رہتا ہوں۔ تمہیں علم نہیں ہے کہ چاند اور نیند ازل سے بیری ہیں۔ چاندنی آنکھوں کو رت، جگا دیتی ہے۔ دل کے دکھوں کو جلا بخشتی ہے۔ میں کئی راتیں نور بھرے نیلے آسمان کو دیکھتا رہا ہوں۔ میں نے کئی مرتبہ سنسار کے سینے میں گھر کر رکھا ہے۔ چاندنی میں یہ کائنات، کسی مکڑی کا مہا جال لگتی ہے۔"(۱۶)

سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں ترجمہ شدہ خطوط کا سرمایہ بہت محدود ہے۔ ان خطوط میں موضوعاتی تنوع کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ حقیقت نگاری، شکوہ و شکایت، واقعہ نگاری، منظر نگاری، انسان دوستی اور سادگی و پرکاری ان خطوط میں دیکھی جا سکتی ہے۔ موضوعاتی سطح پر یہ خطوط شاہکار خطوط سے کسی طرح کم دکھائی نہیں دیتے۔ یہ خطوط نمونے کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں کیونکہ ان میں اچھے خطوط کی تقریباً تمام خصوصیات موجود ہیں۔

iii. آپ بیتی کا موضوعاتی جائزہ:

آپ بیتی کے لغوی معنی اپنی سر گزشت یا اپنے اوپر گزری ہوئی سر گزشت۔(۱۷)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی آپ بیتی کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"اپنی زندگی کے احوال و واقعات کا بیان آپ بیتی کہلاتا ہے اسے خود نوشت Auto biography بھی کہہ سکتے ہیں۔ آپ بیتی محض احوال و واقعات کا مجموعہ نہیں ہوتی بلکہ اکثر اوقات لکھنے والے کی داخلی کیفیتوں، دلی احساس شخصی اور عملی تجربوں، زندگی کے جذباتی پہلوؤں اور بحیثیت مجموعی زندگی کے بارے میں اس کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتی ہے۔"(۱۸)

آپ بیتی کسی بھی شخص کی کی زندگی کا مکمل احوال ہے اور اُس فرد کی ابتدائی زندگی سے آخری زندگی تک واقعات کا ایک سلسلہ ہے۔

احمر رفاعی اس بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"یہ کسی فرد کی پیدائش سے وفات تک کے واقعات کی مفصل روئداد ہے جس میں زندگی کی اہم ترین جزئیات یعنی اعمال وافکار کا بھرپور احاطہ کیا جاتا ہے۔اس لحاظ سے اسے کسی بھی زندگی کی مکمل و مفصل تاریخ کہا جا سکتا ہے۔" (۱۹)

آپ بیتی میں مختلف موضوعات زیر بحث آ سکتے ہیں۔ ان موضوعات میں خارجی ،سیاسی ،معاشی اور معاشرتی عوامل بھی کارفرما ہوتے ہیں۔ اس میں تاریخی واقعات بھی آتے ہیں اور مختلف تحریکوں، شخصیات اور سیاسی واقعات کا بھی بیان ہوتا ہے۔ڈاکٹر محمد اشرف کمال اس بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"آپ بیتی یا خودنوشت تاریخ نہیں ہے لیکن اس میں تاریخی حقائق ضروری ہیں۔یہ واقعات کا خشک بیان بھی نہیں ہے ان واقعات کے ساتھ جو کیفیات وابستہ ہیں اُن کی داستان بھی ہے۔واقعات اس لیے اہم ہیں کہ ان واقعات نے کیا تاثرات اور کیفیات عطا کی ہیں یعنی ان سے دل پر کیا گزری ہے۔آپ بیتی جگ بیتی بھی ہے کیونکہ اپنی زندگی میں ایک فرد اپنے خاندان، ماحول، علمی اداروں، تحریکوں، شخصیات، تہذیبی، ادبی، معاشرتی اور سیاسی حالات سے دوچار ہوتا ہے۔"(۲۰)

عام طور پر آپ بیتیاں اصلاحی اور اخلاقی موضوعات پر لکھی جاتی ہیں۔موضوعات کے ضمن میں ایک بات یہ بھی ہے کہ اکثر آپ بیتیوں میں مصنفین اصل موضوع سے دور چلے جاتے ہیں اور کافی دیر اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد اصل موضوع کی طرف لوٹ کر آتے ہیں۔اس حوالے سے ڈاکٹر صبیحہ انور یوں اظہارِ خیال کرتی ہیں:

"آپ بیتی کے موضوعات کے سلسلے میں ایک اور بات اہم ہے وہ یہ کہ اکثر مصنف واقعات کے بہاؤ میں اپنے اصل موضوع سے دور چلے جاتے ہیں اور بہت دور تک کسی انجانے راہ رو کے ساتھ چلنے کے بعد اُنھیں یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ غلط راستے پر آنکلے ہیں۔یہ خامی اُردو خودنوشت نگاری میں بہت عام ہے۔"(۲۱)

آپ بیتی کا اصل موضوع تو لکھنے والے کی اپنی ذات لیکن اکثر موضوع بحث کا آغاز کچھ دوسرے کرداروں سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ مولانا ظفر علی خان کی آپ بیتی کے دوسرے اقتباس میں درج ذیل موضوع زیر بحث آیا:

''اُردو کا نثر نگار اور فارسی کا ایک شاعر ہونے کی حیثیت مجھے ساری دنیا جانتی ہے۔ میری جوانی اور بڑھاپا سارے ہندوستان اور اس کے ارد گرد کے ملکوں کی نظروں سے اوجھل نہیں۔ میرے بچپن سے میرا کوئی ہم عمر تو ضرور واقف ہو گا لیکن عام لوگوں کی نظروں سے میری عمر کا یہ حصہ ضرور اوجھل ہو گا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ میری عمر کے اُس حصے کا عام لوگوں سے تعلق نہ ہونا ہی ہو سکتا ہے۔''(۲۲)

آپ بیتی میں مصنف اپنے احوال تو قلمبند کرتا ہی ہے ساتھ میں اپنے خاندان اور کچھ دوسرے رفقاء کا تعارف بھی کرواتا ہے۔ یعنی اصل موضوع جو آپ بیتی لکھتا ہے، کے ساتھ ساتھ خاندان کے افراد ذیلی موضوعات بن جاتے ہیں اور اصل موضوع کے ساتھ ان ذیلی موضوعات کے حالات بھی سامنے آتے ہیں۔ ایک اقتباس اس حوالے سے پیش ہے:

''میری داستان کچھ اس طرح ہے کہ میری پیدائش ۱۸۸۳ء میں کوٹ مہرتھ ضلع سیالکوٹ میں ہوئی۔ والدین کی پہلی اولاد نرینہ ہونے کے ناطے سارے خاندان اور قریبی رشتہ داروں نے خوب خوشیاں منائیں۔ میرے والد مولانا سراج الدین احمد خان نے اپنی علم دوستی اور ادبی ذوق کے تقاضے کے تحت میرا تاریخی نام ظفر علی خان رکھا۔''(۲۳)

آپ بیتی میں ماضی، ایک خاص موضوع ہے۔ آپ بیتی لکھنے والے گھما پھرا کر بات پھر ماضی کی طرف لے جاتا ہے۔ گویا آپ بیتی ماضی کی داستان ہے جس میں بار بار ماضی کے حالات و واقعات اور تجربات و مشاہدات بیان کیے جاتے ہیں۔ حوالے کے لیے ایک اقتباس دیکھیں:

''اس واقعہ کے کچھ دن بعد اُردو کے مشہور ترقی پسند شاعر علی سردار جعفری ہندوستان سے کراچی کے مختصر دورے پر آئے۔ ''انجمن ترقی پسند مصنفین'' نے اس کا شایان شان استقبال کیا اور پرنس گارڈن میں ایک تقریب کا اہتمام کیا جس میں اُردو کے بہت سے ادیب اور شاعر شامل ہوئے۔ تقریب سے پہلے کامریڈ اشرف نے، میرا، ظہور نظر کا اور کئی دوسرے ادیبوں

اور شاعروں کا سردار جعفری سے تعارف کروایا۔ پہلی ملاقات میں سردار جعفری شکل و صورت کے لحاظ سے ایک وجیہہ اور باثر شخصیت کا مالک نظر آیا۔"(۲۴)

بچپن کی یادیں بھی آخری زندگی تک انسان کے ساتھ رہتی ہیں۔ کچھ واقعات اس بچپن کی زندگی میں ایسے ہوتے ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ انسان ان حالات و واقعات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ آپ بیتی کے لیے ضروری بھی ہے کہ بچپن کے سارے قصے ذہن نشین ہوں تا کہ ان کا احوال جوں کا توں قلم بند کیا جا سکے۔ اس اقتباس میں بچپن کے ایک واقعہ کا احوال سنیے:

"ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مشن سکول وزیر آباد کے ایک استاد غلام نبی صاحب نے جانے کس بات پر میرے ہاتھ پر زور سے چھڑی ماری کہ میری انگلیاں سوج گئیں۔ میں نے گھر جا کر جب دادا جان کو یہ انگلیاں دکھائیں تو وہ میرا یہ حال دیکھ کر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے سکول لے کر چل دیئے۔ اُنھوں نے ہیڈ ماسٹر صاحب کے ساتھ اس معاملے کی شکایت کی۔ ہیڈ ماسٹر مسٹر بوس نے اُسی وقت ماسٹر غلام نبی صاحب کو بلا کر ان کی اس حرکت پر کچھ کہا جس پر ماسٹر غلام نبی صاحب نے میرے دادا جان سے معافی مانگ لی۔"(۲۵)

موضوعاتی سطح پر اس مجلے کی آپ بیتیوں میں موضوعات کا تنوّع موجود ہے۔ اپنے ذاتی احوال بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ارد گرد کے حالات کا بیان، خاندانی حالات کا بیان، عزیز و اقربا کا بیان، ماضی کا بیان اور بچپن کا بیان موجود ہے۔ احسن قدم یہ ہے کہ دیگر رسالوں، مہ ناموں اور مجلّوں کی طرح اس مجلے نے بھی آپ بیتی کی صنف کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ یہ بات لائقِ تحسین اور باعثِ فخر ہے۔

ب۔ غیر افسانوی نثری تراجم کا فنی جائزہ

i. مضمون کا فنی جائزہ:

کسی موضوع پر خیالات اکٹھے کر کے ان کو دلچسپ اور روانی کے ساتھ پیش کرنے کا نام مضمون ہے۔ ڈاکٹر محمد اشرف کمال مضمون کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"مضمون اپنی اصل کے اعتبار سے عربی ہے جس کے لغوی معنی ضمن میں لیے ہوئے اور اسے انگریزی صنف Essay کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ کسی متعین موضوع پر اپنے خیالات و احساسات کا تحریری اظہار مضمون کہلاتا ہے۔ مضمون میں عام طور پر کسی موضوع کے چند پہلوؤں پر اظہارِ خیال کیا جاتا ہے۔ اس میں معروضی انداز، طرزِ استدلال، ربط و توازن بہت

اہمیت رکھتا ہے۔ ہر مضمون میں نظم و ضبط توازن اور تناسب ضروری ہے۔"(۲۶)

تمہید، نفسِ مضمون اور خاتمہ اس کے تین مدارج ہیں۔ ایک کامیاب مضمون کے لیے اس کے فنی لوازمات کا پورا ہونا ضروری ہے۔ ان فنی لوازمات میں رمز و کنائے کا استعمال بھی کیا جاتا ہے اور تشبیہات و استعارات سے زبان کو دلکش اور دل نشین بھی بنایا جاتا ہے۔ یعنی مضمون میں ادبیّت پر زور دیا جاتا ہے۔ مضمون میں فنی خوبیاں پیدا کرنے کے لیے زبان و بیان کی خوب صورتی کا خیال رکھا جاتا ہے جس کے لیے مضمون نگار پُرتاثیر الفاظ اور تراکیب کا استعمال کرتا ہے۔

مضمون میں جذبات کی شدّت بھی بیان کی جاتی ہے اور ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جس سے بات زیادہ مؤثر ہو جاتی ہے۔ مضمون میں بات کو دلچسپ انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس کے لیے تشبیہ و استعارہ ایک زبردست ہتھیار ہیں۔ سادہ، رواں اور سلیس اسلوب بھی فنی محاسن میں سے ہیں۔ اس کے علاوہ ایجاز و اختصار، صنائع لفظی، صنائع معنوی وغیرہ کا بھی مضمون میں خیال رکھا جاتا ہے۔

سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں مضامین فنی لحاظ سے اپنے اندر ادبیت کی شان لیے ہوئے ہیں۔ بہار ۱۹۹۴ء کو سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کا چھبیسواں شمارہ منظرِ عام پر آیا۔ اس شمارے میں ایک مضمون "پشتو افسانہ۔۔۔ نئی تحقیق" کے عنوان سے شائع کیا گیا۔ یہ مضمون زبیر حسرت کی تخلیق ہے اور مترجم عبدالرؤف ہیں۔ اس مضمون سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے جس میں سادہ، سلیس اور رواں اسلوب کو دیکھا جا سکتا ہے:

> "اس کتاب میں دورِ جدید کے تمام انسانوں اور افسانہ نگاروں پر بھرپور تنقید کی گئی ہے اور ترازو کے دونوں پاٹ برابر رکھے گئے ہیں۔ اعظم صاحب نے اپنی تحریر کے ساتھ انصاف کیا ہے اور افسانہ نگاروں کے ساتھ بھی۔ ان کی خوبیوں کی تعریف اور خامیوں کی نشان دہی کی ہے۔ اس کتاب کی افادیت اس وجہ سے بھی ہے کہ یہ بہت سادہ، آسان اور خالص پشتو میں لکھی گئی ہے۔ ادب کا ایک عام قاری بھی اس کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔"(۲۷)

محاورات کا خوب صورت استعمال بھی فنی لوازمات میں سے ہے۔ مجلہ "ادبیات" کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے مضامین میں محاورات کا برمحل استعمال بھی نظر آتا ہے۔ "شیخ ایاز: میری نظر میں" شیخ راز کا تخلیق کردہ مضمون ہے۔ اس مضمون میں اُردو محاورات کا بغور مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اس مضمون سے ایک اقتباس مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے:

”ایک دن مذہب پر بات کرتے ہوئے وہ مجھ سے بگڑ گیا۔تعلقات منقطع ہوگئے۔ہفتے دس دن وہ مجھے منانے کی بڑی کوشش کرتا رہا مگر میں اس سے دور بھاگا، آخر کالج کے برآمدے میں دفعتاً اس نے اپنے بازوؤں میں جکڑ کر کہا ”کہاں بھاگے گا بچہ! شاعر تو ہمیشہ کافر کو پوجتا ہے تو گھاس لیٹ شاعر ہے“ پھر سنجیدہ ہو کر بولا: ”آج سے میرا وعدہ مذہب پر بحث نہ کروں گا چل تجھے ایرانی کے پاس روز واٹر پلاؤں“ ایاز نے پھر کبھی مذہب پر کوئی بات نہ کی۔“(۲۸)

مضمون نویسی میں تراکیب کی اہمیت بھی لاثانی ہے۔تراکیب سے بات مؤثر اور دل پذیر ہو جاتی ہے۔ دوسرے رسائل و جرائد کی طرح سہ ماہی مجلہ ”ادبیات“ کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے مضامین میں تراکیب کا استعمال دیکھا جا سکتا ہے۔”شیخ ایاز کی رحلت“ ایک مضمون ہے جو شیخ ایاز کی وفات کے بارے میں ہے۔یہ مضمون امر جلیل کا تخلیق کردہ ہے اور مترجم عذرا ثروت ہیں۔اس مضمون کے ایک پیرا گراف میں تراکیب دیکھی جاسکتی ہیں:

”ایک حساس شاعر کے لیے یہ تقریباً ناممکن ہے کہ وہ زندگی کے نشیب و فراز، اُتار چڑھاؤ اور آزمائشوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ان امتحانات کی بھٹی سے وہ کندن بن کر نکلے کیونکہ حساس اور درد دل رکھنے والے شخص کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ معاشرہ میں کسی گھناؤنے فعل کو ہوتا دیکھ کر اس سے نظریں چرالے۔اس جیسے شخص کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ بے حسی، ظلم اور دھوکا دہی کے خلاف اپنی زبان بند رکھے۔اس کی شاعری پر اس زمانے میں ہونے والے حادثات و واقعات کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔“(۲۹)

اسلوب سے مراد بات کو بیان کرنے کا ڈھنگ یا طریقہ ہے۔ایک اچھے ادیب کی یہ ایک خاص پہچان ہے کہ اس کا اپنا ایک اسلوب بھی ہوتا ہے۔یہ اسلوب ہی ہے جو کہ ادیب کی علیٰحدہ شناخت کروانے کا باعث بنتا ہے۔ شیخ ایاز پر لکھے گئے مضامین کی ایک عظمت یہ بھی ہے کہ یہ منفرد اسلوب بیان کے حامل تھے۔ سکندر رھلیو کے تخلیق کردہ مضمون سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس کا ترجمہ امجد قیصرانی نے کیا ہے۔اس اقتباس میں ایک معیاری اسلوبِ بیان کو دیکھا جاسکتا ہے:

”شیخ ایاز کی شاعری وہ سنگم ہے جس سے ہمیں تین مقتدر ادبی روایات کے سوتے پھوٹتے نظر آتے ہیں۔اس کے لکھے تھر کے صحرائی گیتوں سے جہاں صدیوں پرانی سندھی لوک شاعری کی مہک آتی ہے وہاں ٹی۔ایس۔ایلیٹ، پابلو نرودا اور لورکا کے مطالعے سے اس کی شاعری میں

مغربی روایات کا پرتو بھی نظر آتا ہے۔ اُردو اور فارسی کلاسیکی ادب سے آشنائی، شیخ ایاز کے فنِ شاعری کو اور بھی جلا بخشتی ہے۔"(۳۰)

سہ ماہی مجلہ "ادبیات" کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے مضامین کا اگر فنی جائزہ لیا جائے تو یہ مضامین فنی لوازمات پر پورا اُترتے ہیں۔ اِن مضامین میں فنی خصائص کا بھرپور اظہار دیکھا جا سکتا ہے۔ اس مجلے کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں شامل مضامین فنی لحاظ سے اعلیٰ معیارات کے حامل ہیں اور دیگر رسائل و جرائد کی طرح یہ اپنے اندر ادبیت کی شان کو ملحوظِ خاطر رکھے ہوئے ہیں۔ اچھی بات یہ ہے کہ ان مضامین میں فنی اُصول وضوابط اور قوانین کی پاسداری بھی کی گئی ہے۔

ii. مکتوب کا فنی جائزہ:

ادب کی قدیم شکلوں میں سے ایک اہم خط بھی ہے۔ عام طور پر خط کو "نصف ملاقات" کا درجہ دیا جاتا ہے۔ اگر ملاقات کا وقت نہ ہو تو خط کے ذریعے ملاقات کی جا سکتی ہے اور بعض اوقات اس میں وہ باتیں بھی لکھ دی جاتی ہیں جو ملاقات کے وقت نہیں کی جا سکتی۔ اس لحاظ سے خط کی اہمیت ملاقات سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اس حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

> "ادبی اور علمی خطوط، ایک صنفِ نثر کی حیثیت سے کئی اعتبار سے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ کسی مکتوب نگار کے خطوط اس کے میلانات و رجحانات، پسند و ناپسند، عادات و اخلاق، جذباتی اور نفسیاتی کیفیتوں، ذہنی و قلبی احساسات اور اس کی شخصیت کی مختلف سطحوں کو قارئین کے سامنے لاتے ہیں۔ مکتوب نگار کی سیرت و شخصیت کے وہ گوشے بھی بے نقاب ہوتے ہیں جو بالعموم عام نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں۔ یہ لکھنے والے کے ذاتی خیالات و عقائد کے علاوہ اس کے دل کی ترجمانی بھی کرتے ہیں۔"(۳۱)

سہ ماہی مجلہ "ادبیات" میں شائع ہونے والے خطوط فنی لحاظ سے اہم ہیں۔ یہ خطوط فنی لوازمات کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔

فنی نقطۂ نظر سے اگر ان خطوط کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں کئی فنی خصائص دیکھے جا سکتے ہیں۔ ہئیتی تنوع ایک اہم فنی خصوصیت ہے۔ تنوع کا لفظ نوع سے مشتق ہے جس کا مطلب قسم، ڈھنگ، جنس، وضع اور ذات کے ہیں۔ تنوع کے لغوی معنی رنگارنگی، گوناگونی اور بوقلمونی کے ہیں۔ تنوع کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ

کسی ادب پارے میں یا کلام نظم و نثر میں کسی ایک مضمون اور موضوع کو تکرار سے پیش کرنے کی بجائے نئے نئے اور مختلف النوع مضامین اور موضوعات پیش کیے جائیں۔ موضوعات کے ساتھ ساتھ تنوع، اسالیب میں بھی ہوتا ہے۔ اس طرح کا اسلوب شیخ ایاز کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے تحت شائع ہونے والے ایک خط میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس خط سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

> ''ہر مصرعے میں روحانی اضطراب ہے۔ ایک مسلسل کیفیت ہے جس کا تاثر مسلسل گہرا ہوتا جاتا ہے۔ ان میں زندگی کے تخلیق کی ثبات کا ایسا حسین تضاد پیدا کیا ہے کہ ہر مصرعے کو چوم کر آنکھوں پر رکھ کر، روح کی رحل کے اندر رکھا جائے، مذکورہ وائی کی گہرائی کو وہی محسوس کر سکتا ہے جس کی آنکھوں کا رت جگوں سے یارانہ ہو، جس کے اشعار اس کے نینوں کی نیند سے موزوں ہوں، جو جاگے، جلے، تلاش کرے اور پائے۔''(۳۲)

فصاحت و بلاغت بھی اہم فنی لوازم ہیں۔ فصاحت کے لغوی معنی شیریں کلامی، بلند پردازی، خوش بیانی اور عالی دماغی کے ہیں۔ اصطلاحی مفہوم میں بلاغت ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے معنی کو مقبول اور خوب صورت انداز میں (یعنی فصاحت کے ساتھ) سامعین تک پہنچایا جاتا ہے۔ یعنی جیسا آپ کے دل میں نقش ہے ویسا ہی نقش سامعین تک پہنچائیں۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کلام حسن کا حامل ہو۔ کلام میں حسن پیدا کرنے کے لیے تشبیہات و استعارات کا استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ بڑے بڑے مطالب و معانی کو اختصار کے ساتھ پیش کرنے کا حسین اور موئثر ذریعہ ہیں لیکن ان کا استعمال بڑی چابکدستی سے ہونا چاہیے اور یہ محسوس نہیں ہونا چاہیے کہ ان میں کوئی تکلف یا اجنبیت ہے۔ دراصل بلاغت کا تعلق مضامین و معانی سے ہوتا ہے اور فصاحت کی نسبت الفاظ سے ہوتی ہے۔

شیخ ایاز کے سندھی سے اُردو میں ترجمہ ہونے والے تیسرے خط میں یہ فصاحت و بلاغت دیکھی جا سکتی ہے:

> ''تم نے لکھا ہے کہ کچھ کلام بھیجوں، سچ پوچھو تو وکالت کی بے انتہا مصروفیات نے خون چوس لیا ہے، جی چاہتا ہے کہ لکھوں، مگر لکھ نہیں پا رہا۔ شاید وہ بے وفا کھیل، تخلیق کی صلاحیت، ہمیشہ کے لیے مجھ سے روٹھ گئی ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہر طرف اشعار پرندوں کی طرح پر مارتے ہوئے گٹ گٹ کر رہے ہیں، مگر الفاظ کے جال میں نہیں پھنستے، اگر میں نے کچھ لکھا تو، تمہیں ضرور بھیجوں گا۔''(۳۳)

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں اگرچہ صرف چار خطوط شائع ہوئے تاہم یہ خطوط فنی اعتبار سے اہم ہیں۔اِن خطوط میں برجستہ اور بے ساختہ جملے بھی ہیں اوراِن جملوں میں زبان کا لطف، طنز کی گہرائی اور مشاہدے کی وسعت بھی موجود ہے۔اِن خطوط میں تصویر کاری یعنی محاکات کا استعمال کرتے ہوئے مصنف نے الفاظ کی مدد سے نہایت خوبصورت تصویریں عطا کی ہیں۔الفاظ کا استعمال اتنی فنی مہارت اور خوبصورتی سے ہوا ہے کہ ماحول کی مکمل تصویر کھینچ دی گئی ہے۔تراکیب کا استعمال بھی اِن خطوط میں عمدگی سے ہوا ہے۔مصنف نے اپنے مطالب کی وضاحت کے لیے ایسی بلیغ اور عمدہ تراکیب سازی سے کام لیا ہے کہ نہایت دقیق اور مشکل بات کو دو لفظوں کی مدد سے بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے یعنی اِن خطوط میں بلاغت کا عنصر بھی موجود ہے۔بلاغت کیا ہے؟اس کے معنی یہ ہیں کہ باتیں نہایت واضح ہوں، باتوں کے بیان میں حسن ہو اور اِن دونوں خوبیوں کا نتیجہ یہ ہو کہ سننے والے یا پڑھنے والے اِن باتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں یعنی ان باتوں میں تاثیر بھی ہو۔اسلوب کے اعتبار سے بھی یہ خطوط اہم ہیں اور یہ تحریری خوبیوں کا بھی مرکب ہیں۔اِن خطوط میں علمِ بدیع (کلام کو لفظی اور معنوی خوبیوں سے مزین کرنا) کی بھی دلکش مثالیں موجود ہیں۔

iii۔آپ بیتی کا فنی جائزہ

دوسروں کے بارے میں لکھنے کی بجائے اپنے آپ پر لکھنا زیادہ آسان ہے اگر کسی شخص کی زندگی میں ایسے حالات وواقعات گزرے ہوں جو دوسروں کے لیے دلچسپی کا باعث ہوں اور ان میں کوئی سبق بھی موجود ہو تو یہ احوال لکھے جا سکتے ہیں۔ان واقعات وحادثات اور مشاہدات و تجربات کو صفحہ قرطاس پر لکھنے کا سلیقہ بھی ہونا چاہیے۔عرفِ عام میں اِن معاملات یا واقعات کے بیان کو آپ بیتی یا خود نوشت سوانح عمری کہا جاتا ہے۔ تنقیدی اصطلاحات میں آپ بیتی کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

> ''انگریزی Autobiography کے مترادف کے طور پر آپ بیتی/خود نوشت سوانح عمری جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے وہ کتاب جو اپنے ذاتی کوائف کے بارے میں تحریر کی گئی ہو، اس لحاظ سے پنجابی لفظ ''ہڈ بیتی'' بھی بہت مناسب ہے۔''(۳۴)

آپ بیتی دراصل اُن معاملات، واقعات، تجربات اور مشاہدات کا بیان ہوتا ہے جن سے کسی بھی شخص کی زندگی سے واسطہ پڑا ہو۔اس بارے میں فرزانہ کوکب یوں بیان کرتی ہیں:

''اُردو آپ بیتی نگاروں میں مختلف ادباء کے علاوہ وہ شخصیات بھی شامل ہیں جو ادب کے علاوہ یا ادب سے ہٹ کر زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ان آپ بیتی نگاروں کے ہاں نہ صرف زندگی کے تلخ شیریں تجربات،کچھ پورے ہونے والے اور کچھ اُدھورے رہ جانے والے خوابوں کا بیان ملتا ہے بلکہ اپنی شخصیت اور زندگی کے بارے میں اکثر چونکا دینے والے دلچسپ انکشافات بھی موجود ہیں۔''(۳۵)

آپ بیتی میں اسلوب کافی اہمیت کا حامل ہے۔ایک منفرد اسلوب،ایسا آئینہ ہوتا ہے جو ایک شخص کی صورت کو حسین و جمیل بنا کر پیش کرتا ہے۔بعض اوقات معائب بھی سامنے لائے جاتے ہیں۔یعنی آپ بیتی میں مثبت اور منفی دونوں طرح کا اسلوب استعمال کیا جاتا ہے۔جس طرح جوش ملیح آبادی نے ''یادوں کی بارات'' میں مبالغہ سے کام لیا۔ بعض اوقات آپ بیتی میں حقیقت کی عکاسی کرتے ہوئے جوں کہ توں معاملات کو بیان کر دیا جاتا ہے۔جیسے '' جہاں دانش'' کے مصنف نے اپنی آپ بیتی میں کیا۔گویا آپ بیتی کے اسالیب میں بہت تنوع موجود ہوتا ہے۔ڈاکٹر محمد اشرف کمال آپ بیتیوں کی اہمیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اُردو کے بڑے بڑے نامور اور رجحان ساز شعراء وادباء نے خود نوشت سوانح عمریاں لکھ کر نہ صرف صنفِ خود نوشت نگاری کے خزانے میں اضافہ کیا بلکہ ان شعراء و ادباء کے حالاتِ زندگی کی ایک نئی تاریخ بھی مرتب ہو گئی ہے جس میں سسپنس بھی ہے،معلومات بھی،دلی جذبات کی ترجمانی بھی اور عصری حالات کی عکاسی بھی۔یہ سوانح عمریاں نہ صرف اُن شخصیات کی نفسیاتی و معاشرتی زندگی کی مختلف پرتوں کو کھولتی ہیں بلکہ یہ اس دور کی ادبی و سیاسی مزاج اور تہذیبی و معاشرتی رویوں کی غماز بھی ہیں۔''(۳۶)

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں آپ بیتی بہت کم شامل کی گئی ہے۔اب تک صرف دو آپ بیتیاں ترجمہ ہو کر ان شماروں کی زینت بنی ہیں۔لیکن ان دو ترجمہ ہونے والی آپ بیتیوں میں فنی لوازمات کی عکاسی احسن انداز سے دیکھی جاسکتی ہے۔جہاں تک آپ بیتیوں کے اسالیب کا تعلق ہے یہ آپ بیتیاں منفرد اسلوب کی حامل نظر آتی ہیں۔سادہ،رواں اور سلیس اسلوب ان کا طرۂ امتیاز ہے۔شیخ ایاز کی لکھی ہوئی آپ بیتی '' اور دنیا ساری خواب'' سے ایک اقتباس کا کچھ حصہ پیش کیا جاتا ہے جو کہ سادہ اسلوب کا عکاس ہے:

''ایک دفعہ تقریباً دس بجے صبح اس کے گھر گیا تو اس کی ماں نے مجھے بتایا کہ ظہور اور جاوید ابھی تک اندر والے کمرے میں سوئے پڑے ہیں۔ میں حسب معمول صبح پانچ بجے سائیکل پر کلفٹن پر ہواخوری کے لیے گیا تھا اور تقریباً دو تین گھنٹے وہاں تازہ ہوا کھانے اور سیر کرنے کے بعد گھر واپس لوٹا تھا اور نہا دھو کر ناشتہ کرنے کے بعد ظہور کے فلیٹ پر اس سے ملنے آیا تھا۔ مگر وہ تھے کہ ابھی تک سوئے پڑے تھے۔''(۳۷)

ان آپ بیتیوں میں ہندی الفاظ کا استعمال بھی سلیقے سے ہوا ہے۔ واقعات و کیفیات بیان کرنے میں ہندی الفاظ کی اپنی ایک شناخت اور پہچان ہے۔ ''میرا بچپن'' آپ بیتی سے حوالہ پیش کیا جاتا ہے:

'' دیس پنجاب کے ایک گاؤں کوٹ مہرتھ ضلع سیالکوٹ کے ایک آبائی باشندے کی حیثیت سے پنجابی زبان کے ساتھ میرا وہی تعلق ہے جو کسی دیس کے رہنے والے کا اپنے دیس کی بولی سے ہو سکتا ہے۔''(۳۸)

اُردو زبان میں محاورات بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ محاورات میں بہت زیادہ طویل مفہوم چند الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔ ایک گفتگو جو ایک پیراگراف میں ہوتی ہے، فقط اس کو چند الفاظ میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے محاورات کا استعمال اصنافِ ادب میں نہایت اہمیت کا حامل رہا ہے۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں شامل کی گئی آپ بیتیوں میں محاورات کا استعمال فنی لوازمات کی عکاسی کرتا ہے۔ محاورات جیسے نظروں سے اوجھل ہونا، ڈانٹ ڈپٹ کرنا، فکر دامن گیر ہونا، دریغ نہ کرنا، جمع پونجی صرف کرنا، ہو کا عالم ہونا، ملک بدر وغیرہ ان آپ بیتیوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اُردو اصناف ادب میں انگریزی الفاظ کا بھی کثرت سے استعمال ہوتا رہا ہے۔ اُردو لشکری زبان ہونے کے ناطے ہر زبان کے لفظ کو اپنے اندر اس طرح سمو لیتی ہے کہ شائبہ بھی نہیں ہوتا کہ یہ الفاظ اس کے اپنے ہیں یا کسی اور زبان کے۔ یعنی اُردو زبان کے اندر یہ الفاظ اس طرح رچ بس جاتے ہیں جیسے یہ الفاظ اس کے حقیقی الفاظ ہیں۔ اس مجلے کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم میں شامل کی گئی آپ بیتیوں میں انگریزی الفاظ کا چناؤ بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ آپ بیتی ''اور دنیا ساری خواب'' کا اقتباس اس حوالے سے پیش کیا جاتا ہے:

''ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں کراچی کے ''ایکسیلشر'' میں منعقدہ ''آل پاکستان رائٹر گلڈ'' کی ایک میٹنگ کی صدارت کرنے کے بعد ہال کمرے سے باہر نکلا تو قراۃ العین حیدر سے میری ملاقات ہو گئی جو میٹنگ میں بھی موجود تھی۔''(۳۹)

آپ بیتی میں فنی لوازمات کا اظہار خوبصورتی سے ہونا چاہیے۔ آپ بیتی کے اگر فنی لوازمات کی بات کریں تو اس میں ایجاز واختصار بھی ہونا چاہیے۔ آزادی خیال بھی ہو اور حسن انتخاب بھی، حقیقت کا اظہار بھی ہو اور جانب داری بھی نہ ہو، واقعات میں ربط و تسلسل بھی ہو، اظہار بلا تعصب ہو اور جذباتی انداز کی جھلک کا اظہار بھی نہ ہو۔ یہ تمام اوصاف ایک اچھی آپ بیتی کے لیے ضروری ہیں۔

آپ بیتی کے فن میں تین اہم ضروری عناصر ہیں۔

۱۔ مصنف کا حلقہ احباب　　۲۔ مصنف کا اسلوب　　۳۔ الفاظ کا چناؤ

اس مجلے کے پاکستانی ادب کے اُردو تراجم کی آپ بیتیاں فنی لحاظ سے وہ خصائص رکھتی ہیں جو کہ ایک مؤثر آپ بیتی کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے۔ ان میں ایجاز واختصار بھی ہے۔ اور غیر جانب داری بھی، یہ تکلف کے بغیر ہیں اور سادہ احوال زندگی پر مشتمل ہیں، نیز اندازِ بیان میں حسن بیان ہے اور لہجہ پُر توانا ہے۔ اگرچہ یہ اصنافِ سخن اس مجلے کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں زیادہ شائع نہیں کی گئی، تاہم اس مجلے کا حصہ بننے والی آپ بیتیاں اعلیٰ اوصاف کی حامل ہیں۔ اِن آپ بیتیوں میں اُصول وضوابط کی پاسداری بھی موجود ہے اور دلکشی اور رعنائی بھی۔ گویا یہ آپ بیتیاں پاکستان میں شائع ہونے والے رسائل و جرائد سے ہر اعتبار سے یکسانیت رکھتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ محمد امین بھٹی، محمد ثقلین بھٹی، اظہر اللغات، اظہر پبلشرز، لاہور، س۔ن، ص۷۰۶

۲۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصناف ادب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص۱۴۸

۳۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۶، ص۱۶۷،۱۶۶

۴۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، بک ٹائم کراچی، ۲۰۱۷، ص۳۹۵

۵۔ امجد اقبال، مترجم، شیخ ایاز: شخص اور شاعر، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۹ء، ص۱۷۵

۶۔ عبدالرؤف عارف، مترجم، پشتو افسانہ۔ نئی تحقیق (۱۹۷۸۔۱۹۸۸)، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۴ء، ص۳۰۶

۷۔ جنید اخلاق، سید، اداریہ، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۱۱۴۔۱۱۵، اکتوبر ۲۰۱۷ تا مارچ ۲۰۱۸ء

۸۔ علی آکاش، مترجم، لوک کہانیوں کی علمی اہمیت، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، شمارہ نمبر ۱۱۴۔۱۱۵، اکتوبر ۲۰۱۷ء تا مارچ ۲۰۱۸ء، ص۲۸۴

۹۔ محمد امین بھٹی، محمد ثقلین بھٹی، اظہر اللغات، اظہر پبلشرز، لاہور، س۔ن، ص۲۴۷

۱۰۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصناف ادب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص۱۷۶

۱۱۔ جاوید اقبال، سید، اختر شیرانی کی مکتوب نگاری، مشمولہ ''قومی زبان''، کراچی، جنوری ۲۰۰۲، ص۴۳

۱۲۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، بک ٹائم کراچی، ۲۰۱۷، ص۳۹۹

۱۳۔ کرن سنگھ، مترجم، خط، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۹ء، ص۲۶۷

۱۴۔ ایضاً، ص۲۶۹

۱۵۔ ایضاً، ص۲۷۰

۱۶۔ ایضاً، ص۲۷۱

۱۷۔ محمد امین بھٹی، محمد ثقلین بھٹی، اظہر اللغات، اظہر پبلشرز، لاہور، س۔ن، ص۱۵

۱۸۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصناف ادب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص۱۶۶

۱۹۔ احمر رفاعی، فنِ سوانح نگاری ایک نظر، مشمولہ ''ماہنامہ نگار''، کراچی، جنوری فروری ۱۹۹۶، ص۴۳

۲۰۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، بک ٹائم کراچی، ۲۰۱۷، ص۳۵

۲۱۔ صبیحہ انور، ڈاکٹر، اُردو میں خود نوشت، سوانح حیات، ص۳۵۰

۲۲۔ ممتاز عارف، مترجم، میرا بچپن، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۷ء، ص ۱۸۲

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۸۳

۲۴۔ اسلم راحیل مرز، مترجم، دنیا ساری خواب، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۹ء، ص ۲۶۰

۲۵۔ ممتاز عارف، مترجم، میرا بچپن، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۷ء، ص ۱۸۴

۲۶۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، بک ٹائم کراچی، ص ۳۹۵

۲۷۔ عبدالرؤف عارف، مترجم، پشتو افسانہ۔ نئی تحقیق (۱۹۷۸۔۱۹۸۸)، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۴ء، ص ۳۰۶

۲۸۔ آفاق صدیقی، مترجم، شیخ ایاز: میری نظر میں، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۹ء، ص ۱۵۶

۲۹۔ عذرا ثروت، مترجم، شیخ ایاز کی رحلت، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۹ء، ص ۱۶۹

۳۰۔ ایضاً، ص ۲۱۰

۳۱۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصنافِ ادب، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۷۷

۳۲۔ کرن سنگھ، مترجم، خط، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۹ء، ص ۲۶۸

۳۳۔ ایضاً، ص ۲۷۰

۳۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۱۵

۳۵۔ فرزانہ کوکب، اُردو آپ بیتی میں مابعد الطبیعاتی عناصر، ماہ نو، لاہور، فروری مارچ ۱۹۹۷ء، ص ۷۷

۳۶۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، بک ٹائم کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۳۶

۳۷۔ اسلم راحیل مرزا، مترجم، دنیا ساری خواب، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۹ء، ص ۲۵۹

۳۸۔ ممتاز عارف، مترجم، میرا بچپن، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۷ء، ص ۱۸۲

۳۹۔ اسلم راحیل مرزا، مترجم، دنیا ساری خواب، مشمولہ مجلہ ''ادبیات''، بہار ۱۹۹۹ء، ص ۳۶۲

باب پنجم:

مجموعی جائزہ، تحقیقی نتائج اور سفارشات

الف۔ مجموعی جائزہ:

اکادمی ادبیات پاکستان ۱۹۷۶ء کو قائم ہوئی۔۱۹۷۸ء میں اس ادارے کے قیام کے مقاصد متعین کیے گئے۔ان مقاصد میں ایک مقصد ''قومی یکجہتی اور فکری مفاہمت کے فروغ کے لیے مختلف پاکستانی زبانوں کے بین اللسانی تراجم کی اشاعت کرنا'' تھا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اکادمی ادبیات پاکستان کے مدیران نے مختلف پاکستانی زبانوں کی اصنافِ سخن کو اُردو زبان میں ترجمہ کروا کر شائع کروایا۔ سندھی، بلتی، پشتو، پاکستانی انگریزی، گوجری، بلوچی، براہوی، کشمیری، چھاچھی، شنا، پنجابی، سرائیکی وغیرہ سے نظموں، غزلوں، ڈراموں، افسانوں، کافیوں، سفرناموں اور داستانوں کے اُردو تراجم کیے۔ اور وہ مقصد جو اکادمی ادبیات پاکستان نے طے کیا تھا، اس کو پورا کرنے کی سعی کی۔ان تراجم کی بدولت قومی سطح پر یکجہتی کی فضا قائم ہوئی اور اخوت اور بھائی چارے کے خدوخال پروان چڑھے۔اس کے علاوہ اس سے اس ملک میں بسنے والے لوگوں کے طرز رہن سہن، بودوباش، رسوم ورواج اور تہذیب و ثقافت سے بھی واقفیت ہوئی۔ اس ادارے نے بین الاقوامی ادب سے بھی کتابیں ترجمہ کروائیں۔ان تراجم نے زمینی فاصلوں کو کم کر دیا۔یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان تراجم نے پوری دنیا کو ایک ''گلوبل ویلج'' بنا دیا ہے۔ ہمارے ہاں اکثر شعری اور نثری اصناف ادب بین الاقوامی ادب سے داخل ہوئی ہیں ۔کچھ علامتیں، استعارے، تلمیحات اور محاورے بھی بین الاقوامی ادب کی وجہ سے منظر عام پر رونما ہوئے ہیں۔ گویا ان نئی اصنافِ سخن اور علامتوں وغیرہ سے آگاہی بین الاقوامی ادب کی وجہ سے ہوئی ہے۔

اکادمی ادبیات پاکستان ایسا ادارہ جس نے پاکستانی زبانوں کے ادب اور بین الاقوامی ادب کے فروغ میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ خصوصاً اُردو تراجم کی ترویج اور اشاعت میں اس ادارے کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ فروغِ اُردو میں اس ادارے کے اہم اقدامات درج ذیل ہیں: ہئیت حاکمہ، مطبوعات، سہ ماہی اُردو مجلہ ''ادبیات''، ششماہی انگریزی رسالہ، ماہانہ خبر نامہ ''اخبار ادب اکادمی''، پاکستانی ادب: سالانہ انتخاب (منتخب نثر، منتخب شاعری)، کتابیات پاکستانی ادب، پاکستانی ادب کے معمار، صوفی شعراء کے تراجم، بین الاقوامی ادب کے تراجم، بین الاقوامی زبانوں میں تراجم، تحقیقی کتب، ادبی سرگرمیاں، ادبی پروگرام، اہل قلم

کانفرنس،ادبی سیمینار، شعبۂ تحقیق و ترجمہ، کتب کی نمائش،ادب اور قومی یکجہتی،عالمی روابط،ادبی اور علمی اداروں سے تعاون،ادیبوں کی فلاح و بہبود، گروپ انشورنس،اعزازت،کمال فن ایوارڈ، قومی ادبی ایوارڈ، شاہ عبد الطیف بھٹائیؒ اور تصوف ایوارڈ، لائبریری، رائٹرز گیلری، پاکستان کی تخلیقی کائنات،اکادمی ادبی گھر،ویب سائٹ اور انٹرنیٹ،صوبائی دفاتر،راٹر ہاؤس وغیرہ۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' نے اُردو زبان کی ترقی کے لیے احسن قدم اٹھائے ہیں۔جب سے یہ ادارہ قائم ہوا ہے اس وقت سے اب تک اُردو ادب کی خدمت اس کا خاصہ ہے۔پاکستانی زبانوں کے ادب اور بین الاقوامی ادب کی اشاعت اس اکیڈمی کا طرۂ امتیاز ہے۔پاکستانی زبانوں کے حوالے سے اس ادارے نے ایسے ایسے خصوصی نمبر اور عام شمارے شائع کیے ہیں جن کی وجہ سے اس ملک کے کونے کونے سے اصنافِ سخن سے آگاہی حاصل ہوئی ہے۔اس اکیڈمی نے پشتو، سندھی، کھوار، بلوچی، پنجابی وغیرہ کی اصناف ادب کو یکجا کر کے خصوصی نمبر شائع کیے ہیں۔تقریباً ہر شمارے میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم پر ایک گوشہ موجود ہوتا ہے جس میں کشمیری، چھاچھی، شنا، بلوچی، سندھی، سرائیکی، کھوار، پشتو، پنجابی اور براہوی ادب کی اصنافِ سخن ترجمہ کر کے شائع کی جاتی ہیں۔پاکستانی زبانوں کے حوالے سے اس مجلے کی اشاعتیں ادبی لحاظ سے کافی اہم ہیں۔

خصوصی نمبر اس مجلے کی خاص پہچان ہیں۔اس کے خصوصی نمبروں میں خواتین کا عالمی ادب نمبر،ادبیات سارک ممالک نمبر، قیام پاکستان کے بعد کی نسل نمبر، پاکستان اہل قلم خواتین نمبر۔نثری نظم نمبر،دارالحکومت سے دور اہل قلم نمبر، پرواسی ادب نمبر، پاکستانی زبانوں کے چار اہم شاعر نمبر، بچوں کا عالمی ادب نمبر (جلد اول)، بچوں کا قومی ادب نمبر (حصہ نظم)، بچوں کا قومی ادب نمبر (حصہ نثر)، ادبیات کا سوواں ایڈیشن نمبر اور نعت نمبر کافی اہم ہیں۔اس مجلے کے کچھ شخصی خصوصی نمبر بھی ہیں جن میں احمد ندیم قاسمی نمبر ا،احمد فراز نمبر، فیض احمد فیض نمبر، منیر نیازی نمبر،امرتا پریتم نمبر،احمد ندیم قاسمی نمبر ۲،جوش ملیح آبادی نمبر، مولانا الطاف حسین حالی نمبر اور ڈاکٹر نبی بخش نمبر خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔اس مجلے نے چھے خصوصی بین الاقوامی ادب نمبر ا تا ۶ بھی شائع کیے ہیں۔ان تراجم سے بین الاقوامی ادب کے اسالیب، جدید اصنافِ سخن، موضوعات، اور ہئیتی تنوع سے آگاہی حاصل ہوئی ہے۔جدید علامتوں، استعاروں اور محاوروں گویا پورے عالمی ادبی منظر نامے کے احوال معلوم ہوئے ہیں۔

اس مجلے نے پاکستانی زبانوں سے تعلق رکھنے والے نامور ادیبوں اور شاعروں کے گوشے بھی مختص کیے ہوئے ہیں۔ان گوشوں میں ان شاعروں اور ادیبوں کی نگارشات کو اردو زبان میں ترجمہ کر کے شائع کیا جاتاہے۔اس جریدے نے پاکستان کی تمام زبانوں یعنی سندھی، بلوچی، براہوی، پنجابی، کشمیری، شنا، گوجری، چھاچھی، بلتی اور سرائیکی وغیرہ سے شعری اور نثری اصناف ادب کو ترجمہ کروانے کا خصوصی اہتمام کیااور قومی یکجہتی کی ایسی فضا قائم کی جس کی مثالیں پاکستان میں بہت ہی کم ملتی ہیں۔اُردو تراجم کی ترویج و اشاعت میں اس ادارے کو اہم مقام حاصل ہے۔

اُردو ترجمے کا آغاز ابتدائے آفرینش سے ہے۔سماجی زندگی کی ترجمے سے گہری وابستگی ہے۔آج ترقی یافتہ قوموں نے جدید علوم کی آگاہی سے ہی ترقی کی منازل طے کی ہیں اور ان نئے علوم سے واقفیت تراجم کی بدولت ہوئی ہے۔ہر زبان میں ترجمے کو ایک خاص مقام حاصل ہے بالکل اس طرح اردو تراجم کو پاکستانی ادب میں اہم مرتبہ حاصل ہے۔اُردو نثری ترجمے کا آغاز دکن میں شاہ میراں جی خدا نما نے ابوالفضاہل عبداللہ بن محمد عین القضاہ ہمدانی کی تصنیف ''تمہیدات ہمدانی'' کا ترجمہ کر کے کیا۔ملا وجہی کی ''سب رس'' اُردو نثری ترجمے میں دوسرے نمبر پر ہے۔گویا اُردو میں نثری ترجمے کی ابتدا سترھویں صدی میں ہوئی۔اٹھارویں صدی میں طوطی نامہ، روضتہ الشہدا، توریت اور انجیل کے تراجم خاصے اہم خیال کیے جاتے ہیں۔قرآن مجید کے تراجم میں شاہ رفیع الدین اور ان کے بھائی شاہ عبدالقادر کے تراجم اُردو میں ہونے والے ابتدائی تراجم خیال کیے جاتے ہیں۔

اگرچہ زبان کی ترقی تخلیق فن کاروں، ناقدین، محققین، مصنفین اور شاعروں کی انفرادی مساعی سے مشروط ہوتی ہے تاہم زبان کے ارتقا، نشوونما اور اس کی مقبولیت میں علمی اداروں کا کردار بھی خاصہ اہم رہاہے۔خاص طور پر اُردو جیسی زبان کے سلسلہ میں تو ایسے ادارے مزید اہمیت حاصل کر لیتے ہیں کیوں کہ اُردو کی عمر بہت زیادہ نہیں ہے۔انگریز حکمرانوں نے بھی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اُردو کی زبان کی ترویج واشاعت کے لیے بعض ایسے ادارے قائم کیے جو اب ہماری ادبی تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔فورٹ ولیم کالج اگرچہ تدریسی مقاصد کے لیے بنا تھا مگر بالواسطہ طور پر اُردو نثر میں سلاست کے فروغ کا باعث بھی بنا۔

اُردو تراجم کی روایت کی طرح ڈالنے میں فورٹ ولیم کالج کو اہم حیثیت حاصل ہے۔اگرچہ انگریزوں نے یہ کالج اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے قائم کیا تھا، تاہم اُردو کے فروغ میں اس کالج نے گراں قدر

خدمات سرانجام دیں۔ گلکرائسٹ، میر امن دہلوی، میر شیر علی افسوس، حیدر بخش حیدری، للولال کوی اور کاظم علی جوان اس کالج کے اہم مترجم ہیں۔ دہلی کالج کا بھی اگرچہ درس وتدریس کے لیے قائم کیا گیا تھا لیکن اس نے اردو زبان کے سلسلہ میں بھی خاصی خدمات سرانجام دیں۔ دہلی کالج کا اسی لیے کسی نہ کسی حیثیت میں ادبی تواریخ میں ہوتا رہا ہے۔ اُردو تراجم کے ارتقاء میں دہلی کالج کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ جدید علوم کی تدریس میں اس کالج کا کردار خاصا اہم ہے۔ تراجم نگاری کے ضمن میں اس کالج نے قوانین وضع کیے۔ اس کالج نے مذہبی تراجم پر زیادہ زور دیا۔ اس کالج نے ورنیکلر لینگوتیج کے نام سے ایک سوسائٹی بھی قائم کی جس نے ترجمہ کرنے کے اصول و ضوابط متعین کیے۔ سرسید احمد خان کی سائٹیفک سوسائٹی نے اُردو تراجم کی روایت کو آگے بڑھایا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بہت سی کتب اس سوسائٹی کے ذریعے ترجمہ ہوئیں۔

اُردو تراجم کے فروغ میں انجمن پنجاب کا نام بھی لیا جاسکتا ہے۔ اس نے مشہور انگریزی کتب کے منظوم ترجمے کیے۔ سائنسی تراجم کو اس انجمن نے خاص جگہ دی۔ دہلی کالج کے برعکس انجمن پنجاب کے مقاصد تدریس تخلیقی تھے یعنی اس انجمن نے عشق و محبت پر مشتمل غزلیہ شاعری کو چھوڑ کر حقیقت پر مبنی شاعری نظم نگاری پر توجہ دی۔ اس انجمن کے تحت مشاعرے ہوتے تھے جن کے روح رواں مولانا محمد حسین آزاد تھے۔ مولانا حالی نے مختلف موضوعات پر نظمیں لکھی۔ اس سے پہلے نظیر اکبر آبادی، میر اور سودا مختلف موضوعات پر نظمیں لکھ چکے تھے۔ اس لیے مخالفت بھی ہوئی اور یہ مشاعرے کسی بڑی تخلیقی تحریک کے آغاز کے لیے محرک ثابت نہ ہوسکے۔

انجمن پنجاب کی طرح روہیل کھنڈ سوسائٹی نے علمی اور مغربی علوم کی کتابوں کے تراجم کیے۔ انجمن ترقی اُردو نے اُردو ترجمے کی روایت کو مستحکم کیا۔ اس انجمن کا مقصد اُردو زبان و ادب کا فروغ اور تراجم کی اشاعت تھا۔ اصطلاح سازی کے بارے میں ''وضع اصطلاحات'' اس ادارے نے شائع کی۔

انجمن ترقی اُردو نے بھی اڑدو زبان وادب اور تخلیقی و تنقیدی کتب کی تدوین اور اشاعت کے سلسلے میں ایک فعال کردار ادا کیا ہے۔ جہاں انجمن نے بہت سی کتابیں طبع کیں وہاں محققانہ مقالات کی اشاعت کے لیے مختلف مجلے شائع کیے۔ پاکستان اور ہندوستان میں اس انجمن نے تحقیق، تنقید، لسانیات، لغت، تاریخ، فلسفہ، سائنس اور دیگر علمی موضوعات پر طبع زاد کتب اور تراجم شائع کیے۔ اس انجمن کو ہندوستان میں کام کرتے ہوئے ایک صدی گزر چکی ہے جب کہ پاکستان میں اس کے کام کو نصف صدی کا عرصہ ہو گیا ہے۔

دارالمصنفین،اعظم گڑھ نے اُردو کی ترویج و اشاعت میں خصوصی دلچسپی لی۔اس ادارے نے انگریزی نا سمجھنے والوں کے لیے کتب ترجمہ کروائیں۔یہ تراجم عربی مترجمین نے کیے،اس لیے ان میں عربی کی آمیزش نظر آتی ہے۔بیسویں صدی کے اوائل میں اُردو تراجم کی ترقی میں جامعہ عثمانیہ ایک اہم نام ہے۔اس ادارے نے مترجمین کو تنخواہ پر مامور کیا اور مستند تراجم کروائے۔نصابی کتب کی تیاری اس ادارے کا عظیم کارنامہ ہے۔اس ساری مساعی کا محرک جذبہ یہ تھا کہ ہر سطح پر علم کے ہر شعبہ سے متعلق مضمون کی تدریس اُردو میں ہو گی۔اس مقصد کے لیے تراجم کتب کے ساتھ ساتھ ریاضی، سائنس، منطق،نفسیات اور علوم وفنون کی اصطلاحوں کے اُردو تراجم بھی کیے گئے۔وضع اصطلاحات کے لیے ایک کمیٹی تشکیل کی گئی جس میں اس وقت کی اہم علمی شخصیات شامل تھیں۔وحید الدین سلیم تراجم اور اصطلاح سازی بہت فعال تھے۔اُن کی تالیف ''وضع اصطلاحات'' اس موضوع پر آج بھی اہم خیال کی جاتی ہے۔مجلس زبان دفتری پنجاب نے دفتری اصطلاحات کے اُردو میں تراجم کیے۔ملازمین کے قوانین کے تراجم اس ادارے کا خاص کام ہے۔

قیام پاکستان کے بعد نیشنل بک فاؤنڈیشن نے اُردو تراجم کی روایت کو برقرار رکھا۔یہ ادارہ سستی کتب کی فراہمی، نصابی و غیر نصابی کتب کی تیاری، حوالہ جاتی کتب کے علاوہ تقریباً تمام پاکستانی زبانوں کے تراجم کرنے میں پیش پیش ہے۔ان تراجم کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ سادہ، رواں اور عام فہم ہیں۔اکادمی ادبیات پاکستان ایک ایسا ادارہ ہے جو فروغِ اُردو میں اہم اقدامات کیے ہوئے ہے۔پاکستانی زبانوں کے تراجم اور بین الاقوامی ادب کے تراجم میں اس اکیڈمی کی خدمات بہت زیادہ ہیں۔

اس ادارے کے سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' نے سندھی، بلوچی، براہوی، پاکستانی انگریزی، چھاچھی، کشمیری، پنجابی، گوجری، شنا اور پشتو سے ڈراموں، نظموں، غزلوں، افسانوں خطوں، دوہوں اور مضامین کو اُردو میں منتقل کر کے اُردو ادب کی بہت خدمت کی ہے۔اس کے چھے خصوصی شمارے بین الاقوامی ادب کے تراجم کے متعلقہ ہیں۔اس مجلے نے پاکستانی زبانوں اور بین الاقوامی ادب کے پھیلاؤ میں کافی پیش رفت کی ہے۔ادارہ فروغِ قومی زبان (مقتدرہ قومی زبان) اُردو کو سرکاری زبان رائج کرنے کے لیے بنایا گیا۔اُردو تراجم کی روایت کو اس ادارے نے خوبصورتی سے آگے بڑھایا ہے۔اُردو سائنس بورڈ اور اقبال اکادمی نے اُردو کی ترویج و اشاعت کے ساتھ ساتھ تراجم کے فروغ میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔

پاکستان میں اس ملک کی مختلف یونیورسٹیاں بھی اُردو تراجم کے فروغ میں اپنا حصہ ڈالتی رہی۔ کراچی یونیورسٹی کا شعبہ تالیف و تصنیف و ترجمہ اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ مختلف پاکستانی اداروں میں اس یونیورسٹی نے جانشینی کرتے ہوئے تراجم و تالیف میں اہم کردار ادا کیا۔ بالعموم عربی سے تراجم اور بالخصوص انگریزی سے تراجم میں اس یونیورسٹی کی خدمات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔اس یونیورسٹی نے بارہ سے زائد فرہنگیں بھی شائع کیں۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور اور فیصل آباد کی زرعی یونیورسٹی نے بھی تراجم کے ضمن میں اہم کردار ادا کیا۔ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز،اسلام آباد بھی اُردو تراجم کی روایت کو آگے بڑھانے میں ایک اہم حوالہ ہے۔

ان اداروں کے علاوہ کئی ادبی شخصیات نے بھی اردو تراجم کی روایت کو مستحکم کرنے میں کوشاں رہی ہیں۔ علامہ اقبال جیسی عظیم شخصیت بھی ترجمے سے اپنے دامن کو نہیں بچا سکی۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے اردو تراجم نے اردو ادب کے ذخائر میں بے پناہ اضافہ کیا ہے۔ پاکستانی زبانوں کے تراجم سے اس ملک کے ہر حصے سے لوگوں کے رہن سہن، معاشرت، بود و باش، رسوم و رواج، عادات و خصائل اور تہذیب و ثقافت کا علم ہوا ہے۔ گویا ان تراجم نے قومی یکجہتی کی فضا قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ان تراجم کی بدولت پوری پاکستانی قوم ایک رنگ میں رنگتی ہوئی نظر آتی ہے۔ گو اس قوم کے رنگ، نسل، قبیلے اور رسوم و رواج میں تفاوت ہے تاہم بطور مجموعی اُردو زبان نے اس پوری قوم کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے اور اُردو تراجم نے اتفاق و اتحاد کی فضا کو مزید مستحکم کیا ہے۔ان تراجم کی بدولت ملک کے ہر حصے کی معاشرتی، سماجی، ثقافتی اور تہذیبی تبدیلیوں سے بھی آگاہی ہوئی ہے۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' نے اپنی اشاعت کا آغاز جولائی تا ستمبر ۱۹۸۷ء میں کیا اور اب تک اس کے ۱۱۹ شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ اس مجلے کا تقریباً کوئی شمارہ ایسا نہیں ہے جس میں پاکستانی زبان و ادب سے نگارشات شائع نہ ہوئی ہوں۔ اکثر شماروں میں پاکستانی زبانوں کے گوشے مختص کیے ہوئے ہیں جن میں پاکستانی زبانوں کی تخلیقات کے تراجم شائع ہوتے ہیں۔

اس مجلے نے بین الاقوامی ادب کے فروغ میں بھی نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ بین الاقوامی ادب پر مشتمل ان شماروں کی بنیاد ۱۹۹۵ء میں بے نظیر بھٹو کی زیر صدارت ہونے والی کانفرنس میں رکھی گئی۔ اس کانفرنس میں ایک سو ممالک سے زائد ۴ سو مندومین نے حصہ لیا اور چھے شماروں کی صورت میں ایک سو پندرہ ممالک کے بین

الا قوامی ادب کے افسانوں اور شاعری کا ترجمہ کیا۔ان تراجم سے غیر ملکی ادب سے بھی آگاہی حاصل ہوئی ہے۔پاکستانی زبانوں کے تراجم اور بین الاقوامی ادب کے تراجم میں حمد،نعت، افسانے، غزلیں، نظمیں، مضامین،حکائیتں اور ڈرامے شامل ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے شعری تراجم اُردو زبان وادب میں انمول اضافہ ہیں۔ان شعری تراجم میں حمد،نعت، نظمیں، غزلیں، گیت، دوہے، ماہیے، منقبت، رباعیات، قطعات وغیرہ کے تراجم شامل ہیں۔ ان شعری تراجم کے موضوعات میں تنوع، رنگا رنگی اور زبان وبیان کی خوبیاں موجود ہیں۔یہ موضوعات زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں،یعنی ان موضوعات میں وسعت اور ہمہ گیریت موجود ہے۔ان تراجم کی فنی خصوصیات پاکستان میں شائع ہونے والے دیگر رسائل و جرائد کے معیارات سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔

اس مجلے کی حمدیہ شاعری کے تراجم کے موضوعات اللہ تعالیٰ کی تعریف و مدح سرائی سے تعلق رکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے لامحدود اختیارات کا بیان حمد کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ عشق حقیقی کا موضوع بھی ان حمدیہ تراجم میں مل سکتا ہے۔حمدیہ شاعری میں تشبیہات واستعارات کے علاوہ فنی اسلوب بیان، ترنم، روانی، صنعتوں کا استعمال، خوش آہنگی اور فنی پختگی کے لوازمات کا اظہار دیکھا جاسکتا ہے۔نعتیہ شاعری کے تراجم کے موضوعات میں سیرت پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، عشق مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، واقعہ معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، مدینہ پاک، گنبد خضری صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سراپا کا بیان ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات اور اوصافِ حمیدہ کے موضوع بھی ان تراجم کا خاصہ ہیں۔ان تراجم کی نعتیہ شاعری میں علم بیان اور علم بدیع کے علاوہ اظہار کی موزونیت اور شگفتگی کے احسن نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے اُردو تراجم میں نظموں کے کثیر تعداد میں نمونے موجود ہیں۔ تقریباً نظم کی تمام اقسام کے تراجم اس کے شماروں کی زینت بنتے رہے۔ پابند نظم، نظم معّری، آزاد نظم، رباعی، قطعہ اور سانیٹ کے اُردو تراجم اس مجلے میں شائع ہوتے رہے ہیں۔سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے نظموں کے موضوعات میں مذہبی، معاشرتی، اخلاقی، سیاسی، حکیمانہ، تہذیبی، عاشقانہ اور فلسفیانہ شامل ہیں۔ فنی نقطۂ نظر کے لحاظ سے نظم میں علامتیں، تشبیہات واستعارات، صنعتوں کا استعمال، ایجاز و اختصار، محاکات، منظر کشی، تراکیب سازی اور معنویت کے خوبصورت اظہار دیکھے جاسکتے ہیں۔رُباعی میں ہر موضوع سما سکتا ہے۔اس مجلے میں رباعی کے اُردو

تراجم بہت کم ہیں، اس لیے ان میں صرف مدینہ پاک کی عظمتیں اور پشتون قبیلے کی سستی اور کاہلی کے موضوعات بیان ہوئے ہیں۔فنی خصوصیات میں صنعتوں کا استعمال اور تشبیہات واستعارات کا اظہار رُباعی کے اُردو تراجم میں دیکھا جا سکتا ہے۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے اُردو تراجم میں قطعات کا ذخیرہ بھی محدود ہے۔اُردو تراجم میں صرف دو قطعات شائع کیے گئے ہیں۔ان قطعات میں ہوا کا خوف اور جدید دور کے مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔فنی لوازمات میں تشبیہات واستعارات، ترنم، روانی اور شگفتگی ان قطعات کا خاصہ ہے۔غزل کے تراجم اس مجلے میں بہت زیادہ شائع کیے گئے ہیں۔کوئی بھی شمارہ ایسا نہیں ہے جس میں غزل کے تراجم کی اشاعت نہ کی گئی ہو۔یہی وجہ ہے کہ اس مجلے میں غزل کے ضمن میں موضوعات کی کثرت ہے۔دنیا کا ہر طرح کا موضوع ان غزلوں میں مل سکتا ہے۔ان غزلوں میں انقلاب، موسم اور فطرت، سقوط ڈھاکہ، محبت اور اس کی کیفیات، کشمیر اور اس پر ظلم و ستم، عشق و عاشقی، ہجر و فراق، فرد کی محرومیاں اور تنہائی، تاریخی، سماجی، عصری، معاشی، تہذیبی، ثقافتی، اساطیری، مذہبی وغیرہ موضوعات و مسائل پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ان غزلوں میں فنی خصائص کی بھی بہتات ہے۔غزلوں کے ان تراجم میں تلمیحات، تشبیہات واستعارات، تراکیب، ترنم، روانی، شگفتگی، دلنشین اسلوب بیان، خوش آہنگی، صنعتوں کے استعمال وغیرہ کی فنی خصوصیات موجود ہیں۔اس مجلے کے اُردو تراجم میں گیت بھی شائع ہوتا رہا ہے۔جدائی، غم، ملن، مناظرِ فطرت، عشق و محبت وغیرہ اس مجلے کے اُردو تراجم کے حوالے سے شائع ہونے والے گیتوں کے فنی خصائص ہیں۔

دوہا بھی اس جریدے کے اُردو تراجم میں شامل اشاعت ہوتا رہا۔اس کے موضوعات میں فرد، فطرت، ڈھور ڈنگر، پنچھی اور پکھیرو وغیرہ شامل ہیں جبکہ فنی خوبیوں میں تشبیہات و استعارات، سادہ اسلوب، ترنم، شگفتگی اور روانی شامل ہے۔پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں منقبت خال خال ہی نظر آتی ہے۔صرف ایک منقبت اُردو تراجم کے تحت شائع ہوئی ہے جس میں چاروں خلفاء اکرام کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت کے موضوع کو بیان کیا گیا ہے۔اس منقبت میں تشبیہ کا اظہار بھی موجود ہے۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات''میں بے شمار افسانے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم کے تحت شائع کیے گئے ہیں۔ان افسانوں میں موضوعاتی تنوع کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ان افسانوں کے موضوعات میں انسانی محبت اور بھائی چارہ، جدید دور میں انسانی مسائل اور ان کا حل، سماجی مسائل جیسے زن، زمین اور زر کے

جھگڑے، عورتوں پر ظلم و ستم، موجودیت، سرئیلزم، عصریت اور عصری آگہی، جدیدیت، مرد و عورت کے رشتے کی آویزش، نفسیاتی مسائل جیسے جنس کا مسئلہ، وڈیرا نظام کے خلاف رد عمل، تنہائی، بے بسی، لاچارگی، ضعیف الاعتقادی کے مسائل، رومانیت اور عشق و محبت، تاریخی موضوعات، نسوانی جذبات کی عکاسی، بین الاقوامی مسائل (تراجم کے ذریعے تجزیہ و مطالعہ) اور تارکین وطن کے مسائل وغیرہ شامل ہیں۔ فنی خصائص میں سے بیانیہ اسلوب، تشبیہات و استعارات، علامات، محاکات، منظر کشی اور تجسیم کاری، امیجری یا تصویر کشی، انگریزی الفاظ کا استعمال وغیرہ کا واضح اظہار دیکھنے میں ملتا ہے۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں ڈرامے کے حوالے سے بہت کم مواد شائع کیا گیا ہے۔ ان ڈراموں کے موضوعات زندگی کے قریب اور دیگر رسائل و جرائد سے مطابقت رکھتے ہیں۔ ان ڈراموں میں فنی لوازمات کا اظہار بھی احسن انداز میں ہوا ہے۔ پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے صرف دو داستانیں اس مجلے کے شماروں میں شامل ہیں۔ ان میں سے ''کیسر داستان'' میں عشق و محبت کا موضوع بیان ہوا ہے جبکہ دوسری داستان ''سر کلیان داستان اوّل'' میں اللہ رب العزت کی حمد و ثنا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت و بزرگی کا موضوع دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان داستانوں میں تشبیہات و استعارات، تکرار لفظی وغیرہ جیسی فنی خصوصیات پڑھنے کو ملتی ہیں۔

غیر افسانوی نثر میں آپ بیتی بھی سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے اُردو تراجم میں اہم خصوصیت کی حامل ہے۔ اس مجلے کے اُردو تراجم میں آپ بیتی (خود نوشت) کے موضوعات میں لکھنے والے کی اپنی ذات، ارد گرد کے اشخاص، ماضی کی یادیں، بچپن کی یادیں، اصلاحی، اخلاقی وغیرہ ہیں۔ فنی خصائص جو اس مجلے کی آپ بیتیوں کے اُردو تراجم میں آئیں، اُن میں رواں، سادہ اور سلیس اسلوب، ہندی الفاظ کا استعمال، انگریزی الفاظ کا استعمال، تراکیب وغیرہ شامل ہیں۔

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں مضامین کے موضوعات کی کافی وسعت ہے۔ ان موضوعات میں زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یعنی ان موضوعات میں ایک شخص کی پیدائش، موت، جوانی، شادی، بڑھاپا کے علاوہ مذہبی، سیاسی، ادبی، علمی، معاشرتی، تاریخی، فلسفیانہ، تحقیقی، تخلیقی اور تنقیدی مضامین مل سکتے ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس پر قلم فرسائی نہ کی گئی ہو۔ فنی نقطۂ نظر کے لحاظ سے ان اُردو تراجم میں تراکیب، محاورات، تشبیہات و استعارات، علامات، ہئیتی تنوع،

تلمیحات، تمثال آفرینی اور منفرد اسلوب پایا جاتا ہے۔اس مجلے کے پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم میں مکتوب نگاری کے موضوعات میں سادگی و پرکاری، حقیقت نگاری، منظر نگاری، شکوہ شکایت، واقعہ نگاری اور انسان دوستی زیادہ اہم ہیں۔ فصاعت و بلاغت، ایجاز و اختصار، تشبیہات و استعارات، فنی سطر کاری اور شیریں اسلوب ان مکتوب کا خاصہ ہے۔

ب۔ تحقیقی نتائج:

اس تحقیق سے سامنے آنے والے حاصلات درج ذیل ہیں:

اَ. سہ ماہی مجلّہ ''ادبیات'' کے اُردو تراجم کے موضوعات، اُردو ادب کی شعری اور نثری اصناف ادب سے ہم آہنگ ہیں۔ ان موضوعات میں تصوف، عشق و عاشقی، مذہبی، معاشرتی، تہذیبی، سیاسی، اخلاقی، حکیمانہ، فلسفیانہ، ثقافتی، عورتوں پر ظلم و ستم، عصریت اور عصری آگہی، جدیدیت، مرد اور عورت کے رشتے کی آویزش، وڈیرا نظام کے خلاف رد عمل، تاریخی، نسوانی جذبات کی عکاسی، کشمیریوں پر ظلم و بربریت، تارکین وطن کے مسائل اور بین الاقوامی مسائل (تراجم کے ذریعے تجزیہ اور مطالعہ) شامل ہیں۔ پاکستانی زبانوں کے ادب کے اُردو تراجم نے اردو ادب کے دامن کو وسیع کر دیا۔ ان زبانوں کے افسانے اور شاعری سے اردو افسانے اور شاعری کے موضوعات، مضامین، استعارے، شعری محاسن بل کہ ان زبانوں کی وفاقی اکائیوں کی ثقافت کے مشترکہ اور منفرد عوامل کو قومی زبان میں منتقل کیا۔

ب. فنی سطح پر مجلہ ''ادبیات'' کے موضوعات کا اظہار عمدگی سے ہوا ہے۔ مجلّہ ''ادبیات'' کے اُردو تراجم میں فنی خصائص جیسا کہ تشبیہات و استعارات، سلیس اور سادہ اسلوب، مرکبات و تراکیب، معنویت، اظہار کی موزونیت، زبان و بیان، منظر کشی، ایجاز و اختصار، علامت نگاری، خوش آہنگی، شگفتگی، ترنم، اور صنعتوں کا برملہ اظہار ملتا ہے۔ ان سب فنی خوبیوں کو مجلہ ''ادبیات'' کے اردو تراجم میں عمدگی سے برتا گیا ہے۔

ت. اِن اُردو تراجم کی بدولت شعراء اور ادباء کو تمام پاکستانی اصنافِ ادب کے موضوعات اور اسالیب سے واقفیت ہوئی ہے۔ مختلف شعری اور نثری اصنافِ ادب میں استعمال ہونے والے یہ موضوعات اور

اسالیب کے اپنے اپنے معیارات اور ادبی تقاضے ہیں جو دیگر ادبی رسائل و جرائد اور جرنلز سے مماثلت اور یکسانیت رکھتے ہیں۔

ث. سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' ایک ایسا رسالہ ہے جس میں اُردو زبان سے شعری اور نثری اصنافِ ادب کے علاوہ تمام پاکستانی زبانوں سے اصنافِ ادب شائع ہو رہی ہیں۔ اُردو زبان و ادب کا فروغ اس مجلے کا اختصاص ہے۔ شعری، نثری اور افسانوی ادب کی کوئی قسم ایسی نہیں ہے جو اس میں شائع نہ ہوتی ہو۔ قدیم اور جدید اصنافِ ادب کی ترقی اور پھیلاؤ میں اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اپنی اسی خصوصیت کی بنا پر اس مجلے کو دورِ حاضر کے ادبی رسائل و جرائد اور جرنلز میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔

ج. اُردو تراجم کی ترویج اور اشاعت میں اس مجلے نے جو اقدامات اُٹھائے ہیں، وہ باعثِ فرحت اور تحسین کے لائق ہیں۔ تمام پاکستانی زبانوں جیسا کہ سندھی، براہوی، بلوچی، سرائیکی، پنجابی، پشتو، شنا، بلتی، گوجری، کشمیری اور پاکستانی انگریزی سے اُردو تراجم اس مجلے کا خاصہ ہیں۔

ح. مختلف پاکستانی زبانوں کی اصنافِ ادب کا مواد بکھرا ہوا اور بے ترتیب تھا جس کو ترجمہ کر کے اکٹھا کرنا اور شائع کروانا ایک اہم علمی و ادبی خدمت ہے۔ اس اعتبار سے اُردو زبان و ادب اور اُردو تراجم کے فروغ میں اِس مجلے کا کام پوری تندُہی کے ساتھ جاری و ساری ہے۔

خ. اس مجلے نے ایسی زبانیں جن کا شعری اور نثری ادب کم تھا، اُن کے ادب کو ترجمہ کی صورت میں منظرِ عام پر لا کر اُردو ادب میں اضافہ کیا ہے۔ مثلاً گلگتی، چھاچھی اور گوجری کے ادب کو ترجمہ کی صورت میں اُجاگر کرنے میں اس مجلے نے اہم اقدامات کیے ہیں۔

ج۔ سفارشات:

اِس مقالے کے ابواب میں جو بحث کی گئی اِن سے حاصل ہونے والے نتائج کی روشنی میں مقالہ نگار نے چند سفارشات مرتب کی ہیں جس کی بدولت یہ مجلہ اُردو تراجم کے فروغ کی خاطر نگارشات کے انتخاب اور تراجم کے پیشہ وارانہ معیار میں مزید بہتری لا سکتا ہے۔

ا۔ پاکستانی زبانوں کے ادب میں سے مختلف ادبی اصناف کے الگ الگ منتخبات پر مشتمل کتب کی اشاعت۔

۲۔ ایسے منتخبات الگ الگ زبانوں پر ہوں جیسے سندھی افسانہ، پنجابی افسانہ، پشتو شاعری وغیرہ۔

۳۔ ممکن ہو تو ان منتخبات میں اصل متون بھی ترجمے کے ساتھ آمنے سامنے شائع کیے جائیں۔

۴۔ سہ ماہی مجلہ ''ادبیات'' میں شائع شدہ تراجم پر مبنی کتب کو پاکستانی زبانوں اور ان کے ادب پر مختلف جامعات میں قائم شعبوں میں درسی مواد کے طور پر استعمال کیا جائے۔

۵۔ پاکستانی زبانوں اور ان کے ادب پر مبنی پاکستانی ادب کا تفصیلی دائرہ معارف مرتب کیا جائے جس میں اردو اور انگریزی پاکستانی ادب بھی شامل ہو۔

۶۔ پاکستانی زبانوں کے ادب کے تراجم کو اتنی وسعت دی جائے کہ اس سے قومی یکجہتی اور باہمی یگانگت بڑھتی چلی جائے۔

کتابیات

بنیادی ماخذ

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، جولائی تا ستمبر، ۱۹۸۷ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، اکتوبر تا دسمبر، ۱۹۸۷ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، جنوری تا مارچ، ۱۹۸۸ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، اپریل تا جون، ۱۹۸۸ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، جنوری تا مارچ، ۱۹۸۹ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، اپریل تا ستمبر، ۱۹۸۹ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، سرما، ۱۹۹۱ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، بہار، ۱۹۹۲ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، خزاں، ۱۹۹۲ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، سرما، ۱۹۹۳ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، بہار، ۱۹۹۳ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، خزاں، ۱۹۹۳ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، بہار، ۱۹۹۴ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، بہار۔ گرما، ۱۹۹۶ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، خزاں۔ سرما، ۱۹۹۶ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، بہار۔ گرما، ۱۹۹۷ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، خزاں۔ سرما، ۱۹۹۷ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، بہار۔ گرما، ۱۹۹۸ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، خزاں۔ سرما، ۱۹۹۸ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۹ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۰ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۱ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، جنوری تا مارچ، ۲۰۰۹ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، اپریل جون، ۲۰۱۰ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، جنوری تا مارچ، ۲۰۱۳ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، جولائی تا ستمبر، ۲۰۱۴ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، جنوری تا مارچ، ۲۰۱۵ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، اپریل تا جون ۲۰۱۵ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۵ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۵ء

ادبیات، سہ ماہی، ادبی مجلہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، جنوری تا جون ۲۰۱۶ء

ثانوی ماخذ

ابوالاعجاز صدیقی، مرتب، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء

ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، آج کا اُردو ادب، فیروز سنز لمیٹیڈ، لاہور، ۱۹۸۶ء

اسلم آزاد، ڈاکٹر، اُردو ناول آزادی کے بعد، سیمانت پرکاسن، دریا گنج، نئی دہلی، ۱۹۹۰ء

اشفاق احمد ورک، عطاالحق قاسمی، شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء

اظہار الحق/فرخ ے ار (مرتبین)، پاکستانی ادب ۲۰۰۱ء حصہ شعر، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء

اعجاز راہی، ڈاکٹر، نوبل انعام یافتہ ادیب، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۴ء

اعجاز راہی، مرتب، رودادِ سیمینار اُردو زبان میں ترجمے کے مسائل، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء

اقبال شمیم (مترجم)، چین کا ادب عہد بہ عہد شاعری سے انتخاب، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء

اکبر حمیدی (مرتب)، جدید اُردو انشائیہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء

الطاف قمر (مترجم)، جاٹ کی کرنوٹ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۴ء

انجمن آرا انجم، ڈاکٹر، آغا حشر کاشمیری اور اُردو ڈراما، لاہور، ۲۰۰۲ء

انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء

انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۹ء

انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء

انور سدید، ڈاکٹر، اُردو نثر کے آفاق، مقبول اکیڈمی، لاہور، جولائی، ۲۰۰۷ء

انور سدید، ڈاکٹر، پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، جنوری ۱۹۹۲ء

ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اُردو میں اُصول تحقیق (جلد اوّل و دوم)، ورڈ ویژن، طبع چہارم، اسلام آباد، ۲۰۰۱ء

اے بی اشرف، ڈاکٹر، شاعروں اور افسانہ نگاروں کا مطالعہ، لاہور، ۲۰۰۹ء

آصف فرخی، انتظار حسین شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء

تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، ادبی تحقیق کے اصول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء

جمیل احمد رضوی، سید، لائبریری سائنس اور اصول تحقیق، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء

جمیل جالبی، ڈاکٹر، ادبی تحقیق، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۰ء

جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، لاہور، ۱۹۷۵ء

جمیل جالبی، ڈاکٹر، معاصر ادب، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء

جنید آزر، اسلام آباد ادبی روایت کے پچاس سال، پرنٹ سٹائل، طبع اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء

حنیف کیفی، ڈاکٹر، اُردو میں نظم معری اور آزاد نظم، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء

خالد اقبال یاسر (مترجم)، انداز، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء

خالد اقبال یاسر (مترجم)، ڈیلفی کارتھ بان پیٹر کرسن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء

خالد اقبال یاسر (مترجم)، محبت روشن رہتی ہے، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء

خالد اقبال یاسر (مرتب)، مخدوم قلی، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء

خلیق انجم، مرتب، فن ترجمہ کاری، ثمر آفسٹ، پرنٹرز، نئی دہلی، ۱۹۹۵ء

رشید امجد، ڈاکٹر، (مرتب)، پاکستانی ادب ۱۹۹۰، انتخاب نثر، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء

رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصنافِ ادب، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء

سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء

سلیم اختر، ڈاکٹر، افسانہ حقیقت سے علامت تک، لاہور، ۱۹۷۶ء

سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء

سہیل احمد خان، ڈاکٹر، منتخب ادبی اصطلاحات، شعبہ اُردو، جی۔ سی۔ یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۰۵ء

شہناز انجم، ڈاکٹر، ادبی نثر کا ارتقا، پروگریسو، لاہور، ۱۹۸۹ء

صفی مرتضیٰ، سید، اصنافِ ادب کا ارتقا، لکھنو،۱۹۷۹ء

صوبیہ سلیم، ڈاکٹر، محمد صفدر رشید، مرتبہ فن ترجمہ کاری، ادارہ فروغِ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۱۲ء

ظہور الدین، پروفیسر، فن ترجمہ کاری، سیمانت پرکاش، دریاگنج دہلی، ۲۰۰۶ء

عبادت بریلوی، ڈاکٹر، غزل اور مطالعہ غزل، کراچی، ۱۹۵۵ء

عبیدہ بیگم، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۱۹۸۳ء

عتیق اللہ، ادبی اصلاحات کی وضاحتی فرہنگ، جلد اوّل، اردو مجلس دہلی، ۱۹۹۵ء

عطش درانی، ڈاکٹر، اُردو اصلاحات سازی، انجمن شرقیہ علمیہ، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء

عمر فاروق، ڈاکٹر، اصلاحات نقد و ادب، اُردو اکادمی، دہلی، ۲۰۰۴ء

غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، اُردو شاعری کا سیاسی اور سماجی پس منظر، جامع پنجاب، لاہور، ۱۹۶۶ء

فاخرہ نورین، ڈاکٹر، ترجمہ کاری، ادارہ تحقیقات اُردو، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء

فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اُردو ادب کی فنی تاریخ، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء

فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اُردو رباعی فنی اور تاریخی ارتقا، لاہور، ۱۹۸۲ء

فرمان فتح پوری، اُردو نثر کا فنی ارتقا، الاعجاز پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء

قمر رئیس، ڈاکٹر، خلیق انجم، ڈاکٹر، اصنافِ ادب اردو، فکشن ہاوس، لاہور، ۲۰۱۹ء

قمر رئیس، مرتب، ترجمہ، فن اور روایت، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۴ء

کلیم الدین احمد، اُردو زبان اور فن داستان گوئی، لاہور، ۱۹۶۶ء

لطیف ساحل، اُردو انشائیہ کے ابتدائی نقوش، لاہور، ۱۹۹۴ء

محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی)، بک ٹائم کراچی، ۲۰۱۷ء

مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، ترجمے کا فن، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، مغرب سے نثری تراجم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

نثار احمد قریشی، مرتب، ترجمہ روایت اور فن، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء
گیان چند جین، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، طبع دوم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء

انٹرنیٹ کا مواد

www.pal.gov.pk/02June2020/7:00pm
www.pal.gov.pk/03June2020/9:00pm
www.pal.gov.pk/04June2020/10:00am
www.pal.gov.pk/09June2020/8:00pm

فرہنگ

سید احمد دہلوی، فرہنگِ آصفیہ، جلد اوّل، مکتبہ حسن، سہیل لمٹیڈ، لاہور

لغات

قومی انگریزی اُردو لغت، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، طبع ششم، ۲۰۰۶

انٹرویوز

رشید امجد، ڈاکٹر، (انٹرویو) از راقم، اسلام آباد، ۵ جون ۲۰۲۰، بوقت بارہ بجے دن
خالد اقبال یاسر، ڈاکٹر، (انٹرویو) از راقم، اسلام آباد، ۱۰ جولائی ۲۰۲۰، بوقت دس بجے دن
اشفاق حسین بخاری، ڈاکٹر، (انٹرویو) از راقم، اسلام آباد، ۱۱۳ اگست ۲۰۲۰، بوقت تین بجے سہ پہر
اختر رضا سلیمی، (انٹرویو) از راقم، اسلام آباد، ۱۵ ستمبر ۲۰۲۰، بوقت پانچ بجے شام

اکادمی ادبیات پاکستان

اسلام آباد

فہرست پاکستانی زبانوں کے اوّلین ناول

نمبر شمار	ناول کا نام	پاکستانی زبان	ناول نگار	مترجم
۱	زینت	سندھی	شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ	امداد حسینی
۲	درچین	بلوچی	جام ورک	میر مٹھا خان مری
۳	سندھی شاعری	سندھی	نامعلوم	نیاز ھمایونی
۴	گل متی	شمالی علاقہ جات	روبینہ امتیاز قزلباش	
۵	پیر محمد کاکر	پشتو		عابد شاہ عابد
۶	منتخب سندھی افسانے	سندھی		سعیدہ دُرانی
۷	دوشیزہ	پشتو	محمد ادریس	حیران خٹک
۸	جاٹ کی کرتوت	پنجابی	میاں بخش منہاس	الطاف قمبر
۹	نازو	سرائیکی	ظفر لاشاری	حمید الفت ملغانی
۱۰	آفتاب تازہ (روشن پیش)	براہوی	گل بنگلزئی	غوث بخش صابر
۱۱	نازک	بلوچی	ظہور شاہ سید ہاشمی	غوث بخش صابر

اکادمی ادبیات پاکستان

اسلام آباد

فہرست اعزاز یافتگان

کمال فن ایوارڈ

نمبر شمار	ادبی شخصیت	سال ایوارڈ
۱	احمد ندیم قاسمی	۱۹۹۷ء
۲	انتظار حسین	۱۹۹۸ء
۳	مشاق احمد یوسفی	۱۹۹۹ء
۴	احمد فراز	۲۰۰۰ء
۵	شوکت صدیقی	۲۰۰۱ء
۶	منیر نیازی	۲۰۰۲ء
۷	ادا جعفری	۲۰۰۳ء
۸	سوبھو گیان چندانی	۲۰۰۴ء
۹	ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ	۲۰۰۵ء
۱۰	جمیل الدین عالی	۲۰۰۶ء
۱۱	محمد اجمل خان خٹک	۲۰۰۷ء
۱۲	عبداللہ جان جمالدینی	۲۰۰۸ء
۱۳	لطف اللہ خان	۲۰۰۹ء
۱۴	بانو قدسیہ	۲۰۱۰ء
۱۵	محمد ابراہیم جویو	۲۰۱۱ء

۱۶	عبداللہ حسین	۲۰۱۲ء
۱۷	افضل احسن رندھاوا	۲۰۱۳ء
۱۸	فہمیدہ ریاض	۲۰۱۴ء
۱۹	کشور ناہید	۲۰۱۵ء
۲۰	امر جلیل	۲۰۱۶ء
۲۱	ڈاکٹر جمیل جالبی	۲۰۱۷ء

اکادمی ادبیات پاکستان

اسلام آباد

فہرست سہ ماہی ادبی جریدہ ” ادبیِ اطفال“ کے شمارے

نمبر شمار	شمارہ نمبر	دورانیہ
۱	۱	اپریل تا جون ۲۰۱۷ء
۲	۲	جولائی تا ستمبر ۲۰۱۷ء
۳	۳	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۷ء
۴	۴	جنوری تا مارچ ۲۰۱۸ء
۵	۵	اپریل تا جون ۲۰۱۸ء
۶	۶	جولائی تا ستمبر ۲۰۱۸ء
۷	۷	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۸ء
۸	۸_۹	جنوری تا جون ۲۰۱۹ء

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات''

اسلام آباد

فہرست شمارہ جات

نمبر شمار	شمارہ نمبر	عنوان	دورانیہ	مدیر	قیمت
۱	شمارہ نمبر ۱	عمومی	جولائی تا ستمبر ۱۹۸۷ء	خالد اقبال یاسر	۱۵ روپے
۲	شمارہ نمبر ۲	عمومی	اکتوبر تا ستمبر ۱۹۸۷ء	خالد اقبال یاسرؔ	۱۵ روپے
۳	شمارہ نمبر ۳	عمومی	جنوری تا مارچ ۱۹۸۸ء	خالد اقبال یاسرؔ	۱۵ روپے
۴	شمارہ نمبر ۴	عمومی	اپریل تا جون ۱۹۸۸ء	خالد اقبال یاسرؔ	۱۵ روپے
۵	شمارہ نمبر ۵۔۶	عمومی	۱۹۸۸ء	خالد اقبال یاسرؔ	۱۵ روپے
۶	شمارہ نمبر ۷	عمومی	جنوری تا مارچ ۱۹۸۹ء	خالد اقبال یاسرؔ	۱۵ روپے
۷	شمارہ نمبر ۸۔۹	عمومی	اپریل تا ستمبر ۱۹۸۹ء	خالد اقبال یاسرؔ	۱۵ روپے
۸	شمارہ نمبر ۱۰۔۱۱۔۱۲	عمومی	اکتوبر ۱۹۸۹ء تا جون ۱۹۹۰ء	خالد اقبال یاسرؔ	۲۰ روپے
۹	شمارہ نمبر ۱۳۔۱۴۔۱۵	عمومی	۱۹۹۱ء	خالد اقبال یاسرؔ	۲۰ روپے
۱۰	شمارہ نمبر ۱۶	عمومی	۱۹۹۱ء	خالد اقبال یاسرؔ	۲۰ روپے

۱۱	شمارہ نمبر ۱۷	عمومی	۱۹۹۱ء	خالد اقبال یاسرؔ	۲۰روپے
۱۲	شمارہ نمبر ۱۸	عمومی	سرما ۱۹۹۲ء	خالد اقبال یاسرؔ	۲۰روپے
۱۳	شمارہ نمبر ۱۹	عمومی	بہار ۱۹۹۲ء	خالد اقبال یاسرؔ	۳۰روپے
۱۴	شمارہ نمبر ۲۰	عمومی	۱۹۹۲ء	خالد اقبال یاسرؔ	۔
۱۵	شمارہ نمبر ۲۱	عمومی	۱۹۹۲ء (خزاں)	خالد اقبال یاسرؔ	۴۰روپے
۱۶	شمارہ نمبر ۲۲	عمومی	سرما ۱۹۹۳ء	خالد اقبال یاسرؔ	۴۰روپے
۱۷	شمارہ نمبر ۲۳	عمومی	بہار ۱۹۹۳ء	خالد اقبال یاسرؔ	۴۰روپے
۱۸	شمارہ نمبر ۲۴	عمومی	خزاں ۱۹۹۳ء	خالد اقبال یاسرؔ	۴۰روپے
۱۹	شمارہ نمبر ۲۵	عمومی	سرما ۱۹۹۳ء	خالد اقبال یاسرؔ	۴۰روپے
۲۰	شمارہ نمبر ۲۶	عمومی	بہار ۱۹۹۴ء	خالد اقبال یاسرؔ	۴۰روپے
۲۱	شمارہ نمبر ۲۷تا۳۰	سالنامہ	سرما، بہار، خزاں، گرما ۱۹۹۴ء	خالد اقبال یاسرؔ	۱۶۰روپے
۲۲	شمارہ نمبر ۳۱تا۳۴	سالنامہ	سرما، بہار، خزاں، گرما ۱۹۹۵ء۔۱۹۹۶ء	خالد اقبال یاسرؔ	۳۰۰روپے
۲۳	شمارہ نمبر ۳۵۔۳۶	خصوصی: بین الاقوامی ادب نمبر ۱	بہار۔ گرما ۱۹۹۶ء	خالد اقبال یاسرؔ	۱۵۰روپے
۲۴	شمارہ نمبر ۳۷۔۳۸	خصوصی: بین الاقوامی ادب نمبر ۲	خزاں۔ سرما ۱۹۹۶ء	خالد اقبال یاسرؔ	۱۵۰روپے
۲۵	شمارہ نمبر ۳۹۔۴۰	خصوصی: بین	بہار۔ گرما ۱۹۹۷ء	خالد اقبال یاسرؔ	۱۵۰روپے

		الاقوامی ادب نمبر ۳			
۲۶	شمارہ نمبر ۴۱۔۴۲	خصوصی: بین الاقوامی ادب نمبر ۴	خزاں۔ سرما ۱۹۹۷ء	خالد اقبال یاسرؔ	۱۵۰روپے
۲۷	شمارہ نمبر ۴۳۔۴۴	خصوصی: بین الاقوامی ادب نمبر ۵	بہار۔ گرما ۱۹۹۸ء	خالد اقبال یاسرؔ	۱۵۰روپے
۲۸	شمارہ نمبر ۴۵۔۴۶	خصوصی: بین الاقوامی ادب نمبر ۶	خزاں۔ سرما ۱۹۹۸ء	خالد اقبال یاسرؔ	۱۵۰روپے
۲۹	شمارہ نمبر ۴۷	خصوصی: شیخ ایاز کی یاد میں	بہار ۱۹۹۹ء	خالد اقبال یاسرؔ	۵۰روپے
۳۰	شمارہ نمبر ۴۸۔۴۹۔۵۰	عمومی	خزاں۔ بہار۔ سرما ۱۹۹۹ء	خالد اقبال یاسرؔ	۵۰روپے
۳۱	شمارہ نمبر ۵۱۔۵۲	عمومی	۲۰۰۰ء	خالد اقبال یاسرؔ	۵۰روپے
۳۲	شمارہ نمبر ۵۳	عمومی	خزاں ۲۰۰۰ء	نگہت سلیم	۵۰روپے
۳۳	شمارہ نمبر ۵۴	عمومی	۲۰۰۱ء	نگہت سلیم	۵۰روپے
۳۴	شمارہ نمبر ۵۵	عمومی	۲۰۰۱ء	نگہت سلیم	۵۰روپے
۳۵	شمارہ نمبر ۵۶	عمومی	۲۰۰۱ء	نگہت سلیم	۵۰روپے
۳۶	شمارہ نمبر ۵۷	عمومی	۲۰۰۲ء	نگہت سلیم	۵۰روپے
۳۷	شمارہ نمبر ۵۸	عمومی	۲۰۰۲ء	نگہت سلیم	۵۰روپے
۳۸	شمارہ نمبر ۵۹۔۶۰	خصوصی: خواتین کا عالمی ادب نمبر	۲۰۰۲ء	نگہت سلیم	۳۵۰روپے

۳۹	شمارہ نمبر ۶۱	عمومی	۲۰۰۲ء	نگہت سلیم	۵۰روپے
۴۰	شمارہ نمبر ۶۲	عمومی	۲۰۰۳ء	نگہت سلیم	۵۰روپے
۴۱	شمارہ نمبر ۶۳۔۶۴	خصوصی: سارک ممالک: منتخب تخلیقی ادب	۲۰۰۳ء	نگہت سلیم	۱۰۰روپے
۴۲	شمارہ نمبر ۶۵	عمومی	۲۰۰۴ء	نگہت سلیم	۵۰روپے
۴۳	شمارہ نمبر ۶۶۔۶۷	خصوصی: قیام پاکستان کے بعد کی نسل	۲۰۰۵ء	نگہت سلیم	۱۰۰روپے
۴۴	شمارہ نمبر ۶۸	عمومی	۲۰۰۵ء	نگہت سلیم	۵۰روپے
۴۵	شمارہ نمبر ۶۹	عمومی	۲۰۰۵ء	نگہت سلیم	۵۰روپے
۴۶	شمارہ نمبر ۷۰	عمومی	۲۰۰۵ء	نگہت سلیم	۵۰روپے
۴۷	شمارہ نمبر ۷۱	عمومی	۲۰۰۶ء	نگہت سلیم	۵۰روپے
۴۸	شمارہ نمبر ۷۲	عمومی	۲۰۰۶ء	محمد عاصم بٹ	۵۰روپے
۴۹	شمارہ نمبر ۷۳	خصوصی: احمد ندیم قاسمی نمبر	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء	محمد عاصم بٹ	۵۰روپے
۵۰	شمارہ نمبر ۷۴۔۷۵	خصوصی: پاکستان اہل خواتین نمبر	جنوری تا جون ۲۰۰۷ء	محمد عاصم بٹ	۱۰۰روپے
۵۱	شمارہ نمبر ۷۶	عمومی	۲۰۰۷ء	محمد عاصم بٹ	۵۰روپے
۵۲	شمارہ نمبر ۷۷۔۷۸	خصوصی: نثری نظم	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا	محمد عاصم بٹ	۱۰۰روپے

		نمبر	مارچ ۲۰۰۸ء		
۵۳	شمارہ نمبر ۷۹۔۸۰	خصوصی: دارالحکومت سے دور اہل قلم نمبر	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۸ء	محمد عاصم بٹ	۱۰۰ روپے
۵۴	شمارہ نمبر ۸۱	خصوصی: احمد فراز نمبر	۲۰۰۸ء	محمد عاصم بٹ	۱۰۰ روپے
۵۵	شمارہ نمبر ۸۲	خصوصی: فیض احمد فیض نمبر	جنوری۔مارچ ۲۰۰۹ء	محمد عاصم بٹ	۱۰۰ روپے
۵۶	شمارہ نمبر ۸۳۔۸۴	خصوصی: منیر نیازی نمبر	اپریل۔ستمبر ۲۰۰۹ء	محمد عاصم بٹ	۲۰۰ روپے
۵۷	شمارہ نمبر ۸۵۔۸۶	خصوصی: امرتا پریتم نمبر	اکتوبر ۲۰۰۹ء تا مارچ ۲۰۱۰ء	محمد عاصم بٹ	۳۰۰ روپے
۵۸	شمارہ نمبر ۸۷	خصوصی: جوش ملیح آبادی نمبر	اپریل۔جون ۲۰۱۰ء	محمد عاصم بٹ	۲۰۰ روپے
۵۹	شمارہ نمبر ۸۸۔۸۹	خصوصی: پرواسی نمبر	جولائی تا دسمبر ۲۰۱۰ء	محمد عاصم بٹ	۲۰۰ روپے
۶۰	شمارہ نمبر ۹۰۔۹۱	خصوصی: پاکستان زبانوں کے چار اہم شاعر نمبر	جنوری تا جون ۲۰۱۱ء	محمد عاصم بٹ	۲۰۰ روپے
۶۱	شمارہ نمبر ۹۲۔۹۳	خصوصی: بچوں کا	جولائی تا دسمبر	اختر رضا سلیمی	۳۰۰ روپے

		عالمی ادب نمبر (حصہ اوّل)	۲۰۱۱ء		
۶۲	شمارہ نمبر ۹۴۔۹۵	خصوصی: بچوں کا ادب، قومی ادب، حصہ نظم	جنوری تا جون ۲۰۱۲ء	اختر رضا سلیمی	۲۰۰ روپے
۶۳	شمارہ نمبر ۹۶	عمومی	جولائی تا ستمبر ۲۰۱۲ء	اختر رضا سلیمی	۱۰۰ روپے
۶۴	شمارہ نمبر ۹۷	عمومی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۲ء	اختر رضا سلیمی	۱۰۰ روپے
۶۵	شمارہ نمبر ۹۸	عمومی	جنوری تا مارچ ۲۰۱۳ء	اختر رضا سلیمی	۱۰۰ روپے
۶۶	شمارہ نمبر ۹۹	خصوصی: بچوں کا ادب، قومی ادب، حصہ نثر	اپریل تا جون ۲۰۱۳ء	اختر رضا سلیمی	۱۰۰ روپے
۶۷	شمارہ نمبر ۱۰۰	خصوصی: ادبیات کا سواں ایڈیشن	جولائی۔دسمبر ۲۰۱۳ء	اختر رضا سلیمی	۱۰۰ روپے
۶۸	شمارہ نمبر ۱۰۱	خصوصی: نعت نمبر	جنوری تا جون ۲۰۱۴ء	اختر رضا سلیمی	۱۰۰ روپے
۶۹	شمارہ نمبر ۱۰۲	عمومی	جولائی تا دسمبر ۲۰۱۴ء	اختر رضا سلیمی	۱۰۰ روپے

۷۰	شمارہ نمبر ۱۰۳	عمومی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۴ء	اختر رضا سلیمی	۱۰۰ روپے
۷۱	شمارہ نمبر ۱۰۴	خصوصی: الطاف حسین نمبر	جنوری تا مارچ ۲۰۱۵ء	اختر رضا سلیمی	۱۰۰ روپے
۷۲	شمارہ نمبر ۱۰۵	عمومی	اپریل تا جون ۲۰۱۵ء	اختر رضا سلیمی	۱۰۰ روپے
۷۳	شمارہ نمبر ۱۰۶	عمومی	جولائی تا دسمبر ۲۰۱۵ء	اختر رضا سلیمی	۱۰۰ روپے
۷۴	شمارہ نمبر ۱۰۷	عمومی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۵ء	اختر رضا سلیمی	۳۰۰ روپے
۷۵	شمارہ نمبر ۱۰۸	خصوصی: احمد ندیم قاسمی نمبر	جنوری تا جون ۲۰۱۶ء	اختر رضا سلیمی	۳۰۰ روپے
۷۶	شمارہ نمبر ۱۰۹	عمومی	جولائی تا دسمبر ۲۰۱۶ء	اختر رضا سلیمی	۱۰۰ روپے
۷۷	شمارہ نمبر ۱۱۰	عمومی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۶ء	اختر رضا سلیمی	۱۰۰ روپے
۷۸	شمارہ نمبر ۱۱۱۔۱۱۲	خصوصی: انتظار حسین نمبر	جنوری تا جون ۲۰۱۷ء	اختر رضا سلیمی	۳۰۰ روپے
۷۹	شمارہ نمبر ۱۱۳	عمومی	جولائی تا دسمبر ۲۰۱۷ء	اختر رضا سلیمی	۱۰۰ روپے

۸۰	شمارہ نمبر ۱۱۴۔۱۱۵	خصوصی: نبی بخش خان بلوچ نمبر	اکتوبر ۲۰۱۷ء تا مارچ ۲۰۱۸ء	اختر رضا سلیمی	۲۰۰روپے
۸۱	شمارہ نمبر ۱۱۶۔۱۱۷	خصوصی: عبداللہ حسین نمبر	اپریل تا ستمبر ۲۰۱۸ء	اختر رضا سلیمی	۳۰۰روپے
۸۲	شمارہ نمبر ۱۱۸	عمومی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۸ء	اختر رضا سلیمی	۱۰۰روپے
۸۳	شمارہ نمبر ۱۱۹	عمومی	جنوری تا مارچ ۲۰۱۹ء	اختر رضا سلیمی	۱۰۰روپے

سہ ماہی مجلہ " ادبیات "

اسلام آباد

فہرست اشاعتیں مدیران

نمبر شمار	نام مدیر	مدت مدیر	از شمارہ نمبر	تا	شمارہ نمبر	اہم شمارے
۱	خالد اقبال یاسر	۱۹۸۷ء تا ۲۰۰۰ء	۱	تا	۵۲	بین الاقوامی ادب نمبر کی چھ جلدیں، شخصی نمبر "شیخ ایاز کی یاد میں"
۲	نگہت سلیم	۲۰۰۰ء تا ۲۰۰۶ء	۵۳	تا	۷۱	خواتین کا عالمی ادب نمبر، سارک ممالک: منتخب تخلیقی ادب نمبر اور قیام پاکستان کے بعد کی نسل نمبر
۳	محمد عاصم بٹ	۲۰۰۶ء تا جون ۲۰۱۱ء	۷۲	تا	۹۱	"احمد ندیم قاسمی نمبر"، "پاکستان اہل قلم خواتین نمبر"، "نثری نظم نمبر"، "دارالحکومت سے دور اہل قلم نمبر"، "احمد فراز نمبر"، "فیض احمد فیض نمبر"، "منیر نیازی نمبر"، "امرتا پریتم نمبر"، "جوش ملیح آبادی نمبر"، "پرواسی نمبر" اور "پاکستان زبانوں کے چار اہم شاعر نمبر"
۴	اختر رضا	جولائی	۹۲	تا	حال	"بچوں کا عالمی ادب نمبر (حصہ اوّل)"،

	سلیمی	۲۰۱۱ء تاحال			(۱۱۹)	”بچوں کا ادب، قومی ادب، حصہ نظم“، ”چوں کا ادب، قومی ادب: حصہ نثر“، ”دبیات کا سواں ایڈیشن“، ”نعت نمبر“، ”الطاف حسین حالی نمبر“، ”احمد ندیم قاسمی نمبر“، ”انتظار حسین نمبر“، ”نبی بخش خان بلوچ نمبر“اور ”عبداللہ حسین نمبر“

سہ ماہی مجلہ ''ادبیات''

اسلام آباد

فہرست شمارہ جات پاکستانی ادب کے اُردو تراجم

شمارہ نمبر ۱

نمبر شمار	اصناف	تخلیق کار	مترجم
۱	پھر وہی مشکل (افسانہ)	عبدالکافی ادیب	عبدالکافی ادیب
۲	بند کمرہ (نظم)	تنویر عباسی	محسن بھوپالی
۳	کیسر داستان (داستان)	محمد عباس کاظمی	محمد عباس کاظمی

شمارہ نمبر ۲

نمبر شمار	اصناف	تخلیق کار	مترجم
۱	افکار غزالی کے اثرات تصوف پر (مضمون)	احمد محمد حسّی	محمد اظہار الحق
۲	سچل سرمست کی کافی	سچل سرمست	آفاق صدیقی

شمارہ نمبر ۳

نمبر شمار	افسانہ	تخلیق کار	مترجم
۱	بھنگی	بابوراؤ گل	انور زاہدی
۲	سگنل	گارشن	لطیف کاشمیری

نظمیں

نمبر شمار	نظم	تخلیق کار	مترجم
۱	شاہ پری کا سیف الملوک سے خطاب	میاں محمد بخش	شریف کنجاہی
۲	تن سکھ چین	غلام حسین ساجد	اختر کاظمی
۳	محبت کے سبب	تمہید الاسلام	صدیق کلیم

شمارہ نمبر ۴

نمبر شمار	نظم	تخلیق کار	مترجم
۱	فاصلہ (سندھی)	نامعلوم	اعجاز راہی
۲	اپنی یاد (سندھی)	عنایت بلوچ	نفیس احمد
۳	سندھی کافی	سچل سرمست	امیر بخاری

شمارہ نمبر ۵۔۶

سفر نامہ

نمبر شمار	سفر نامہ	تخلیق کار	مترجم
۱	میرا سفر نامہ	غلام رسول	ممتاز عارف

افسانہ

نمبر شمار	افسانہ	تخلیق کار	مترجم
۱	جادو گر	ممتاز حسین	عنایت اللہ فیضی

شمارہ نمبر ۷

نمبر شمار	افسانہ/ڈرامہ	تخلیق کار	مترجم
۱	کلرک کی پہلی تاریخ (افسانہ)	مانک	رضیہ طارق
۲	پناہ (ڈراما)	ایوب صابر	قیوم مروّت

شمارہ نمبر ۸۔۹

نمبر شمار	اصناف	تخلیق کار	مترجم
۱	سر کلیان داستان اول (داستان)	شاہ لطیف بھٹائی	امیر بخاری
۲	دوہا	خوشحال خٹک	تاج سعید
۳	کافی	خواجہ غلام فریدؒ	شریف اشرف

شمارہ نمبر ۱۳۔۱۴۔۱۵

نمبر شمار	رباعی	تخلیق کار	مترجم
۱	رباعی	امیر خسرو	صبا اکبر آبادی

شمارہ نمبر ۱۹

نمبر شمار	افسانہ	تخلیق کار	مترجم
۱	ایک ستارہ ٹوٹا ہوا (بلوچی)	نعمت اللہ گچکی	پیر محمد زبیرانی
۲	آواز (بلوچی)	غنی طارق	غنی طارق
۳	نسخہ (بلوچی)	غنی پرواز	غنی پرواز
۴	غریب باسی (بلوچی)	رزاق نادر	فضل خالق
۵	تشنۂ کام (بلوچی)	منیر عیسی	آمنہ پناہ
۶	شابو (بلوچی)	م۔م طاہر	پیر محمد زبیرانی
۷	قحط سالی (بلوچی)	عبد الغفار گچکی	پیر محمد زبیرانی
۸	انعام (بلوچی)	محمد بیگ بلوچ	محمد بیگ بلوچ
۹	دوسرا سچ (براہوی)	افضل مراد	افضل مراد

بلوچی زبان کی نظمیں

نمبر شمار	نظم	شاعر	مترجم
۱	نظم	جواں سال بگتی	غوث بخش صابر
۲	نظم	جواں سال بگتی	غوث بخش صابر
۳	غیرت	میر گل خان نصیر	امداد نظامی
۴	مرا قلم، مرا سخن	میر گل خان نصیر	امداد نظامی
۵	دیا	میر گل خان نصیر	غوث بخش صابر

٦	تو	میر گل خان نصیر	غوث بخش صابر
٧	کشار	آزاد جمالدینی	واحد بخش بزدار
٨	نہادی	آزاد جمالدینی	واحد بخش بزدار
٩	ایک بند	آزاد جمالدینی	امداد نظامی
١٠	لوری	آزاد جمالدینی	امداد نظامی
١١	اے شب ماہ!	آزاد جمالدینی	غوث بخش صابر
١٢	خانہ بدوش	میر محمد حسین عنقا	امداد نظامی
١٣	وطن کی خاک	میر محمد حسین عنقا	غوث بخش صابر
١٤	باتیں کروں	سید ظہور شاہ ہاشمی	امداد نظامی
١٥	امید	قاضی عبدالرحیم صابر	امداد نظامی
١٦	پاکستان کے لیے دعا	میر عیسیٰ قومی	میر عیسیٰ قومی
١٧	اے قائد اعظم	میر عیسیٰ قومی	میر عیسیٰ قومی
١٨	جان کنی	عطا شاد	امداد نظامی
١٩	کھو جانے والے کی تلاش	اکبر بارکزئی	امداد نظامی
٢٠	روچا کئے کشت کنت۔۔۔۔	اکبر بارکزئی	اللہ بخش بزدار
٢١	اکیلا پن	مبارک قاضی	مبارک قاضی
٢٢	وطن	مبارک قاضی	مبارک قاضی
٢٣	اے مری جاں، میری دوست!	بشیر بیدار	امداد نظامی
٢٤	وطن کا نغمہ	مومن بزدار	امداد نظامی
٢٥	دل سمندر نگر	اللہ بخش بزدار	صباد شتیاری

۲۶	درد کا شجر	واحد بزدار	واحد بزدار
۲۷	پرائی زمین	منظور بلوچ	منظور بلوچ
۲۸	آرزو	ممتاز یوسف	صباد شتیاری
۲۹	رات مہرباں! آجا	ممتاز یوسف	صباد شتیاری
۳۰	اپنوں میں غیر ہوا ہوں میں	حیات شوکت	حیات شوکت
۳۱	قومی نغمہ	پیر محمد زبیرانی	امداد نظامی

پشتو زبان کی نظمیں:

نمبر شمار	نظم	شاعر	مترجم
۱	قدر مشترک	سید خیر محمد عارف	علی دیپک قزلباش
۲	مجبوری	سید خیر محمد عارف	علی دیپک قزلباش

براہوی زبان کی نظمیں:

نمبر شمار	نظم	شاعر	مترجم
۱	وطن	میر عبدالرحمن کرد	نادر قمبرانی
۲	گل زمین	نادر قمبرانی	نادر قمبرانی
۳	اب جاگ اُٹھے ہیں ہم	پیر محمد زبیرانی	نادر قمبرانی

بلوچی زبان کی دو غزلیں:

نمبر شمار	غزل	شاعر	مترجم
۱	غزل	مراد ساحر	غوث بخش صابر
۲	غزل	مراد ساحر	امداد نظامی

شمارہ نمبر ۲۲

پنجابی افسانے

مترجم	تخلیق کار	افسانہ	نمبر شمار
شازیہ رحمن	جوشوا فضل دین	پری کا جھوٹ	۱
حسین سحر	اکبر لہوری	چودھری کی بیٹی	۲
ڈاکٹر اسلم رانا	سجاد حیدر	آخری پت جھڑ	۳
جمیل احمد پال	ستنام محمود	تہمت	۴
ڈاکٹر اسلم رانا	اشفاق احمد	مرمرے	۵
ڈاکٹر اسلم رانا	محمد آصف خان	سر منڈاتے ہی	۶
عرش صدیقی	عرش صدیقی	ستارے! اے ستارے!	۷
آغا اشرف	آغا اشرف	غبارہ	۸
نواز	نواز	پرانے پانیوں کے لوگ	۹
شازیہ رحمن	انور علی	طوطے	۱۰
عائشہ رندھاوا	افضل احسن رندھاوا	جنتی	۱۱
راجہ رسالو	رفعت	جنتری	۱۲
فرخندہ لودھی	فرخندہ لودھی	سب جھوٹ ہے	۱۳
سلیم خان گمی	سلیم خان گمی	پانی کے پہاڑ	۱۴
ڈاکٹر اسلم رانا	حسین شاہد	ساتویں زینے سے	۱۵
منیبہ زہرا نقوی	کہکشاں ملک	بڑے لوگ	۱۶
مرزا حامد بیگ	مرزا حامد بیگ	رات کے جاگے ہوئے	۱۷
حنیف باوا	حنیف باوا	نشئی	۱۸

۱۹	ٹوٹے گھڑے کا ڈھکنا	حنیف چودھری	حنیف چودھری
۲۰	مالک کے ساتھ محبت	شاہین ملک	طارق نعیم
۲۱	تمہیں اس سے کیا؟	خالدہ ملک	رحمان حفیظ
۲۲	باگی	غلام مصطفٰے بسمل	غلام مصطفٰے بسمل
۲۳	اپنی اپنی آگ اپنی اپنی تپش	کنول مشتاق	خیرالدین انصاری
۲۴	شہزادہ سائیں	ناصر بلوچ	ناصر بلوچ
۲۵	حسرت	مقصود ثاقب	امتیاز حسین امتیاز
۲۶	وقت کا لاشہ	نعمت احمر	شارب
۲۷	ایفل ٹاور پر ٹنگی ہوئی آنکھ	حسین شاہ	ڈاکٹر اسلم رانا
۲۸	بجھا ہوا دیا	فرزند علی	فرزند علی
۲۹	اُفق بدلتا آسمان	اقبال خالد	اقبال خالد
۳۰	کوکا کولا	شفیع ہمدم	جمیل احمد پال
۳۱	پکی اینٹ	غلام علی چودھری	جمیل احمد پال
۳۲	آخری شو	ستارہ بر	جمیل احمد پال
۳۳	نروان	محمود احمد قاضی	محمود احمد قاضی
۳۴	وقت سے آگے نکلنے کی سزا	احمد داؤد	زاہد عظیم زاہد
۳۵	قصور میں سے ایک قصہ	شمس نعمان	شمس نعمان
۳۶	آنکھ مچولی	راشد جاوید احمد	راشد جاوید احمد
۳۷	درد کی سوغات	وسیم گوہر	جمیل احمد پال
۳۸	بڑا آدمی	الیاس گھمن	الیاس گھمن

۳۹	عیبی	ابن آدم	ابن آدم
۴۰	کسی جنگل میں	ارشد چہال	ارشد چہال
۴۱	درانتی	راناغلام شبیر	راناغلام شبیر
۴۲	نیکی	بابوجاوید گرجاکھی	بابوجاوید گرجاکھی
۴۳	بے سوال باتیں	اطہرجاوید	امینہ عنبرین
۴۴	ماں	ملک شاہ سہوار علی ناصر	مسعوداخترزیب
۴۵	سانجھے دکھ	احمد شہباز خاور	انجم سلیمی
۴۶	چڑیاکی بات	احمد سعید ہمدانی	جمیل احمد پال

سرائیکی افسانے

نمبر شمار	افسانہ	تخلیق کار	مترجم
۱	فیصلہ	سیّد نصیر شاہ	سجاد حیدر پرویز
۲	پینتالیسواں سال	مسرت کلانچوی	مسرت کلانچوی
۳	ننگی آنکھ اور نیلا کمرہ	عامر فہیم	محمد سلیم شہزاد

شمارہ نمبر ۲۳

نمبر شمار	افسانہ	تخلیق کار
۱	بھور بھئی پیاگھر نہیں آئے	سجاد حیدر
۲	درد مشترک	محمد آصف خان
۳	راجو	آغا
۴	مٹھی بھر راکھ	غلام حسن حیدرانی
۵	گہری شامیں	نواز

۶	بڑا آدمی	افضل احسن رندھاوا
۷	بتی والا چوک	رفعت
۸	قسم خدا کی	فرخندہ لودھی
۹	ایک گم شدہ کہانی کی دریافت	افضل توصیف
۱۰	ابتر	حسین شاہد
۱۱	چڑیوں کی موت	کہکشاں ملک
۱۲	فاصلے	حنیف باوا
۱۳	موروں کی چال	احسن واگھر
۱۴	کنواں	مرزا حامد بیگ
۱۵	لوری	محمد اسماعیل احمدانی
۱۶	دور کی آواز	محمد منشا یاد
۱۷	کیہ جاناں میں کون	پروین ملک
۱۸	پیڑھی	ستار طاہر
۱۹	پہچان	عامر فہیم
۲۰	ایک اداسی بھرا دن	مقصود ثاقب
۲۱	شکار	محمود احمد قاضی
۲۲	نقاب کے ادھر	مسرت کلانچوی
۲۳	شرابی	سید نصیر شاہ
۲۴	دھوبی کا بیٹا	حسین شاد
۲۵	باغ، کلی اور پھول	شفیع ہمدم

۲۶	گرم چھاؤں	ظفر لشاری
۲۷	وہ پاگل لڑکی	مشتاق باسط
۲۸	جاتی رُت کی شام	حفیظ خان
۲۹	کتے کی آوارہ موت	احمد جاوید
۳۰	بابو جی	بابو جاوید گرجاکھی
۳۱	کال	نزہت گردیزی
۳۲	چیونٹی کا آنا	آغا علی مدثر
۳۳	بارش بھی، دھوپ بھی	اسلم قریشی
۳۴	پہچان	راشد جاوید احمد
۳۵	خوشی کے آنسو	رانا غلام شبیر
۳۶	وڈھن جوگا	ریاض سوجانوی
۳۷	رواج	افضل راجپوت
۳۸	باطن کا چہرہ	قاسم جلال
۳۹	اندر باہر	سجاد حیدر پرویز
۴۰	شگفتہ خواب	محمد افضل ساحر
۴۱	سیپی	طالب جتوئی
۴۲	وعدہ وفائی	احمد شہباز خاور
۴۳	بے اعتبار سانس	انور حسین انصاری
۴۴	بابا جانو	جاوید بشیر چودھری
۴۵	سردیوں کی پیاس	پروین عزیز

۴۶	پھولوں کا بوجھ	انیل چوہان
۴۷	ٹافیوں کی تقسیم	احمد سعید ہمدانی

شمارہ نمبر ۲۴

نمبر شمار	افسانہ	تخلیق کار	مترجم
۱	افطاری	ابراہیم جویو	ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی
۲	بدمعاش	جمال ابڑو	سعیدہ درانی
۳	پھول سرخ ہیں	رسول بخش پلیجو	ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی
۴	رانجھو مداری	علی احمد بروہی	سعیدہ درانی
۵	بلو دادا	ایاز قادری	سعید قائم خانی
۶	قلعے کی دیوار	عبدالقادر جونیجو	سعیدہ درانی
۷	نسل	رشید بھٹی	سعید قائم خانی
۸	اچھوت	بشیر موریانی	سعید قائم خانی
۹	مجرم	ثریا یاسمین	سعید قائم خانی
۱۰	اقبال ان ٹربل	امر جلیل	سعیدہ درانی
۱۱	دربان	حمید سندھی	آفاق صدیقی
۱۲	تخلیق کی موت	خیر النساء جعفری	سعیدہ درانی
۱۳	درد کا شہر	آغا سلیم	سعیدہ درانی
۱۴	قتل	طارق شریف	سعیدہ درانی
۱۵	پچھتاوا	تنویر جونیجو	سعیدہ درانی
۱۶	کافر	نسیم کھرل	سعیدہ درانی

۱۷	واپسی	قاضی خادم	سعیدہ درانی
۱۸	اماں میں سکول نہیں جاؤں گا	شیخ حفیظ	ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی
۱۹	نواور دس	رشیدہ حجاب	سعیدہ درانی
۲۰	خوبصورتی اور دیوانگی	مراد علی مرزا	سعیدہ درانی
۲۱	رات کی آنکھیں	غلام نبی مغل	سعیدہ درانی
۲۲	تھوہر کا درخت	ثمیرہ زریں	سعیدہ درانی
۲۳	زندگی کا زہر	نورالہدیٰ شاہ	آفاق صدیقی
۲۴	تتلی	عبدالجبار جونیجو	سعیدہ درانی
۲۵	لکیریں جو پھلانگیں نہ جا سکیں	ولی رام ولبھ	سعیدہ درانی
۲۶	جیجی	زرینہ بلوچ	ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی
۲۷	حکومت	ع۔ق۔ شیخ	سعیدہ درانی
۲۸	بھکاری	غیاث جونیجو	سعیدہ درانی

نظمیں

نمبر شمار	نظم	شاعر	مترجم
۱	ابیات	مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ	آفاق صدیقی
۲	زندگی جاوداں	شیخ ایاز	آفاق صدیقی
۳	نئی زندگی	شیخ ایاز	آفاق صدیقی
۴	ابیات	شیخ ایاز	آفاق صدیقی
۵	کوئل کی کوک	شیخ ایاز	آفاق صدیقی

٦	نیا جسم	شیخ ایاز	آفاق صدیقی
۷	دیوالی	عبدالکریم گدائی	آفاق صدیقی
۸	خوشبو	تنویر عباسی	آفاق صدیقی
۹	لگن	شیخ عبدالرزاق راز	آفاق صدیقی
۱۰	رد عمل	شمشیر الحیدری	آفاق صدیقی
۱۱	درد کا نیزہ	تاج بلوچ	محسن بھوپالی
۱۲	قصور	امداد حسینی	آفاق صدیقی
۱۳	تمنا	میمن روشن تبسم	محسن بھوپالی

دو غزلیں

نمبر شمار	غزل	شاعر	مترجم
۱	غزل	مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ	کرن سنگھ
۲	غزل	بشیر موریانی	آفاق صدیقی

شمارہ نمبر ۲٦

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم
۱	میرا باپ	اسماعیل گوہر	شہلا تاہید
۲	دیوانہ	اکرام اللہ عاجز	فیروز خان
۳	مبتدی	اورنگ زیب احمد عاجزی	نیاز سواتی
۴	بدلہ	پیر محمد شارق	قیوم مروت
۵	لہو کے دیپ	حسام حر	نیاز سواتی
٦	درد	حسن خان سوز	شہلا تاہید

۷	دوستی	حیدر زمان حیدر	نیاز سواتی
۸	حساب کتاب	خان باتور	فیض الوہاب فیض
۹	چاندنی رات کا حسین خواب	خان بہادر حسرت	فیروز خان
۱۰	خالی فریم	خلیل باور	علی دیپک قزلباش
۱۱	آندھی	در محمد کاسی	شہلا ناہید
۱۲	بیوہ لڑکی	راحت راخیلی	فضل ربی راہی
۱۳	عدالت	رضا مہندی	داور خان داؤد
۱۴	کبوتری	زیتون بانو	شہلا ناہید
۱۵	ولور	ساغر آفریدی	عبدالکافی ادیب
۱۶	ان دیکھی بلا	سید چراغ حسین شاہ	عبدالکافی ادیب
۱۷	معذور	سیدہ حسینہ گل	شہلا ناہید
۱۸	میرا چمن، میری بہار	ش شوکت	نیاز سواتی
۱۹	خودکشی	شیریں زادہ خدوخیل	فیروز خان
۲۰	بوجھ	طاہر آفریدی	شہلا ناہید
۲۱	چھوٹی سی بات	علی دیپک قزلباش	عارف تبسم
۲۲	فن اور کار	عنایت اللہ ضیا	علی دیپک قزلباش
۲۳	بے بس	فاروق سرور	قیوم مروت
۲۴	خارِ بریدہ	گل مراد خان حسرت	عنایت اللہ فیضی
۲۵	ایک خط	قیوم مروت	شیریں زادہ خدوخیل
۲۶	تقدس	محمد اقبال اقبال	فہیم سرحدی

۲۷	امید	نذر شہاب	سید زبیر
۲۸	آرزوئے تمام	قلندر مومند	عبدالکافی ادیب

پشتو شاعری:

نمبر شمار	نظم	شاعر	مترجم
۱	منظومات	خوشحال خان خٹک	نیاز سواتی
۲	منظومات	رحمان بابا	نیاز سواتی
۳	اشعار	رحمان بابا	رب نواز مائل
۴	غزل	احمد شاہ ابدالی	عبدالکافی ادیب
۵	خیالوں کے سلسلے	ایوب صابر	انجم یوسف زئی
۶	میری تلوار	ایوب صابر	انجم یوسف زئی
۷	تصویر	ایوب صابر	محمد زبیر حسرت
۸	پتھر پر لکیر	ایوب صابر	انجم یوسف زئی
۹	قسم	ایوب صابر	انجم یوسف زئی
۱۰	غزل	حمزہ شنواری	داور خان داؤد
۱۱	متفرق	عبدالغنی خان	انجم یوسف زئی
۱۲	ماں	عبدالغنی خان	انجم یوسف زئی
۱۳	ارمان	عبدالغنی خان	انجم یوسف زئی
۱۴	ایک بات	عبدالغنی خان	انجم یوسف زئی
۱۵	حسن و عشق	عبدالغنی خان	عابد سلطان
۱۶	شاہد	عبدالغنی خان	عابد سلطان

۱۷	ازل	عبدالغنی خان	عابد سلطان
۱۸	قسمت	عبدالغنی خان	فہیم سرحدی
۱۹	دنیا	ہاشم بابر	فہیم سرحدی
۲۰	شکوہ	ہاشم بابر	فہیم سرحدی
۲۱	یقین	رحمت شاہ سائل	تنویر شاہ کمال
۲۲	اے وطن !	داد محمد دلسوز	داور خان داؤد
۲۳	سوال	مفلس درانی	فہیم سرحدی
۲۴	غزل	سعید گوہر	علی دیپک قزلباش
۲۵	حاکم	افضل شوق	عارف تبسم
۲۶	غزل	نذر شہاب	سید زبیر
۲۷	میں تیرا سورج	عنایت اللہ ضیا	عارف تبسم

ہندکو شاعری

نمبر شمار	نظم	شاعر	مترجم
۱	غزل	خاطر غزنوی	نیاز سواتی
۲	غزل	خاطر غزنوی	نیاز سواتی
۳	میرے رستے	ارشاد شاکر	نیاز سواتی
۴	نظم	آصف ثاقب	نیاز سواتی
۵	اکیلا پھول	محمد فرید	نیاز سواتی
۶	غزل	سلطان سکونی	نیاز سواتی
۷	غزل	یحییٰ خالد	نیاز سواتی

۸	غزل	صوفی عبدالرشید	نیاز سواتی
۹	نظم	امتیاز الحق امتیاز	نیاز سواتی

سرائیکی شاعری:

نمبر شمار	نظم	شاعر	مترجم
۱	غزل	عبداللہ یزدانی	شہاب صفدر
۲	قائد اعظم کے لیے ایک نظم	الطاف صفدر	خورشید ربانی
۳	دو نظمیں	سعید اختر	شہاب صفدر
۴	معصوم مفکر	نصیر سرحد	شہاب صفدر

کھوار شاعری:

نمبر شمار	نظم	شاعر	مترجم
۱	غزل	محمد عرفان	عنایت اللہ فیضی
۲	غزل	بابا ایوب	عنایت اللہ فیضی
۳	غزل	ذاکر محمد زخمی	عنایت اللہ فیضی

لسانیات کے موضوع پر ڈاکٹر حیدر سندھی کا تخلیق کردہ مضمون کا اُردو ترجمہ ''ہند کو خطہ ءسندھ کی قدیم زبان'' کے نام سے امتیاز حسین امتیاز نے کیا۔ تنقید و تحقیق پر ایک مضمون ''پشتو افسانہ نئ تحقیق (۱۹۷۸ء۔۱۹۸۸ء) کے تخلیق کردہ عبدالرؤف عارف ہیں جب کہ مترجم محمد زبیر حسرت ہیں۔ پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے اور کوئی صنفِ سخن اس شمارے کا حصہ نہیں ہے۔

شمارہ نمبر ۲۷۔۲۸۔۲۹۔۳۰

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم
۱	سفید وحشی (سندھی)	شیخ ایاز	رضیہ طارق
۲	انجن بند کرلیں (سرائیکی)	سید نصیر شاہ	راجہ رسالو

۳	کہساروں کے دامن میں (براہوی)	گل بنگلزئی	شرافت عباس
۴	محشر (بلوچی)	غوث بہار	غنی پرداز
۵	چترالی باغ (پشتو)	قیوم مروت	انجم یوسف زئی
۶	کوک (ہندکو)	نسیم جان	نیلم سید

نظمیں:

نمبر شمار	نظم	شاعر	مترجم
۱	چار نظمیں (سندھی)	شیخ ایاز	آفاق صدیقی
۲	ہر انسان ہے ایک موتی (سندھی)	تنویر عباسی	خالد اطہر
۳	نگروانہ ءشبنم، تخم گل بن جائے (پشتو)	کاظم خان شیدا	محمد زبیر حسرت
۴	تشنگی بے کنار (بلوچی)	عطا شاد	رزاق نادر
۵	مجھے تم یاد کر لینا (بلوچی)	اللہ بخش بزدار	واحد بزدار
۶	یوسفؑ کی خوشبو (پنجابی)	منو بھائی	ماجد صدیقی
۷	آنکھیں (سرائیکی)	محمد سلیم شہزاد	عامر سہیل
۸	میرا چاند سوالی (سرائیکی)	سعید اختر	خورشید ربانی
۹	آخری عید (پنجابی)	فخر زمان	ماجد صدیقی

شمارہ نمبر ۴۳ تا ۴۶ چونکہ اس مجلے کے بین الاقوامی ادب پر مشتمل ہیں۔اس لیے ان شماروں میں پاکستانی زبانوں کے اُردو تراجم سے کوئی نثری اور شعری صنفِ سخن شائع نہیں ہوئی۔

شمارہ نمبر ۴۷

مضامین:

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم
۱	شیخ ایاز: میری نظر میں	شیخ راز	آفاق صدیقی

۲	شیخ ایاز کی رحلت	امر جلیل	عذرا ثروت
۳	بعینہ	امر جلیل	آصف زماں انصاری
۴	شیخ ایاز: شخصیت اور شاعر	سراج الحق میمن	امجد اقبال
۵	شیخ ایاز اور روح رہان	حمید سندھی	محمد ناظم علی جان مائلوی امداد حسینی
۶	شیخ ایاز: ایک عوامی شاعر	امجد قیصرانی	سکندر رھلیو
۷	شیخ ایاز: چند تاثرات	نصیر مرزا	نفیس احمد شیخ
۸	آخری سلام	عطیہ داؤد	آصف زماں انصاری
۹	دنیا ساری خواب (خود نوشت)	شیخ ایاز	اسلم رحیل مرزا
۱۰	ساہیوال جیل ڈائری کے چند اوراق	شیخ ایاز	اسلم رحیل مرزا
۱۱	چار خطوط بنام محمد ابراہیم جویو	شیخ ایاز	کرن سنگھ
۱۲	ادب کلچر اور جمہوریت میں مزاحمت	شیخ ایاز	آصف زماں انصاری
۱۳	دل انار کا پھول	شیخ ایاز	مراد علی مرزا
۱۴	چار ایکڑ زمین	شیخ ایاز	ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی
۱۵	گرتار کے برابر تولوں	شیخ ایاز	ستار پیرزادہ
۱۶	سفید وحشی	شیخ ایاز	ستار پیرزادہ
۱۷	کالا رنگ	شیخ ایاز	ستار پیرزادہ

نظمیں:

نمبر شمار	نظم	شاعر	مترجم
۱	نظم	شیخ ایاز	عبداللہ یزدانی

۲	نظم	شیخ ایاز	عبداللہ یزدانی
۳	وائی۔۱	شیخ ایاز	فہمیدہ ریاض
۴	وائی۔۲	شیخ ایاز	فہمیدہ ریاض
۵	غزل	شیخ ایاز	فہمیدہ ریاض
۶	گیت	شیخ ایاز	فہمیدہ ریاض
۷	دوہے	شیخ ایاز	فہمیدہ ریاض
۸	بیت	شیخ ایاز	فہمیدہ ریاض
۹	تخلیقِ فن	شیخ ایاز	آفاق صدیقی
۱۰	ہائیکو	شیخ ایاز	آفاق صدیقی
۱۱	تیرے لیے پیارے	شیخ ایاز	ستار پیرزادہ
۱۲	آنکھیں ترازو	شیخ ایاز	ستار پیرزادہ
۱۳	نظم	شیخ ایاز	کرن سنگھ
۱۴	نظم	شیخ ایاز	کرن سنگھ
۱۵	نظم	شیخ ایاز	کرن سنگھ
۱۶	غالب کے مزار پر	شیخ ایاز	بشیر عنوان
۱۷	نظم	شیخ ایاز	بشیر عنوان
۱۸	نظم	شیخ ایاز	بشیر عنوان
۱۹	نظم	شیخ ایاز	مصطفےٰ ارباب
۲۰	نظم	شیخ ایاز	مصطفےٰ ارباب
۲۱	نظم	شیخ ایاز	مصطفےٰ ارباب

شمارہ نمبر ۴۸۔۴۹۔۵۰ گرما، خزاں، بہار ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔اس شمارے میں پاکستانی زبانوں سے کوئی صنفِ سخن شائع نہیں ہوئی۔

شمارہ نمبر ۵۳

نظمیں:

نمبر شمار	نظم	نظم نگار	مترجم
۱	ان جلی شمعیں	عائشہ داؤد کمال	مقبول الٰہی
۲	نظم	شیخ ایاز	کرن سنگھ
۳	نظم	شیخ ایاز	مصطفیٰ ارباب
۴	نصیحت	نصیر سرحد	طالب حسین اشرف
۵	درشن	سعید اختر	خورشید ربانی
۶	کوے	جمل وجیہہ	رفیق سندیلوی
۷	درد بیکراں	واحد بزدار	منظور بلوچ

نثری تراجم:

نمبر شمار	نام تخلیق	تخلیق کار	مترجم
۱	شیخ ضعان کی سرگذشت	شیخ فرید الدین عطار	محمد غضنفر علی وڑائچ
۲	نوراں	شیخ ایاز	ستار پیرزادہ
۳	جواری	زیتون بانو	علی کمیل قزلباش

شمارہ نمبر ۵۴

نمبر شمار	اصنافِ ادب کی قسم	تخلیق کار	مترجم
۱	حمد، نعت، منقبت، علمائے کرام	رحمن بابا	محمد طٰہٰ خان

۲	کافیاں	خواجہ فریدؒ	پروفیسر حسین سحر
۳	سموبیلی مست	میر مٹھا خان مری	بیرم غوری

شمارہ نمبر ۵۵

نمبر شمار	اصناف ادب کی قسم	تخلیق کار	مترجم
۱	غزل	امیر حمزہ خان شنواری	خاطر غزنوی
۲	غزل	شیخ ایاز	آفاق صدیقی
۳	غزل	مخدوم طالب المولیٰ	آفاق صدیقی
۴	غزل	جانباز جتوئی	حسین سحر
۵	غزل	محسن نقوی	حسین سحر
۶	ایک ٹانگ	درویش درانی	درویش درانی
۷	صنفِ نازک (نظم)	خان عبدالغنی خاں	سلمیٰ شاہین
۸	غزل	رحمان بابا	داور خان داؤد
۹	جنت، حور، قصور (افسانہ)	حفیظ خان	طارق نعیم
۱۰	زندگی (افسانہ)	علی بابا	شاہد حنائی

شمارہ نمبر ۵۶

نمبر شمار	اصنافِ ادب کی قسم	تخلیق کار	مترجم
۱	بھکاری (سندھی کہانی)	غیاث جونیجو	آفاق صدیقی
۲	بحضورِ عشق (سرائیکی کلام)	حسن رضا گردیزی	حسین سحر
۳	نظم (سندھی)	شیخ ایاز	مصطفٰی ارباب

شمارہ نمبر ۵۷

نمبر شمار	اصنافِ ادب کی قسم	تخلیق کار	مترجم
۱	سنگ تراش (افسانہ)	مظہر ابڑو	شاہد حنائی
۲	لاوارث (بواشسکی لوک کہانی)	اجلال حسین منصور	اجلال حسین منصور
۳	تنہائی (سرائیکی نظم)	حسن رضا گردیزی	حسین سحر

شمارہ نمبر ۵۸

نمبر شمار	نظم	نظم نگار	مترجم
۱	جیےء شہر لاہور	صفدر میر	زاہد حسن
۲	چند روشن دیئے	عارف تبسم	عارف تبسم

شمارہ نمبر ۶۳۔۶۴

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم
۱	پچھل پیری (پنجابی)	افضل احسن رندھاوا	نامعلوم
۲	دیومالائی قصہ (سندھی)	امر جلیل	شاہد حنائی
۳	گنہگار (پشتو)	زیتون بانو	نامعلوم
۴	فیصلہ (سرائیکی)	سید نصیر شاہ	سجاد حیدر پرویز
۵	حِنابندی (براہوی)	نادر قنبرانی	نامعلوم

شاعری:

نمبر شمار	شاعری کی قسم	تخلیق کار	مترجم
۱	ماہیے	احمد راہی	اصغر عابد
۲	غزل (پشتو)	امیر حمزہ خان شنواری	خاطر غزنوی
۳	غزل (پنجابی)	پیر فضل گجراتی	ارشد چہال

۴	جلتی دوپہر کا آسیب (بلوچی نظم)	رحیم بخش آزاد	ن۔م۔دانش
۵	نظمیں	شیخ ایاز	آصف فرخی، شاہ محمد پیرزادہ

شمارہ نمبر ۷۰

نمبر شمار	اصنافِ ادب کی قسم	تخلیق کار	مترجم
۱	نظم (پنجابی)	فیض احمد فیض	ماجد صدیقی
۲	سوزن (سندھی کہانی)	کلیم لاشاری	شاہد حنائی

شمارہ نمبر ۷۷۔۷۸

پُوٹھوہاری:

نمبر شمار	نظم	نظم نگار	مترجم
۱	سوچوں کی پرچھائیاں	اختر امام رضوی	بشارت علی
۲	میری نظر	شیراز طاہر	جہانگیر عمران
۳	آسیب زدہ گاؤں	آل عمران	شیراز طاہر
۴	کافی (سرائیکی)	ڈاکٹر نصراللہ ناصر	وارث ملک

براہوی:

۱	پہیہ جام	وحید زبیر	افضل مراد
۲	سناٹا	وحید زہیر	افضل مراد
۳	نظم	منیر رئیسانی	نامعلوم

بلوچی:

۱	نظم	سید ظہور شاہ ہاشمی	واحد بزدار
۲	روشنی کی موت	صباد شتیاری	واحد بزدار
۳	زندگی	عباس علی زیمی	واحد بزدار

۴	کہیں اور چلے جاؤ	اے آر داد	واحد بزدار
۵	خواب	عاصم زیدی	واحد بزدار
۶	ایک سرمگیں شام	ب۔ج موج	واحد بزدار

پشتو:

۱	اٹھو جاگو	غنی پرداز	سمی پرداز
۲	نظم	فضل محمود دُرخان	عبداللہ جان عابد
۳	نیک وبد	ہاشم بابر	عبداللہ جان عابد

سندھی:

۱	یہ پھول	شیخ ایاز	بشیر عنوان
۲	پتھر کی نگری	امداد حسینی	مصطفٰی ارباب
۳	سندھیانی	نورالہدیٰ شاہ	آصف فرخی
۴	فطرت	آسی زمینی	مصطفٰی ارباب
۵	کھیل	مظہر لغاری	مصطفٰی ارباب
۶	میری آنکھیں گم ہو سکتی ہیں	وسیم سومرو	مصطفٰی ارباب
۷	مسلسل	وسیم سومرو	مصطفٰی ارباب
۸	میں اس کی لپ سٹک ہوں	امتیاز ابڑو	مصطفٰی ارباب
۹	خوشیاں اور چونٹیاں	پشپا ولبھ	مصطفٰی ارباب
۱۰	محکمہ موسمیات نے اعلان کیا ہے	اسحاق سمیجو	مصطفٰی ارباب
۱۱	جھوٹی موٹی بات پر	بادل	مصطفٰی ارباب
۱۲	سمندر کا کڑوا پانی	شاہ محمد پیرزادہ	مصطفٰی ارباب

۱۳	نظم	ملکہ	مصطفٰی ارباب
۱۴	اس شخص کا ذکر	حسن درس	مصطفٰی ارباب
۱۵	مصلحت	شبنم گل	بشیر عنوان
۱۶	یاد اور فراموشی	بخشن مہرانوی	بشیر عنوان
۱۷	زندگی کا سفر	عطیہ داؤد	بشیر عنوان
۱۸	گم شدہ وجود	گوری ولبھ	بشیر عنوان
۱۹	بارش میں بھلانے کی باتیں	آدرش	بشیر عنوان
۲۰	نئے سال کی سوالیہ نظم	انیتا شاہ	بشیر عنوان
۲۱	انتظار کے پھول	انور ابڑو	بشیر عنوان

پنجابی:

۱	میں اپنے غم کی وسعت بیان کرتا ہوں	احمد سلیم	احمد سلیم
۲	جینا اچھا ہے	احمد سلیم	احمد سلیم
۳	امید	رفعت	زاہد حسن
۴	نظم	اشد حسن رانا	شارت علی
۵	سانجھ	نسرین انجم بھٹی	زاہد حسن
۶	دھرتی ماں اور میں	شائستہ حبیب	زاہد حسن
۷	شب کے دریا میں	لمان سعید	زاہد حسن
۸	یہ کیسا راز ہے؟	عائشہ اسلم	زاہد حسن
۹	میں کیا ہوں؟	زمرد ملک	زاہد حسن
۱۰	دکھ	مقبول احمد	زاہد حسن

۱۱	جے پور کی شام	عرفان ملک	زاہد حسن

پاکستانی انگریزی:

۱	کوڈا،ایک نادریافت ملک	ذوالفقار گھوش	ناہید قمر
۲	نروان	اعجاز رحیم	خرم خرام
۳	ابدی جواہرات	منیزہ علوی	سندس خالدی
۴	وقت گزر جاتا ہے	حنا بابر علی	حنا ارم
۵	یہ مکان	شبنم ناصر	حنا ارم
۶	فریب نگاہ	شمائلہ شفقت	حنا ارم
۷	ملاقات	زیبا حسن حفیظ	ناہید قمر
۸	سمتیں	تہمینہ احمد	ناہید قمر
۹	منتشر خواب	عائشہ ڈی کمال	ناہید قمر
۱۰	قرطبہ ۲۰۰۳	شاداب زیست ہاشمی	ثمن اکرم

شمارہ نمبر ۷۹۔۸۰

افسانے:

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم
۱	بندہ اور کتا	امتیاز گلیانوی	شیراز طاہر
۲	فرشتہ	ایاز قادری	فہیم شناس کاظمی
۳	وادر یچوں سے چاند	اے آرداد	واحد بخش بزدار
۴	سفید دوپٹہ	پروفیسر ڈاکٹر صاحب شاہ	قیوم منظر خٹک
۵	میموریل ٹرسٹ	خالد فرہاد دھاریوال	ارشد نعیم

۶	آنکھ مچولی	راشد جاوید	بشارت علی
۷	درشن	سعید اختر سیال	طاہر شیرازی
۸	مذاق میں لکھی گئی کہانی	عرشی بلوچ	یعقوب خاور
۹	بڑھیا کی کہانی	گوہر ملک	واحد بخش بزدار
۱۰	گند	مشتاق عاجز	شیراز طاہر
۱۱	رنگ بکھرنے کے بعد	منور سراج	فہیم شناس کاظمی
۱۲	کرسمس لڑی	نسیم پارس گاد	ننگر چنا

نظمیں:

نمبر شمار	نظم	نظم نگار	مترجم
۱	تاریخ نویس	آتم ناتن شاہی	حبدار سولنگی
۲	پورٹریٹ اور گلابی رنگ	آصف دھاریجو	مصطفیٰ ارباب
۳	آنسو	آل عمران	نزہت یاسمین
۴	اپنی کیفیت	اجمل خٹک	امان اللہ خان
۵	عشق کی آگ	احمد علی سائیں	سلطان فریدی
۶	دو نظمیں	اختر امام رضوی	یراز طاہر
۷	تم کیا چاہتی ہو	ارشاد کاظمی	مصطفیٰ ارباب
۸	فاصلہ	اسحاق سمیجو	حبدار سولنگی
۹	جنگل بستی ہو جائے	اشولال فقیر	اختر شیخ
۱۰	انوکھی بات	افضل احسن رندھاوا	شوکت علی قمر
۱۱	ابھی ہے جبر کا موسم	بہار النساء بہار	اختر رضا سلیمی

۱۲	سلو پوئزن	جاوید میمن	مصطفٰی ارباب
۱۳	ایک سورج زادی	راز محمد راز	بنفشہ سورج زاد
۱۴	گیت	رانا فضل حسین	غلام سرور رانا
۱۵	رنگ	رفعت عباس	حفیظ خان
۱۶	نظم	روبینہ ابڑو	حبدار سولنگی
۱۷	تقسیم	سعید اختر	خورشید ربانی
۱۸	نظم	سلطانہ وقاصی	ارشاد شیخ
۱۹	تپش	شاہد لطیف ہاشمی	شیراز طاہر
۲۰	بچوں کا کھیل	شفقت سومرو	ارشاد شیخ
۲۱	تمہارے جنم دن کی خوشی پر	طارق عالم ابڑو	مصطفٰی ارباب
۲۲	نظم	فرزانہ یاسمین	ارشاد شیخ
۲۳	پیغام	فضل خالق	واحد بخش بزدار
۲۴	محروم رہ جانے والے لوگوں کے لیے	فیاض چنڈ کلیری	مصطفٰی ارباب
۲۵	عکسی شاعری	محمد علی پٹھان	مصطفٰی ارباب
۲۶	نظم	مظہر لغاری	ارشاد شیخ
۲۷	تین نظمیں	نادر حاجوی	شوکت علی قمر
۲۸	دھرتی کا بیٹا	نصر اللہ خان ناصر	وارث ملک
۲۹	خشک سالی یا زمانہ قحط میں	نصیر بلوچ	زاہد حسن
۳۰	ماں کا پورٹریٹ	نصیر مرزا	اول سومرو
۳۱	نظم	ولی رام ولبھ	بشیر عنوان

۳۲	کچا دھاگا	یاسر کیانی	غزالہ تسنیم

شمارہ نمبر ۹۴۔۹۵

نمبر شمار	نظم	نظم نگار	مترجم
۱	موسم بہار (بلوچی)	پیر زبیرانی	واحد بخش بزدار
۲	کون سا پھول ہے (بلوچی)	حکیم وفا	مہناز غنی
۳	بہترین (بلوچی)	حکیم وفا	مہناز غنی
۴	شیشلو شالو، شیشلو شالو (بلوچی)	حکیم وفا	مہناز غنی
۵	کتا (بلوچی)	طاہرہ احساس ہتک	طاہرہ احساس ہتک
۶	بلی (بلوچی)	طاہرہ احساس ہتک	طاہرہ احساس ہتک
۷	گڑیا میری (بلوچی)	طاہرہ احساس ہتک	طاہرہ احساس ہتک
۸	علم (بلوچی)	عنایت اللہ قومی	واحد بخش بزدار
۹	علم سے لو لگائے رکھو (بلوچی)	عنایت اللہ قومی	واحد بخش بزدار
۱۰	آؤ سکول چلیں (بلوچی)	عنایت اللہ قومی	واحد بخش بزدار
۱۱	بہار گاہ (بلوچی)	میر گل خان نصیر	واحد بخش بزدار
۱۲	آؤ جھولے جھلائیں (بلوچی)	واحد بخش بزدار	واحد بخش بزدار
۱۳	ماں کی فریاد (بلوچی)	واحد بخش بزدار	واحد بخش بزدار
۱۴	لوریوں کے گیت (براہوی)	افضل مراد	افضل مراد
۱۵	آؤ بولیں ہم ساتھی (براہوی)	افضل مراد	افضل مراد
۱۶	علم حاصل کرو (براہوی)	عجب خان سائل	عجب خان سائل
۱۷	میری گڑیا (پشتو)	اجمل خٹک	م۔ر۔ شفیق

۱۸	پوتے پوتیاں (پشتو)	اجمل خٹک	م۔ر۔ شفیق
۱۹	رنگ برنگی تتلی (پشتو)	اسحاق وردگ	اسحاق وردگ
۲۰	درندے کی موت (پشتو)	اسرار طوروی	اسرار طوروی
۲۱	سدابہار (پشتو)	اسرار طوروی	اسرار طوروی
۲۲	میرا بچہ (پشتو)	محمد نواز طائر	سید ولی خیال مومند
۲۳	ایک ناگ (ہندکو)	امتیاز الحق امتیاز	امتیاز الحق امتیاز
۲۴	ماں کے لیے بچے کی دعا (ہندکو)	سلطان سکون	سلطان سکون
۲۵	گیت (ہندکو)	ناصر علی سید	ناصر علی سید
۲۶	گیت (ہندکو)	ناصر علی سید	ناصر علی سید
۲۷	چلو چل کے دیکھتے ہیں (ہندکو)	ناصر علی سید	ناصر علی سید
۲۸	گیت (ہندکو)	حسام حر	حسام حر
۲۹	گیت (ہندکو)	حسام حر	حسام حر
۳۰	گیت (ہندکو)	حسام حر	حسام حر
۳۱	گیت (ہندکو)	ثریا بانو	حسام حر
۳۲	گیت (ہندکو)	ناصر علی سید	حسام حر
۳۳	اپنی دھرتی (سندھی)	بختل باغی	فہیم شناس کاظمی
۳۴	اُٹھو بیٹا (سندھی)	بختل باغی	فہیم شناس کاظمی
۳۵	ارے پیرے پیارے بچو (سندھی)	بختل باغی	فہیم شناس کاظمی
۳۶	آوازیں (سندھی)	ذوالفقار سیال	ابرار ابڑو
۳۷	نظم (سندھی)	ذوالفقار سیال	ابرار ابڑو

۳۸	نظم (سندھی)	ذوالفقار سیال	ابرار ابڑو
۳۹	امی (سندھی)	علی دوست عاجز	ابرار ابڑو
۴۰	قلفی والا (سندھی)	غلام محمد غازی	ابرار ابڑو
۴۱	رب سچے کی نعمت ہے (سندھی)	فہیم شناس کاظمی	فہیم شناس کاظمی
۴۲	گاؤں اچھا میرا (سندھی)	فیاض	فہیم شناس کاظمی
۴۳	تم بھی جاگو پیارے (سندھی)	فیاض	فہیم شناس کاظمی
۴۴	تختی (سندھی)	مرید سندھی	مرید سندھی
۴۵	آمنہ کی مرغی (پنجابی)	احمد یار جنجوعہ	زاہد حسن
۴۶	تارے جاگے (پنجابی)	احمد یار جنجوعہ	زاہد حسن
۴۷	اُٹھو فریدہ (پنجابی)	استاد امن	زاہد حسن
۴۸	زندگی نامہ سے (پنجابی)	استاد امن	زاہد حسن
۴۹	کوا بولے (پنجابی)	اعزاز احمد آذر	زاہد حسن
۵۰	اکڑ بکڑ بھمبا بھو (پنجابی)	حنیف زاہد	اختر رضا سلیمی
۵۱	سحری کا وقت (پنجابی)	حنیف زاہد	خالد مصطفٰی
۵۲	امن کا گیت (پنجابی)	حنیف زاہد	خورشید ربانی
۵۳	رباعیات باہوؒ (پنجابی)	سلطان باہوؒ	ساغر صدیقی
۵۴	دیکھ کھیل مداری کا (پنجابی)	سلطان کھاروی	زاہد حسن
۵۵	مسافر چلتا چل (پنجابی)	شوکت علی	سعدیہ مصور
۵۶	وقت (پنجابی)	فرخندہ لودھی	اختر رضا سلیمی
۵۷	پیارا ہمارا پاکستان (پنجابی)	ڈاکٹر فقیر محمد فقیر	زاہد حسن

۵۸	نام میراارفع (پنجابی)	ڈاکٹر یونس اختر احقر	زاہد حسن
۵۹	کوئل کُوکُو بول (سرائیکی)	خورشید ربانی	اختر رضا سلیمی
۶۰	پاکستان (سرائیکی)	دلشاد کلانچوی	سلیم شہزاد
۶۱	سپاہی (سرائیکی)	دلشاد کلانچوی	سلیم شہزاد
۶۲	باپ (سرائیکی)	دلشاد کلانچوی	سلیم شہزاد
۶۳	آدھی چِٹھی ساری (سرائیکی)	نسیم اختر	نسیم اختر
۶۴	اسّی ایک اکاسی (سرائیکی)	نسیم اختر	نسیم اختر
۶۵	بیٹی کی پیدائش پر (سرائیکی)	یاور عظیم	یاور عظیم
۶۶	ٹینکو (پوٹھوہاری)	الیاس بابر اعوان	الیاس بابر اعوان
۶۷	پیارے بچو اچھا ہے (پوٹھوہاری)	فیصل عرفان	فیصل عرفان
۶۸	میرا مدرسہ (پوٹھوہاری)	یاسر کیانی	شیراز طاہر
۶۹	میری باجی (پوٹھوہاری)	یاسر کیانی	یاسر کیانی

شمارہ نمبر ۹۶

افسانہ:

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم
۱	معمار (پنجابی)	میر تنہا یوسفی	حکیم صفدر حسین واحق
۲	شکست (بلوچی)	منیر احمد بادینی	اشرف شاد
۳	جنگل کہاں ہے (بلوچی)	اے۔آر۔داد	محسن بالاچ
۴	مہناز (براہوی)	غمخوار حیات	سمیر بلوچ

نظمیں:

نمبر شمار	نظم	شاعر	مترجم

۱	بختاور بی بی (پنجابی)	نصیر بلوچ	زاہد حسن
۲	رات کی مصروفیات (پنجابی)	اسد ملک	محمد مشتاق آثم
۳	مختصر نظمیں (سندھی)	شیخ ایاز	فہیم شناس کاظمی
۴	وچن سرسری عدالت (سندھی)	نورالھدیٰ شاہ	فہیم شناس کاظمی
۵	غزل (سندھی)	شیخ ایاز	انور ندیم علوی
۶	غیر موجودگی کا سمندر (سندھی)	لیاقت رضوی	مصطفیٰ ارباب
۷	غزل (پشتو)	رحمان بابا	طہٰ خان
۸	شمالی ویت نام کے حریّت پسندوں کے نام (پشتو)	ہمیش خلیل	م۔ر۔ شفیق
۹	توت کا درخت (پشتو)	سید شراب ہاشمی	م۔ر۔ شفیق
۱۰	غزل (سرائیکی)	سعید اختر	خورشید ربانی
۱۱	ادھوری بات (سرائیکی)	ظہیر احمد	جواد احمد
۱۲	کرو کچھ غور! (براہوی)	افضل مراد	فیصل مراد
۱۳	نعت (ہندکو)	حسام حر	حسام حر
۱۴	میری سوچ (ہندکو)	آصف ثاقب	امتیاز الحق امتیاز
۱۵	ماسی مہراں (پوٹھوہاری)	باقی صدیقی	شیراز طاہر
۱۶	شکر دوپہر (پوٹھوہاری)	آل عمران	شیراز طاہر

شمارہ نمبر ۹۷

افسانے:

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم
۱	زندگی کا قبرستان (بلوچی)	غنی پرداز	غنی پرداز

۲	تو پھر!(پنجابی)	میر تنہا یوسفی	ملک مہر علی
۳	بڑھیا کا گھوڑا (سرائیکی)	حفیظ خان	حمزہ حسن شیخ
۴	سوچ (ہندکو)	سید معصوم شاہ ثاقب	قیوم مروت
۵	سُونا آنگن (پوٹھوہاری)	آل عمران	شیراز طاہر

سندھی نظمیں:

نمبر شمار	نظم	نظم نگار	مترجم
۱	ریمائنڈر	علی اظہار	فہیم شناس کاظمی
۲	ایک قصہ	علی اظہار	فہیم شناس کاظمی
۳	نظم	شیخ ایاز	ابرار ابڑو
۴	ہو جمالو	ادل سومرو	ادل سومرو

بلوچی نظمیں:

۱	انتباہ	غنی پرداز	غنی پرداز
۲	خونِ جگر کو رسنے دو	سمی پرداز	سمی پرداز

براہوی، پشتو اور ہندکو کی ایک ایک نظم:

۱	آواز دبانے سے۔۔۔(براہوی)	وحید زہیر	افضل مراد
۲	ذرا پلاؤ تو ساقی شراب ہے کہ نہیں؟(پشتو	اجمل خٹک	اسد اللہ اسد
۳	مرا دل عجیب سخی رہا۔۔۔(ہندکو)	آصف ثاقب	امتیاز الحق امتیاز

شمارہ نمبر ۹۸

افسانے:

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم
۱	گھر (پنجابی)	خالد فرہاد دھاریوال	قمر الزماں

۲	آسرا(پنجابی)	پروین ملک	شہزاد شاہد
۳	مرے ہوئے شخص کی کھلی ہوئی آنکھیں(بلوچی)	غنی پرداز	محسن بالاچ
۴	جنت، حور، قصور(سرائیکی)	حفیظ خان	طارق نعیم
۵	لہریں(پوٹھوہاری)	علی عدالت	شیراز طاہر

نظمیں:

نمبر شمار	نظم	نظم نگار	مترجم
۱	کبھی جی میں آتا ہے کہ (سندھی)	شیخ ایاز	حبدار سولنگی
۲	تخلیق کا تقدس(سندھی)	ادل سومرو	ادل سومرو
۳	فنا اور بقا(سندھی)	اسحاق سمیجو	ابرار ابڑو
۴	فنا(پنجابی)	ڈاکٹر محمد اعظم سُمورو	زاہد حسن
۵	وہم(پشتو)	محمود ایاز	محمود ایاز
۶	جنت(پشتو)	اجمل خٹک	سلطان فریدی
۷	دعا(بلوچی)	رزاق نادر	ڈاکٹر علی دوست
۸	نفرت(سرائیکی)	الطاف صفدر	شہاب صفدر
۹	وادیِ بولان(براہوی)	افضل مراد	جہاں آراء تبسم
۱۰	بڑے شاہ کی وصیت(ہندکو)	احمد حسین مجاہد	احمد حسین مجاہد
۱۱	میرا حسن ماند پڑ چکا ہے(شنا)	عبدالغفور چلاسی	رستم نامی

شمارہ نمبر ۹۹

ڈرامہ:

نمبر شمار	ڈرامہ	ڈرامہ نگار	مترجم

۱	احساس	افضل مراد	افضل مراد

کہانیاں:

نمبر شمار	کہانی	مصنف	مترجم
۱	دوستی	نورینہ سائل	نورینہ سائل
۲	اُونٹ اور مگرمچھ (براہوی)	عجب خان سائل	عجب خان سائل
۳	بلی اور بڑھیا (بلوچی)	میر عاقل مینگل	مہناز غنی
۴	ملکہ اور مالکن (بلوچی)	مہناز غنی	مہناز غنی
۵	جھگڑالو عورت اور ہوشیار عورت (بلوچی)	نادیہ ہاشم	نادیہ ہاشم
۶	عقل مند وزیر زادی (بلوچی)	نادیہ ہاشم	نادیہ ہاشم
۷	تین دعائیں (بلوچی)	واحد بخش بزدار	واحد بخش بزدار
۸	خونِ ناحق (بلوچی)	واحد بخش بزدار	واحد بخش بزدار
۹	ابن مسعود کا انصاف (پشتو)	حافظ محمد ادریس	سید ولی خیال مومند
۱۰	تین اور پانچ (پشتو)	حافظ محمد ادریس	سید ولی خیال مومند
۱۱	چالاک ریتو (پشتو)	سید ولی خیال مومند	سید ولی خیال مومند
۱۲	کوؤں کی اصلی بولی (پنجابی)	اشرف سہیل	اختر رضا سلیمی
۱۳	ڈھول (پنجابی)	الیاس گھمن	الیاس گھمن
۱۴	خوبصورت پرندہ (پنجابی)	فرخندہ لودھی	خالد مصطفٰی
۱۵	بانسری والا (پنجابی)	فرخندہ لودھی	خالد مصطفٰی
۱۶	سات پریوں کی کہانی (پنجابی)	زاہد حسن	زاہد حسن
۱۷	نیک بادشاہ اور چڑیل ملکہ (پنجابی)	زاہد حسن	زاہد حسن

۱۸	کالی سویٹر (پوٹھوہاری)	قمر محمود عبداللہ	شیراز طاہر
۱۹	عرفان کی کہانی (پہاڑی)	ڈاکٹر صغیر خان	شیراز طاہر
۲۰	مچھلی کا شکار (سرائیکی)	حمزہ حسن شیخ	حمزہ حسن شیخ
۲۱	چالاک گیدڑ (سرائیکی)	خدیجہ کبریٰ	خورشید ربانی
۲۲	مال، جان کا صدقہ ہوتا ہے (سرائیکی)	خدیجہ کبریٰ	خورشید ربانی
۲۳	حرام، حلال کو کھا جاتا ہے (سرائیکی)	شوکت مغل	خورشید ربانی
۲۴	باتوں کے زخم (سرائیکی)	عصمت اللہ شاہ	خورشید ربانی
۲۵	پانی، پھل روشنی اور سونے کی جگہ (سرائیکی)	عصمت اللہ شاہ	خورشید ربانی
۲۶	کرڑبل خان اور ماحول دیہہ (سرائیکی)	نسیم اختر	نسیم اختر
۲۷	کھلونا (سرائیکی)	نسیم اختر	نسیم اختر
۲۸	عقل اور بخت (سندھی)	فضل الرحمن میمن	فہیم شناس کاظمی
۲۹	کامیابی کا راز (سندھی)	فضل الرحمن میمن	فہیم شناس کاظمی
۳۰	عقل مند بادشاہ (سندھی)	لیلارام روچندائی	فہیم شناس کاظمی
۳۱	کوا اور چڑیا (سندھی)	محمد ابراہیم جویو	فہیم شناس کاظمی
۳۲	بخت آور بادشاہ (سندھی)	ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ	فہیم شناس کاظمی
۳۳	انّا پرست راجا (شنا)	حبیب الرحمان مشتاق	حبیب الرحمان مشتاق
۳۴	چڑیل (شنا)	حبیب الرحمان مشتاق	حبیب الرحمان مشتاق
۳۵	جادو کا پیالہ (کشمیری)	شاہد ندیم	شاہد ندیم
۳۶	گنجے کی کہانی (ہندکو)	انجم جاوید	انجم جاوید

۳۷	پیر مانک کی ڈھیری (ہندکو)	بشیر احمد سوز	بشیر احمد سوز
۳۸	پتھر کے انسان (ہندکو)	بشیر احمد سوز	بشیر احمد سوز

شمارہ نمبر ۱۰۰

افسانے:

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم
۱	قربتیں اور فاصلے (سندھی)	خیر النساء جعفری	سعید درانی
۲	بیٹی (پنجابی)	حنیف باوا	ارشد چہال
۳	چشمہ اور گلاب (بلوچی)	غنی پرداز	غنی پرداز
۴	سوکھے پتوں کا گیت (بلوچی)	پروفیسر دشتیاری	مہجور بدر
۵	سب مر گئے۔۔۔ (بلوچی)	یعقوب شاہ غرشین	یعقوب شاہ غرشین
۶	بند کھڑکی (سرائیکی)	مسرت کلانچوی	سلیم شہزاد

نظمیں:

نمبر شمار	نظم	نظم نگار	مترجم
۱	مراقبہ (سندھی)	ادل سومرو	حبدار سولنگی
۲	بہت چالاک ہو (سندھی)	مصطفٰی ارباب	
۳	جانے والے (پنجابی)	احمد راہی	اختر رضا سلیمی
۴	عاشق ہیں کمزور دِلے (پنجابی)	افضل احسن رندھاوا	زاہد حسن
۵	بجھتے ہوئے اک چاند کی قاش (پنجابی)	زاہد حسن	زاہد حسن
۶	ابٹن، شادی کی ایک رسم (پنجابی)	طارق عزیز	نوشین اختر
۷	کوہستانی دوشیزہ (پشتو)	غازی سیال	ارشد سائر
۸	طلب، معصوم (پشتو)	صابر علی صابر	اسد اللہ اسد

۹	آج میں پہاڑوں پر جاؤں گا (براہوی)	افضل مراد	افضل مراد
۱۰	سایہ ءدھوپ (بلوچی)	مبارک قاضی	عمران ثاقب
۱۱	نظم (بلوچی)	محمد رفیق مغیری	غلام قادر خان بزدار
۱۲	Nature cannot be Changed (براہوی)	امرت مراد	امرت مراد
۱۳	جان پہچان (سرائیکی)	طاہر شیرازی	خورشید ربانی

شمارہ نمبر ۱۰۱

نعتیں براہوی:

نمبر شمار	نعت	شاعر	مترجم
۱	محبوب دلربا ہیں صلی علیٰ محمد ﷺ	جوہر براہوی	افضل مراد
۲	مظلوموں بے بسوں کے درد کی دوا	ڈاکٹر عبدالرزاق صابر	افضل مراد
۳	محمد ﷺ ہے خالق کا محبوب پیارا	غلام قادر بزدار	غلام قادر بزدار
۴	مجھے معلوم ہے پختہ یقین ہے	نور احمد نظامی ملنگ	ظہور احمد فاتح

نعتیں بلوچی:

۱	میرا گلستان ہو آباد یا مصطفی ﷺ	قاضی عبدالرحیم صابر	واحد بخش بزدار
۲	رنج والم کی تمہی ہو دوا یا رسول اللہ ﷺ	منظور بلوچ	واحد بخش بزدار
۳	راحت قلب و جاں ہے نام محمد ﷺ	پیر محمد زبیرانی	واحد بخش بزدار
۴	تیری شان خیر الامم ﷺ اللہ اللہ	محمد اسحاق ساجد بزدار	واحد بخش بزدار

نعتیں پشتو:

۱	کھلا ہم پر ثنا خوانِ محمد ﷺ	خوشحال خان خٹک	سلطان فریدی
۲	صورت محمد ﷺ نہ ہوتی جلوہ نما	رحمان بابا	پروفیسر داور خان داؤد
۳	یہ اک سلام لے جا	حمزہ خان شنواری	پروفیسر داور خان داؤد
۴	ہے عطا آپ ﷺ کی گویا عطا کی روشنی	حافظ محمد ابراہیم فانی	سلطان فریدی
۵	وہ میرا پیغمبر ہے	ڈاکٹر محمد ہمایوں ہما	ڈاکٹر محمد ہمایوں ہُما
٦	اے تاج دار یثرب و بطحا!	پروفیسر محمود ایاز	پروفیسر اسیر مینگل
۷	عید وہاں ہوتی ہے جہاں محبوبِ کبریا ﷺ ہوتے ہیں	استاد عبداللہ نوخار	پروفیسر اسیر مینگل
۸	میں اگرچہ ایک خطا کار	محمد جان عاطف	محمد جان عاطف
۹	میں نے بہت ساری محبتیں کی ہیں	حسینہ گل	محمد کامران خان
۱۰	حضور ﷺ میری اتنی توفیق نہیں	قمر راہی	سید ولی خیال مومند
۱۱	ظلمت و ظلم کی حکومت تھی	غازی سیال	جاوید احساس

نعتیں پنجابی:

۱	واہ کریم امت کا والی، ہے مہر شفاعت کرنا	میاں محمد بخشؒ	زاہد حسن
۲	م دن اندر نماز ہماری اک جانیت کرتے ہیں	سلطان باہوؒ	زاہد حسن
۳	جیسے لفظ خدا کے یاد تھے	اختر شیخ	علی یاسر
۴	مہکتا ہے مقدر بھی محمد ﷺ کے غلاموں کا	زاہد نواز	زاہد حسن

نعتیں سرائیکی:

۱	ان سے بڑھ کر کوئی عالم	حمید الفت ملغانی	سونا خان صادق

۲	جب آپ ﷺ کی یاد کا چاند طلوع ہوتا ہے	عبداللہ یزدانی	حمزہ شیخ
۳	چلا ہے اب تو ذرا	ڈاکٹر گل عباس اعوان	ڈاکٹر گل عباس اعوان
۴	ہے ہر نبی کے لب پر بشارت حضور ﷺ کی	ڈاکٹر سید قاسم جلالی	ڈاکٹر گل عباس اعوان
۵	جہاں سارا ہوا منور	امان اللہ کاظم	ڈاکٹر گل عباس اعوان

نعتیں سندھی:

۱	خوش نصیبی کا ہوا سورج طلوع	احمد خان مدہوش	مرید سندھی
۲	نعت ﷺ (در مخمس)	حاجی مراد خان چانڈیو	فہیم شناس کاظمی
۳	توئی سرتاج سبحانی محمد ﷺ یا رسول اللہ	محمد عرس گل	
۴	کس وجہ یہ ہشیار ہیں زندان محمد ﷺ	مرزا فتح علی بیگ	
۵	میری ہو جائے مدد رہبر مصطفےٰ ﷺ	دادن فقیر	مرید سندھی
۶	دل فائدے میں ہے	سید مقبول حسین مقبول عابدی	سید مقبول حسین مقبول عابدی

نعتیں گوجری:

۱	معاشرہ کی حالت بگڑ چکی تھی	رانا غلام سرور	رانا غلام سرور
۲	احد کے گنج شہداں کی ہم جفا سے	رانا فضل حسین	رانا فضل حسین
۳	نبی کریم ﷺ ہمارے شہر پناہ ہیں	چودھری شاہ محمد شہباز	پروفیسر نازش صبا
۴	آپ ﷺ کی شان سب سے اعلیٰ وارفع ہے	منیر حسین چودھری	پروفیسر مہوش منیر

نعتیں ہندکو:

۱	میرا کسی در سے کوئی تعلق نہیں	احمد حسین مجاہد	احمد حسین مجاہد

۲	حضورﷺ کی بعثت کو مومنوں پر	ارشاد شاکر اعوان	ارشاد شاکر اعوان
۳	تیری ذات سے نور وہ پھوٹا	پروفیسر بشیر احمد سوز	نوشین اختر
۴	جب عرب کا چاند طلوع ہوا	سلطان سکون	انجم جاوید

شمارہ نمبر ۱۰۲

افسانے:

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم
۱	دو پل میٹھے (پنجابی)	حنیف باوا	حنیف باوا
۲	خزینہ (سرائیکی)	حفیظ اللہ گیلانی	عنایت عادل
۳	لیڈر (براہوی)	وحید زہیر	وحید زہیر
۴	لمحوں کا حصار (ہندکو)	ناصر علی سید	حسام حر
۵	چھوٹے قد کی بڑی عورت (پوٹھوہاری)	شیراز طاہر	شیراز طاہر

نظمیں:

نمبر شمار	نظم	نظم نگار	مترجم
۱	یہ پھول (سندھی)	شیخ ایاز	بشیر عنوان
۲	تم بولتی رہو (سندھی)	مصطفی ارباب	حبدار سولنگی
۳	خاموشی (سندھی)	شبنم گل	ابرار ابڑو
۴	تمہارے خواب (سندھی)	پشپا ولبھ	ابرار ابڑو
۵	بیت (پنجابی)	سلطان باہوؒ	اسد عباس خان
۶	کافی (پنجابی)	شاہ حسین	اسد عباس خان
۷	اوس (پنجابی)	وزیر آغا	زاہد حسن
۸	مصور (پشتو)	اسرار دطورو	م۔ر۔ شفیق

۹	غزل (پشتو)	عبدالقادر خٹک	سلطان فریدی
۱۰	امن (پشتو)	صابر علی صابر	اسداللہ اسد
۱۱	دریزہ (پشتو)	شیریں یار یوسف زئی	اسداللہ اسد
۱۲	عجیب سارشتہ (بلوچی)	ڈاکٹر موہن کمار بلوچ	ڈاکٹر موہن کمار بلوچ
۱۳	اندھے نے بین بجائی (سرائیکی)	نصیر سرحد	حمزہ حسن شیخ
۱۴	تنہائی (سرائیکی)	جاوید بخاری	خورشید ربانی
۱۵	غزل (براہوی)	امیر الملک مینگل	خدابخش شکیب
۱۶	چوڑیاں (ہندکو)	آصف ثاقب	امتیاز الحق امتیاز
۱۷	وجود (ہندکو)	جعفر سید	ارشاد شاکر اعوان
۱۸	تبدیلی (پوٹھوہاری)	فیصل عرفان	فیصل عرفان
۱۹	غزل (شنا)	رستم ناجی	رستم ناجی

شمارہ نمبر ۱۰۳

افسانے:

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم
۱	اروڑ کا مست (سندھی)	امر جلیل	ابراہیم جمالی
۲	ماں (سندھی)	انور شیخ	آغا نور محمد پٹھان
۳	گونگے، بہرے اور اندھے (سندھی)	ڈاکٹر رسول چمن	شاہد حنائی
۴	کرسی (پشتو)	عظمت ہما	سلطان فریدی
۵	کریم بخش کا آئیڈیل (بلوچی)	منیر بادینی	شرف شاد
۶	انکشاف ہونا ابھی باقی ہے (براہوی)	وحید زہیر	تیمور دہوار

نظمیں:

نمبر شمار	نظم	شاعر	مترجم
۱	در تعریف حسنِ ہیر (پنجابی)	وارث شاہ	سعید دوشی
۲	صدائے صندوق (پنجابی)	دائم اقبال دائم	
۳	برتر پھول، فروتر انسان (پنجابی)	اخلاق عاطف	اخلاق عاطف
۴	رباعیات (پشتو)	شیریں یار یوسف زئی	اسد اللہ اسد
۵	اِرتقا کی آنکھ (بلوچی)	غنی پہوال	غنی پہلوال
۶	ایک لمحے کی کشمکش (بلوچی)	مہلب بلوچ	مہلب بلوچ
۷	غزل (سرائیکی)	شاکر شجاع آبادی	شیدا چشتی
۸	قطعات (سرائیکی)	شاکر شجاع آبادی	خورشید ربانی
۹	نئے جیون کی کوئی راہ (سرائیکی)	ڈاکٹر گل عباس اعوان	ڈاکٹر گل عباس اعوان
۱۰	کافی (سرائیکی)	خواجہ غلام فرید	ڈاکٹر عزیز فیصل
۱۱	تلاش (براہوی)	افضل مراد	افضل مراد
۱۲	ہم لوگ (ہندکو)	محمد حنیف	رستم نامی
۱۳	جگراتے (ہندکو)	فضل اکبر کمال	رستم نامی
۱۴	مجھے اکیلے نہ چھوڑنا (گوجری)	رانا فضل حسین	غلام سرور رانا
۱۵	کوئی بتائے سبب کیا ہے (گوجری)	پروفیسر طرب احمد صدیقی	غلام سرور رانا
۱۶	پہیلی (پوٹھوہاری)	شکور احسن	شکور احسن

شمارہ نمبر ۱۰۸

نمبر شمار	اصنافِ ادب کی قسم	تخلیق کار	مترجم

۱	وارث شاہ کا کمالِ فن (پنجابی)	احمد ندیم قاسمی	سعدیہ سمن
۲	کھواب کیا کریں؟	احمد ندیم قاسمی	زاہد حسن

شمارہ نمبر ۱۰۵

افسانے:

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم
۱	دوپہروں میں لپٹی بات (سندھی)	لیاقت رضوی	شاہد حنائی
۲	ڈھول بتاشوں کا انجام (بلوچی)	منیر بادینی	شرف شاد
۳	تکمیل (سرائیکی)	ڈاکٹر گل عباس اعوان	ڈاکٹر گل عباس اعوان
۴	قطرہ (براہوی)	امیر الملک مینگل	مان منصور

نظمیں:

نمبر شمار	نظم	شاعر	مترجم
۱	آئی بنک (سندھی)	ارشاد کاظمی	فہیم شناس کاظمی
۲	نظم (سندھی)	آتم ناتھنشاہی	ابرا ابڑو
۳	شکوہ کردن ملکی، پیش چوچک (پنجابی)	وارث شاہ	راناسعید دوشی
۴	رنگین لفافے میں بند دلاسا (پنجابی)	بشریٰ ناز	زاہد مسعود
۵	میں ایک پیڑ ہوں (پنجابی)	حنیف باوا	عامر عبداللہ
۶	غزل (پشتو)	احمد دین طالب	سلطان فریدی
۷	کشمکش (پشتو)	عارف تبسم	سلطان فریدی
۸	سورا (پشتو)	شاہدہ سردار	شاہدہ سردار
۹	کاروانِ مراد (بلوچی)	اللہ بشک بزدار	واحد بخش بزدار
۱۰	تحفہ (بلوچی)	غنی پہوال	غنی پہوال

۱۱	پریت، پھل (سرائیکی)	سعید اختر	خورشید ربانی
۱۲	ماماحقو (سرائیکی)	مخمور قلندری	شہاب صفدر
۱۳	پالش کرنے والا بچہ (براہوی)	پروفیسر عبدالرزاق صابر	مان منصور
۱۴	ماں (گوجری)	پروفیسر ارشد علی	غلام سرور رانا
۱۵	جادوگر (گوجری)	پروفیسر ارشد علی	غلام سرور رانا
۱۶	جنگل میں (ہندکو)	محمد حنیف	محمد حنیف

شمارہ نمبر ۱۰۶

افسانے:

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم
۱	موت سے ٹک مکا (براہوی)	وحید زہیر	تیمور دہوار
۲	بے وفا (بلوچی)	مقبول انور	واحد بخش بزدار
۳	جب چڑیاں چگ گئیں کھیت (بلوچی)	پروفیسر صباد شتیاری	ڈاکٹر سمی پرداز
۴	اجنبی (پشتو)	ڈاکٹر نصیب سیماب	اجمیر افغان
۵	جونک (پوٹھوہاری)	شیراز طاہر	شیراز طاہر
۶	بھاگ بھری (پنجابی)	ملک شاہ سوار علی ناصر	گل حسن بدر
۷	حاجت مند (سرائیکی)	سید حفیظ اللہ گیلانی	احسان بلوچ
۸	سات مسافر (سندھی)	منظور کوھیا	شاہد حنائی
۹	ظلمِ عظیم (کشمیری)	الطاف حسین اندرابی	غلام حسن بٹ

نظمیں:

نمبر شمار	نظم	نظم نگار	مترجم
۱	تم مجھ سے ناراض نہ ہونا (براہوی)	افضل مراد	جہاں آراء تبسم

۲	ساحر کی نظم: میری نئی رائے (پشتو)	رحمت شاہ سائل	م۔ر۔ شفیق
۳	بڑائی (پوٹھوہاری)	شیراز اختر مغل	شیراز طاہر
۴	گھ پردیسی (پنجابی)	اخلاق عاطف	اخلاق عاطف
۵	سانحہ پشاور کے تناظر میں (سرائیکی)	جمشید ناصر	طاہر شیرازی
۶	بچے ووٹ نہیں کرتے (سندھی)	ڈاکٹر ادل سومرو	حبدار سولنگی
۷	صلیب (سندھی)	رمضان نول	محمد مشتاق آثم
۸	گم شدہ بوسے (سندھی)	رمضان نول	محمد مشتاق آثم
۹	رباعیات (ہندکو)	پروفیسر صوفی عبدالرشید	امتیاز الحق امتیاز

شمارہ نمبر ۱۰۷

افسانے:

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم
۱	چراغ تلے اندھیرا (پشتو)	امیر عثمان	زینت سلطانہ
۲	اور وہ مر گیا۔۔۔(سندھی)	مانک	شاہد حنائی

نظمیں:

نمبر شمار	نظم	نظم نگار	مترجم
۱	نظم (براہوی)	حمیر اصدف حسنی	حمیر اصدف حسنی
۲	کوئی دیا صبح تک جلا کر دیکھنا (بلوچی)	منیر مومن	واحد بخش بزدار
۳	کیا محسوس کیا تم نے؟ (پشتو)	ثمینہ قادر	ثمینہ قادر
۴	ارمان (پوٹھوہاری)	شیراز اختر مغل	شیراز اختر مغل
۵	نعت (سرائیکی)	خورشید ربانی	سید ضیاالدین نعیم
۶	انجام (پنجابی)	حنیف باوا	عامر عبداللہ

۷	صحرائی پودا (سرائیکی)	جمشید ناشاد	سوہنا خان شاکر
۸	بدنصیب (سندھی)	امداد حسینی	ابرار ابڑو
۹	نظم (گوجری)	رانا فضل حسین	پروفیسر مہوش منیر
۱۰	حمد (ہندکو)	صوفی عبدالرشید	اختر رضا سلیمی
۱۱	کلام احمد علی سائیں (ہندکو)	احمد علی سائیں	سلطان فریدی

شمارہ نمبر ۱۰۹

افسانے:

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم
۱	بے نوائی (بلوچی)	اے آر داد	واحد بخش بزدار
۲	مٹی کی خاطر (پشتو)	ابراہیم رومان	ابراہیم رومان
۳	بنجارہ (پشتو)	ڈاکٹر نصیب اللہ سیماب	اجمیر افغان
۴	خطاکار (پنجابی)	جمیل احمد پال	سلطان کھاروی
۵	گدھوں کی آزادی (سندھی)	ڈاکٹر رسول میمن	شاہد حنائی
۶	شریف چور (کشمیری)	غلام حسن بٹ	غلام حسن بٹ
۷	سورن نگر یا سونے کا گھر (گوجری)	رانا فضل حسین	رانا غلام سرور
۸	لمحے بُنتی اجرک (پوٹھوہاری)	ڈاکٹر رشید نثار	شعیب خالق
۹	زخم حجم (پوٹھوہاری)	شعیب خالق	شعیب خالق
۱۰	کتے (پوٹھوہاری)	شیراز طاہر	شیراز طاہر
۱۱	ایک چھوٹی سی بڑی کہانی (پہاڑی، پوٹھوہاری)	علی عدالت	شیراز طاہر
۱۲	یادوں کا دریچہ (پوٹھوہاری)	ارشد چہال	اختر رضا سلیمی

۱۳	نمرود کی آنکھ (پوٹھوہاری)	قمر عبداللہ	قمر عبداللہ
۱۴	نقاب زادی (پوٹھوہاری)	ماجد وفا عابدی	ماجد وفا عابدی
۱۵	سونے آنگن (پوٹھوہاری)	ثاقب امام رضوی	جہانگیر عمران
۱۶	روشن شیشے پر آنکھ (پوٹھوہاری)	شاہد لطیف ہاشمی	شیراز طاہر
۱۷	ڈر (پوٹھوہاری)	شیراز اختر مغل	شیراز طاہر
۱۸	ڈنگر اور ڈنگر سوچ (پوٹھوہاری)	منور حسین عاصی	مریم حیات ناگی
۱۹	رکی سانسیں (پوٹھوہاری)	نعیم اختر اعوان	نعیم اختر اعوان

نظمیں:

نمبر شمار	نظم	شاعر	مترجم
۱	چھیاسویں برس کی دہلیز پر دھرا ایک سانحہ (انگریزی)	عالمگیر ہاشمی	الیاس بابر اعوان
۲	گاؤں کی لڑکی (انگریزی)	توفیق رفعت	الیاس بابر اعوان
۳	میرا چندا (براہوی)	افضل مراد	جہاں آراء تبسم
۴	لفظوں کو تحریر جو کرتے ہیں (پنجابی)	قیوم طاہر	سید ضیاالدین نعیم
۵	پرایا گھر (چھاچھی)	منظور عارف	علی یاسر
۶	وقتِ جدائی آیا (سرائیکی)	خواجہ غلام فرید	سید تابش الوری
۷	غزل (سرائیکی)	خواجہ غلام فرید	سید ضیاالدین نعیم
۸	وہ (سندھی)	ڈاکٹر اسحاق سمیجو	حبدار سولنگی
۹	بوسہ (سندھی)	آسی زمینی	ابرار ابڑو
۱۰	بڑے شاہ صاحب کی وصیت (ہندکو)	احمد حسین مجاہد	احمد حسین مجاہد

۱۱	جوبن (پوٹھوہاری)	باقی صدیقی	شیراز طاہر
۱۲	کل (پوٹھوہاری)	باقی صدیقی	شیراز طاہر
۱۳	""پُرا"" (پوٹھوہاری)	اختر امام رضوی	شیراز طاہر
۱۴	بجھارت (پوٹھوہاری)	سید طارق مسعود	شیراز طاہر
۱۵	چیخیں (پوٹھوہاری)	علی ارمان	شیراز طاہر
۱۶	آس (پوٹھوہاری)	شاہد لطیف ہاشمی	شیراز طاہر
۱۷	اللہ (پوٹھوہاری)	آل عمران	شیراز طاہر
۱۸	جلتی ہتھیلی (پوٹھوہاری)	شیراز اختر مغل	شیراز طاہر
۱۹	یاد (پوٹھوہاری)	مختار کربلائی	شیراز طاہر
۲۰	دائرے (پوٹھوہاری)	شکور احسن	شیراز طاہر
۲۱	مست جوانی (پوٹھوہاری)	اختر رضا سلیمی	شیراز طاہر
۲۲	صوفی اور شاعر (پوٹھوہاری)	اختر رضا سلیمی	شیراز طاہر
۲۳	اُس رات (پوٹھوہاری)	شیراز طاہر	شاہد لطیف ہاشمی
۲۴	مان (پوٹھوہاری)	یاسر کیانی	شاہد لطیف ہاشمی
۲۵	غزل (پوٹھوہاری)	جہانگیر عمران	جہانگیر عمران
۲۶	نوحہ (پوٹھوہاری)	حمید کامران	نعمان رزاق
۲۷	غزل (پوٹھوہاری)	عمران عامی	رفاقت رازی
۲۸	خوابوں کی گٹھڑی (پوٹھوہاری)	فیصل عرفان	فیصل عرفان

شمارہ نمبر ۱۱۰

افسانے:

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم

۱	لوکل بس (براہوی)	نیلم مومل	نیلم مومل
۲	دہشت (بلوچی)	منیر احمد بادینی	شرف شاد
۳	خوف (پشتو)	طاہر آفریدی	زینت سلطانہ
۴	منصوبے کے تحت لکھی، کہانی (پنجابی)	زاہد حسن	زاہد حسن
۵	مجھے کیا خبر کہ میں کون ہوں (پنجابی)	پروین ملک	سجاد بلوچ
٦	باپ یا بھائی (سرائیکی)	غلام حسن حیدرانی	سلیم شہزاد
۷	گاؤں کا استاد (کشمیری)	نامعلوم	غلام حسن بٹ
۸	لالچی طبیب (کشمیری)		
۹	قینچی (ہندکو)	ملک ناصر داؤد	سید ماجد شاہ
۱۰	ساڑ (ہندکو)	عبدالوحید بسمل	مفیدہ ماجد

نظمیں:

نمبر شمار	نظم	شاعر	مترجم
۱	عورت (بلوچی)	عندلیب گچکی	حسن بالاچ
۲	الوداع (بلوچی)	غنی پہوال	غنی پہوال
۳	غزل (پشتو)	خوشحال خان خٹک	سلطان فریدی
۴	تمنا (پشتو)	اقبال حسین افکار	ثمینہ قادر
۵	غزل (پشتو)	سید ولی خیال	سعید ساعی
٦	غزل (پنجابی)	مشتاق عاجز	خالد مصطفی
۷	گھاؤ (پنجابی)	اعظم ملک	اعظم ملک
۸	گیت (چھاچھی)	منظور عارف	علی یاسر

۹	سانوریا (سرائیکی)	خواجہ غلام فرید	سید تابش الوری
۱۰	طوفان (سندھی)	رمضان نول	محمد مشتاق آثم
۱۱	چراغ (سندھی)	رمضان نول	محمد مشتاق آثم
۱۲	ہاں تم بہت با اختیار ہو (سندھی)	ڈاکٹر ادل سومرو	حبدار سولنگی
۱۳	اس کو دیکھنے کے لیے (سندھی)	مصطفی ارباب	حبدار سولنگی
۱۴	پانچوں طرف (سندھی)	منور سراج	حبدار سولنگی
۱۵	غزل (ہندکو)	بشریٰ فرخ	خالد مصطفی
۱۶	غزل (ہندکو)	مشتاق عاجز	خالد مصطفی

شمارہ نمبر ۱۱۱۔۱۱۲

مضامین:

نمبر شمار	مضمون	مصنف	مترجم
۱	انتظار کے قصہ ہجرت کی کتھا (انگریزی)	صفدر میر	سہیل ممتاز خان
۲	کچھ انتظار حسین کے بارے میں (انگریزی)	الوک بھلہ	رضی مجتبیٰ
۳	انتظار صاحب کو ایک سندھی مداح کا سلام (سندھی)	نصیر مرزا	رضیہ طارق
۴	ایک سفر، پانچ مسافر اور انتظار حسین (سندھی)	طارق عالم	رضیہ طارق

شمارہ نمبر ۱۱۳

نظمیں:

نمبر شمار	نظم	شاعر	مترجم
۱	مداوا (بلوچی)	غنی پہوال	غنی پہوال
۲	کھوجے (پنجابی)	منیر احمد	شعیب نعیم
۳	کیا کوئی بھی نہیں (سرائیکی)	خرم بہاولپوری	سید ضیاءالدین نعیم
۴	خواب (سرائیکی)	محمد ظہیر احمد	سید ضیاءالدین نعیم
۵	جوگی نے کہا وہ آئے گا (سندھی)	ادل سومرو	ادل سومرو
٦	روایت نہیں بدلتی (سندھی)	بخش مہرانوی	فہیم شناس کاظمی
۷	خواب (ہندکو)	امتیاز الحق امتیاز	امتیاز الحق امتیاز

افسانے:

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم
۱	قاتل ستارہ (پشتو)	سید شکیل احمد نایاب	ابراہیم رومان
۲	میلا لباس (پشتو)	ایاز اللہ ترکزے	ابراہیم رومان
۳	خدا (سرائیکی)	غلام حسن حیدرانی	سلیم شہزاد
۴	آوارہ گرد (سندھی)	سندھیا شاہ	سدرۃ المنتہیٰ جیلانی
۵	چالاک چور۔۔۔جاہل کسان (کشمیری)	غلام حسن بٹ	غلام حسن بٹ

گوجر لوک کہانیاں:

نمبر شمار	کہانی	مصنف	مترجم
۱	ہاشم بیگم	احمد سلیم سلیمی	احمد سلیم سلیمی
۲	مِیُون	احمد سلیم سلیمی	احمد سلیم سلیمی
۳	راجہ تراخان	احمد سلیم سلیمی	احمد سلیم سلیمی

۴	کارگاہ بدھا یجّھنی	احمد سلیم سلیمی	احمد سلیم سلیمی

شمارہ نمبر ۱۱۴۔۱۱۵

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	مترجم
۱	ماضی کی تاریخ کو بڑے خیال کے ساتھ سامنے لانا چاہیے	ڈاکٹر نبی بخش بلوچ	محبوب ظفر
۲	حضرت سلطان باہوؒ اور سرائیکی میں ان کے کہے ہوئے بیت	ڈاکٹر نبی بخش بلوچ	محبوب ظفر
۳	مرزا قلیچ بیگ کو مودبانہ سلام	رضیہ طارق	محبوب ظفر
۴	قلعہ رانی کوٹ کی بنیاد اور تاریخ	رضیہ طارق	محبوب ظفر
۵	علامہ آئی آئی قاضی: سندھ یونی ورسٹی کا محسن اور معمار	رضیہ طارق	محبوب ظفر
۶	سہون شریف اور خطہ سیوستان کی تاریخ	ہمایوں حسین شیخ	محبوب ظفر
۷	شیخ نظام الدین اولیا کی سندھ آمد	ہمایوں حسین شیخ	محبوب ظفر
۸	شہید ہوش محمد کا مزار اور ان کے خاندان سے متعلق وضاحت	ہمایوں حسین شیخ	محبوب ظفر
۹	سندھی لغت	سعیدہ طارق	محبوب ظفر
۱۰	شاہ عبدالطیف کی زبان ور شاعری کا معیار	علی آکاش	محبوب ظفر
۱۱	لوک کہانیوں کی علمی اہمیت	علی آکاش	محبوب ظفر
۱۲	وہ جو ہیرے جواہرات لٹا گیا	نصیر مرزا	سید انور اظہر جعفری

شمارہ نمبر ۱۱۸

نظمیں:

نمبر شمار	نظم	شاعر	مترجم
۱	رب خیر کرے (پنجابی)	امرتا پریتم	اختر رضا سلیمی
۲	پانچواں چراغ (پنجابی)	امرتا پریتم	اختر رضا سلیمی
۳	ہجرت (بلوچی)	قاسم فراز	واحد بخش بزدار
۴	ٹامر سی تے جیباں کس رے (پوٹھوہاری)	فیصل عرفان	فیصل عرفان
۵	غزل (سرائیکی)	شہباز مہروی	تسلیم فیروز
۶	خوف (سندھی)	اظہار سومرو	مصطفٰی ارباب
۷	بوڑھا (سندھی)	فیض پیرزادہ	مصطفٰی ارباب
۸	اُدھورے خواب سے جاگا ہوا شخص (سندھی)	امر اقبال	مصطفٰی ارباب
۹	گم شدہ پرچم (سندھی)	امتیاز ابڑو	فہیم شناس کاظمی
۱۰	مزدور (ہندکو)	احمد حسین مجاہد	احمد حسین مجاہد

افسانے:

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم
۱	رومال (بلوچی)	منیر مومن	واحد بخش بزدار
۲	زندگی کڑی دھوپ ہے (پشتو)	محمد ارشد سلیم	محمد ارشد سلیم
۳	موڑ مہاراں (پنجابی)	میر تنہا یوسفی	میر تنہا یوسفی
۴	گھگّو (پنجابی)	اکبر لاہوری	اعظم ملک
۵	کیا میری بہن تھی؟	حنیف باوا	سعدیہ ثمن
۶	بارود کی خوشبو (سرائیکی)	غزالہ ہمدانی	سلیم شہزاد

۷	پیاس (سرائیکی)	مسرت کلانچوی	حمزہ حسن شیخ
۸	جگر کا حفقان (کشمیری)	ڈاکٹر نیلوفر تاز نخوی	غلام حسن بٹ

شمارہ نمبر ۱۱۹

مضامین:

نمبر شمار	مضمون	مصنف	مترجم
۱	ادب اور نفسیات (سندھی)	ڈاکٹر اللہ داد بوھیو	محمد رفیق مغیری
۲	گوجری مرثیہ: ایک جائزہ (گوجری)	غلام سرور رانا	غلام سرور رانا
۳	جدید شنا شاعری، گائیکی اور شنا کی مفلسی (شنا)	احمد سلیم سلیمی	احمد سلیم سلیمی

افسانے:

نمبر شمار	افسانہ	افسانہ نگار	مترجم
۱	عجیب ترین سوال (بلوچی)	منیر احمد بادینی	واحد بخش بزدار
۲	Humn.... (بلوچی)	زاہدہ رئیس راجی	وحید عامر
۳	مجرم (پشتو)	فاروق سرور	فاروق سرور
۴	آہ۔۔۔ میرے معانی (پنجابی)	نصیر احمد	اعظم ملک
۵	ڈھیریاں (پنجابی)	ملک مہر علی	قمر الزمان
۶	فالج زدہ لفظوں کی کہانی (پوٹھوہاری)	شیراز طاہر	شیراز طاہر
۷	ابرہہ (سرائیکی)	حفیظ گیلانی	نین الہی میمن

۸	ضمیر فروخت کے لیے حاضر ہے!(سندھی)	انور ابڑو	ننگر چنا
۹	کب تک کالی رات (سندھی)	قمر شہباز	جہانگیر عباسی
۱۰	سپردِ خدا (کشمیری)	غلام حسین بٹ	غلام حسین بٹ

نظمیں:

نمبر شمار	نظم	شاعر	مترجم
۱	وہ کیا جانیں!(براہوی)	وحید زہیر	عبدالمطلب
۲	نظم (بلوچی)	منیر مومن	رضوان فاخر
۳	الماری میں (پنجابی)	اسد ملک	محمد مشتاق آثم
۴	سفید کوا (سرائیکی)	اسد اشلوک	محمد عتیق احمد
۵	غزل (سندھی)	شیخ ایاز	انور ندیم علوی
۶	وارننگ (ہندکو)	امتیاز الحق امتیاز	امتیاز الحق امتیاز